سلسلۂ تراجم علمائے اہلِ حدیث (۹)

کاروانِ سلف

حصہ نہم

مع ضمیمہ

تاریخ اہل حدیث بلرام پور، یوپی

مؤلف

عبدالرؤف خاں ندوی

ناشر مجلس التحقیق الاسلامی

تلسی پور، بلرام پور، یوپی انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ (آل عمران:۱۰۳)

تم سب متحد ہوکر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ وانتشار میں نہ پڑو

کاروانِ سلف حصہ نہم

ممتاز علمائے اہل حدیث وبعض اہم شخصیات متوفیان وموجودین

کی مفصل حیات وخدمات

مع ضمیمہ

تاریخ اہل حدیث بلرام پور یوپی

مؤلف

مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ وتولاہ

ناشر

مجلس التحقیقِ الاسلامی

تلسی پور، بلرام پور، یوپی، انڈیا

سلسلۂ اشاعت مجلس (۴۴)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب — کاروان سلف حصہ نہم

نام مؤلف — مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ

سال اشاعت — ۲۰۲۲ء

طبع اول — ایک ہزار

صفحات — 512

کمپوزنگ — قمر اعظم سراجی

مطبع — جے کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی

باہتمام

محمد ظفر محمدی اینڈ برادرس

ملنے کا پتہ

عبدالرؤف خاں ندوی محلّہ پُوروہ تلسی پور، بلرام پور، یوپی (انڈیا)

پن کوڈ نمبر- 271208

موبائل نمبر- 9839805218

انتساب

بیسویں صدی کے عظیم مورخ سوانح نگار

اور منفرد اسلوب کے مالک

علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کے نام

رمز آشنا عروض و بدیع و بیان کا

دانا محاورے کا شناسا زبان کا

(عبدالرؤف خاں ندوی)

فہرست مضامین

کاروان سلف حصہ نہم

مع ضمیمہ تاریخ اہل حدیث بلرام پور یوپی

مضامین	اسماء مضمون نگار	صفحہ
انتساب	مورخ اہل حدیث علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ	3
اسلام کی صحیح ترین تعبیر	علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہٗ اللہ	7
علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہٗ اللہ (منظوم تعارف)	شیخ ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ شائق بستوی	9
کاروان سلف (نظم)	شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ مصلح نوشہروی	10
آغاز سخن	عبدالرؤف خاں ندوی	11
کاروان سلف آئینہ حقیقت	ڈاکٹر سید سعید عابدی ازہری حفظہ اللہ	15
کاروان سلف علامہ ابن احمد نقوی کی نظر میں	علامہ ابن احمد نقوی حفظہ اللہ	21
اظہار عقیدت وتشکر	شیخ مختار احمد محمدی مدنی حفظہ اللہ	24
حرف سپاس	شیخ حافظ شبیر احمد نذیر احمد مدنی	26
تم سلامت رہو ہزار برس	شیخ عنایت اللہ خاں محمدی ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیۃ اہل حدیث مہاراشٹر	30
پیام مبارکبادی	سلمان کبیر نگری	32

اسمائے متوفیان	تاریخ وفات	صفحہ
نمونہ سلف مولانا محمد اظہر بہاری رحمہ اللہ	ماہ نومبر ۱۹۱۷ء	34
منشی عابد علی رحمہ اللہ	۹/مارچ ۱۹۹۵ء	56
مولانا عبدالوہاب ریاضی	۱۴/مارچ ۲۰۰۱ء	64
الحاج عزیزالدین خاں رحمہ اللہ (نوگڈھ)	۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء	66
حافظ حبیب اللہ (شنکرنگر)	۱۶/مئی ۲۰۱۷ء	89
ڈاکٹر عبدالدیان انصاری (شنکرنگر)	۱۵/ستمبر ۲۰۱۸ء	96
مولانا فضل الرحمٰن محمدی (مالیگاؤں)	۲۵/اپریل ۲۰۲۰ء	99
ڈاکٹر محمد ایوب (بشن پور ٹنوا)	۹/دسمبر ۲۰۲۰ء	108

اسمائے موجودین	تاریخ پیدائش	صفحہ
ڈاکٹر سید سعید عابدی ازہری	۱۹۴۰ء	110
شیخ عبدالقدوس محمد نذیر مدنی	۱۰/جنوری ۱۹۴۵ء	225
شیخ حافظ عبداللہ عبدالحمید السعدی مدنی	۱۰/جون ۱۹۵۱ء	241
ڈاکٹر سعید احمد فیضی مالیگاؤں	۷/فروری ۱۹۵۲ء	252
الحاج محمد شکیل خاں جری مری ممبئی	یکم جنوری ۱۹۵۳ء	262
ڈاکٹر افروز طالب تلسی پور	۱۳/دسمبر ۱۹۶۷ء	273
شیخ شمیم احمد عبدالحلیم مدنی	۲۷/جولائی ۱۹۷۳ء	276
شیخ ذاکر عباس مدنی	فروری ۱۹۷۴ء	281
شیخ محمد ہاشم سلفی	۱۰/فروری ۱۹۷۸ء	286
ابومعاذ محمدی مالیگاؤں	یکم جون ۱۹۷۹ء	291
شیخ حافظ عنایت اللہ خاں محمدی مالیگاؤں	۳/اپریل ۱۹۸۱ء	293
ڈاکٹر عزیر احمد سنابلی	یکم جنوری ۱۹۸۳ء	295
نظم	ڈاکٹر افروز طالب تلسی پور	307
نظم	زاہد آزاد جھنڈانگری	309

اسلام کی صحیح ترین تعبیر

جو لوگ تحریکوں اور جماعتوں کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ ہر تحریک و جماعت پر اس کی تاریخ میں مختلف موڑ آتے ہیں، اسے کتنے ہی نشیب وفراز سے گزرنا پڑتا ہے، مدوجزر کے فطری اصول بہرحال اسے اپنی بندش میں لیتے ہیں۔

حالات وظروف کے ان فطری حوادث کے سامنے وہ تحریکیں جو غیر فطری مزاج اور منفی اسلوب وفکر رکھتی ہیں اور جو بجائے صحیح بنیادی اصولوں کے صرف حالات و ظروف کی پیداوار ہوتی ہیں نہیں ٹھہر پاتیں، اس کے برعکس جو تحریک مثبت اصول، الٰہی قوانین، ثابت حقائق کی صحیح بنیادوں پر مبنی ہو وہ نہ صرف یہ کہ حوادث وخطرات میں باقی رہتی ہے بلکہ وہ مشکلات ومصائب کی بھٹی میں نکھر جاتی ہے۔

تحریک اہل حدیث بھی مدوجزر کے فطری تقاضوں سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتی تھی، اس کی زندگی میں بھی بہت سے موڑ آئے، لیکن اللہ کا فضل ہے کہ اپنی صداقت، حقانیت اور اسلام کی صحیح ترین تعبیر ہونے کی حیثیت سے اس نے ہر دور میں نامساعد حالات کا بھر پور مقابلہ کیا اور ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلی ہے۔ رفض وخارجیت، اعتزال وجہمیت اور باطنیت سے لے کر تصوف، تقلیدی جمود اور متکلمانہ موشگافیوں تک اس نے ہر شے کو پرکھا اور جانچا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا صحیح تجزیہ کیا ہے۔ مقامی طور پر متحدہ ہندوستان میں آریت، وثنیت، عیسائیت، استعمار، استشراق، بہائیت وبابیت اور قادیانیت سے لے کر رفض، تشیع، بدعات وخرافات اور قبر پرستی تک کوئی بھی ایسا منکر نہیں

ہے جس سے یہ تحریک نبرد آزمانہ ہوئی ہو اور کامیاب نہ نکلی ہو اور اس کا غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اسلام کے خلاف ہر فتنہ کے مقابلہ میں اسلام کی سچی نمائندگی اسی جماعت نے کی ہے۔

تحریک اہل حدیث ہند اپنی ایک عظیم تاریخ رکھتی ہے جس کا دائرۂ عمل تبلیغی، اصلاحی، اجتماعی، سیاسی اور معاشرتی خدمات سے لے کر اسلامی علوم وفنون کے ہر شعبۂ تصنیف وتالیف اور تحقیق تک وسیع ہے۔ اس نے ہر دور میں ہمہ گیر انداز میں اسلام کی خدمت کی ہے۔ بعض حالات میں اس کے افراد پر اگر کچھ سستی، جمود اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی ہو تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ اتنی طویل العمر تحریک کے لئے یہ ایک فطری بات ہے، لیکن تحریک نے اجتماعی طور پر کبھی بھی کسی منکر کا ساتھ دیا ہے نہ اس قسم کا تصور اس کے بارے میں کیا جا سکتا ہے۔ اصول وعقائد کی بنیاد پر سودے بازی کی اس میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

(مجموعہ مقالات اول علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ ص: ۴۵-۴۶)

❁❁❁

علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

(منظوم تعارف)

مولانا ابوالعاص وحیدی شائق بستوی

ہے دل کے آئینہ میں مرتسم تصویر رحمانی — ہے باقی مدتوں سے قلب میں توقیر رحمانی
وہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تھے شیدائی — جہاں میں پھر نمایاں کیوں نہ ہو تحریر رحمانی
حدیثی ذوق میں وہ فکر البانی کے دلدادہ — رہی نقد ونظر میں معتبر اکسیر رحمانی
کتاب وسنت نبوی سے وہ سرشار رہتے تھے — مجلی تھی، مصفّی تھی بہت تفکیر رحمانی
یقیناً منہج اسلاف میں رشد وہدایت ہے — یہی پیغام تھا ان کا یہی تبشیر رحمانی
بنایا علم کا گلشن وطن کی راجدھانی میں — نئی دہلی میں کیا اچھی رہی تدبیر رحمانی
سنابل کے در و دیوار پر علمی تجلی ہے — نظر آتی ہے ہر جانب یہاں تنویر رحمانی
قلم میں ان کے جادو تھا بیاں میں دلربائی تھی — بلاغت میں رہی ڈوبی سدا تعبیر رحمانی
انھیں اللہ نے زور خطابت سے نوازا تھا — دلوں کو مطمئن کرتی رہی تاثیر رحمانی
وہ قرآن وسنن کی روشنی میں بات کرتے تھے — منار علم وحکمت دعوت وتذکیر رحمانی
فضا خاموش ہو جاتی تھی وہ طرز تکلم تھا — بڑی ہی پر اثر ہوتی رہی تقریر رحمانی
جہانِ شرک وبدعت میں ہمیشہ زلزلہ آیا — بڑی پُر زور تھی اس طرح سے تکبیر رحمانی
وہ طوفانوں سے ٹکراتے رہے عزم وشجاعت سے — اسی انداز سے قائم رہی تسخیر رحمانی
ادائے دلبرانہ اس طرح حاصل رہی ان کو — ہوا ہر صاحب علم و ہنر نخچیر رحمانی

دعا شائق کی ہے یارب انھیں جنت عطا فرما
رفاقت اہل تقویٰ کی رہے تقدیر رحمانی

’’کاروان سلف‘‘ نتیجہ فکر: مصلح نوشہروی

رہ شریعت وحق کا سدا وہ راہی تھا[1] جو کارراس کا تھا وہ کار حق پناہی تھا
شکستہ حالی میں، انداز اس کا شاہی تھا کتاب وسنت وسیرت کا وہ سپاہی تھا
اسی کی یاد میں آنکھیں ہماری نم بھی ہیں
اسی کی جیسے بھی ہیں، گرد راہ ہم بھی ہیں
اگرچہ سوز نہیں اور ویسا ساز نہیں عمل میں علم، میں، حکمت میں اب وہ راز نہیں
نشیب راہ ہے ایسا، دم فراز نہیں جو شاہ باز تھا وہ آج شاہ باز نہیں
اسی کا طرز نگر حق ہے، بندگی کے لئے
وقار وعظمت وشوکت ہے زندگی کے لئے
بکھر رہا تھا جواس کارواں کا شیرازہ دیا ہے ہاتف غیبی نے پھر سے آوازہ
کسے تھا آج حقیقت کا اس کی اندازہ رخ سلف پہ لگے گا عمل کا پھر غازہ
کمال حضرت ندوی ہے اس کو عام کریں
جنون وجذبہ وہمت کو ہم سلام کریں
بنا لیا ہے تعارف سلف کا اپنا ہدف ہوا ہے اپنے سلف کا وہ گویا خیر خلف
یہی ہے ان کا ہنر، ان کا جنوں، ان کا شغف بتا رہی ہے یہ روداد ’’کاروانِ سلف‘‘
ہوا ہے راہ میں گرچہ، وہ قدرے درماندہ
مگر ہے اپنے ہدف کے لئے وہ آمادہ
زمیں سے اٹھ کے وہ ہم دوش کہکشاں ہوئے رواں دواں تھا وہ جیسے رواں دواں ہوئے
شکستہ عزم تھا، وہ عزم اب جواں ہوئے قرین منزل مقصود کارواں ہوئے
دعائے مصلح خستہ، برآئیں امیدیں
یہی چمن کی بہاریں مسرتیں عیدیں

صلاح الدین مقبول احمد مصلح نوشہروی (۲۰۲۱/۱۰/۲۳)

---

[1] پہلے دو اور اخیر دعائیہ بند کاروان سلف کے بارے میں تیسرا اور چوتھا بند مؤلف کتاب مولانا ندوی حفظہ اللہ کے بارے میں ہے۔

آغاز سخن

کاروان سلف کی جلد ۹ کی اشاعت کے موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے حصہ نہم کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی تراجم علمائے اہل حدیث کے اس زرّیں سلسلے یعنی کاروان سلف کو اہل علم و دانش نے توقع سے کہیں زیادہ پذیرائی فرمائی جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

تاریخ نویسی ہو یا سیرت نگاری ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جو دنیا کی ہر زبان میں لکھا اور بولا جارہا ہے اردو کو دنیا کی زبانوں میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے، تاریخ رجال و سیرت طیبہ پر سب سے زیادہ کتابیں عربی کے بعد اردو زبان میں لکھی جارہی ہیں اور شائع ہورہی ہیں حالانکہ تاریخ نویسی یا سیرت نگاری یہ ایک مشکل ترین عمل ہے اس کے لئے امانت اور صداقت کا ہونا از بس ضروری ہے مورخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تعصب، حسد، کینہ و بُغض سے کوسوں دور ہو، تاریخ نویسی کرے تاریخ سازی نہ کرے مورخ اپنی تحریر میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے قلم کو جنبش دیں اور قلم کو بھٹکنے نہ دیں اپنے حافظہ پر کامل یقین اور اعتماد ہو حالات خدمات اور واقعات کو حوالۂ قرطاس کرتے وقت تمام کرداروں کا صحیح تذکرہ کیا گیا ہو اس لئے کہ تاریخ ایسا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعہ انسان اپنا ماضی دیکھ سکتا ہے۔

زندہ قوموں کا مزاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے اکابر کے کارناموں کو اجاگر کرکے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی حوصلہ فراہم کرتی ہیں جو نئی نسل کی تیرہ و تاریک راہوں میں قندیل فکر کا کام دیتی ہیں، شخصیات و رجال کی حیات و خدمات پر دستاویزات کیوں تیار کئے جاتے ہیں اور شخصیات کا مطالعہ کیوں ضروری ہوتا ہے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب

شورش کاشمیری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''ابوالکلام آزاد سوانح وافکار'' میں تحریر فرماتے ہیں:
''عظیم سوانح عمریاں عوام کی تربیت کرتی ہیں ایک ایک سوانح عمری آئندہ نسلوں کے دور دراز کے پُر پیچ سفر کو سہل اور آسان کر دیتی ہیں گو ہر انسان خود تجربہ کرنا چاہتا ہے اور دوسروں کے تجربوں سے خود فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا ہے لیکن کئی ایک سوانح عمریوں میں اس قدر خصوصیت ضروری ہوتی ہے دماغوں کو بالا کرتیں اور دلوں کو حوصلہ دیتی ہیں، ہر سوانح عمری انفرادی سطح پر اجتماعی تجربہ کی سرگذشت ہوتی ہے''۔

کاروان سلف حصہ نہم محترم قارئین کی نظروں کے سامنے سے گذر رہا ہے اس قافلے کے معزز ارکان کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان میں متوفیان بھی شامل ہیں اور موجودین بھی ان سب کے متعلق کامل احترام کے ساتھ گذارشات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ البتہ ہوا کہ حالات کی دست یابی اور عمل وحرکت کی کمی بیشی کے پیش نظر کسی صاحب کا تذکرہ کچھ زیادہ لے گیا ہے اور کسی کے واقعات حیات کم جگہ میں سما گئے ہیں ایسا ہونا قدرتی بات ہے اور ہمیشہ سے ہر موضوع میں یہ ہوتا آیا ہے۔

ان نو جلدوں میں جلد اول سے جلد چہارم تک صرف متوفی شخصیات کا تذکرہ ہے جلد پنجم سے جلد نہم تک متوفیان وموجودین دونوں کے حالات شامل ہیں اس طرح مجموعی طور پر یہ پوراسٹ تقریباً پانچ ہزار صفحات پر مشتمل اور پانچ سو شخصیات کے تذکروں کا حسین گلدستہ ہے نیز اس کتاب کے مختلف اجزاء میں مورخ اہل حدیث علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ پاکستان کے علاوہ ہندوستان ونیپال کے پینتالیس ممتاز علماء مشہور صحافیوں کے مختصر ومفصل تاثرات وتقریظات بھی شامل ہیں اس طرح یہ کتاب ایسے دلربا گلشن کی مانند ہے جس میں مختلف خوشبو والے رنگ برنگ کے چمکتے پھول کھلے ہیں۔

کر دیا خود کو سمندر کے حوالے ہم نے   تب کہیں گوہر نایاب نکالے ہم نے

اس کتاب کی مندرجات کی ترتیب یہ ہے کہ متوفیان کا تذکرہ بہ ترتیب تواریخ

وفات کیا گیا ہے اور موجودین کا بہ ترتیب تواریخ پیدائش کیا گیا ہے۔

آپ اس کتاب میں تاریخ اہل حدیث بلرام پور بھی پڑھیں گے جو بطور ضمیمہ اس کتاب میں شامل ہے بڑے اختصار و جامعیت اور مستند انداز میں جماعت و جمعیت کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ فرمائیں۔

افسوس ابھی بہت سے علماء کرام کے تذکرے رہ گئے ہیں اپنے حالات نہ وہ خود لکھتے ہیں نہ لکھانے پر آمادہ ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تدریسی تصنیفی تبلیغی مساعی سے ہم بالکل بے خبر ہوتے ہیں راقم اپنے طور پر علماء کرام کے واقعاتِ حیات محفوظ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اللہ کی مدد شامل رہی قلم وقرطاس کا رشتہ برقرار رہا اور قارئین کرام حوصلہ افزائی فرماتے رہے تو یہ اہم اور زرّیں سلسلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ ہمیں اس نیک مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور زندگی کا سفر یونہی رواں دواں رکھے آمین۔

رواں دواں یونہی رہتا ہے زندگی کا سفر
ہزاروں درد کے موسم گذرتے رہتے ہیں

آخر میں حدیث **لم یشکر الناس لم یشکر الله** کی روشنی میں ڈاکٹر سید سعید عابدی ازہری حفظہ اللہ و علامہ ابن احمد نقوی حفظہ اللہ شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ، شیخ مختار احمد محمدی مدنی، شیخ حافظ شبیر احمد نذیر احمد مدنی، شیخ حافظ عنایت اللہ محمدی حفظہ اللہ، ڈاکٹر افروز طالب حفظہ اللہ کا شکر گذار ہوں کہ ان محترم شخصیات نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اس کتاب کے لئے تاثرات وتقریظات تاریخی معلوماتی مضامین لکھے، تشجیعی ودعائیہ کلمات سے نوازے، اللہ ان سب کو سدا خوش رکھے اور زیادہ سے زیادہ دین متین کی خدمت کی توفیق دے۔

قارئین کرام و ہمدردان عظام سے بصد گذارش ہے کہ وہ بوقت مطالعہ مجھ ناچیز

کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تا کہ یہ خدمت (کاروان سلف) مکمل ہو سکے جو میری زندگی کا واحد مقصد ہے جسے میں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے جن حضرات کی ہمدردیاں اور دعائیں میرے شامل حال ہیں ان سب کا بہت بہت مشکور ہوں اور ان سب کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دونوں جہانوں کی برکتوں سے نوازے خاص طور پر اس دنیا سے جانے کے بعد اس صدقہ جاریہ کو ہم سب کے لئے باعث نجات بنائے اور بروز قیامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ ہم سب کو نصیب کرے۔ (آمین)

تقبل یا رب العالمین وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب.

طالب دعا

عبدالرؤف خاں ندوی

بروز جمعہ ۱۲/نومبر ۲۰۲۱ء

کاروان سلف آئینہ حقیقت

فضیلت مآب ڈاکٹر سید سعید عابدی ازہری/حفظہ اللہ واطال بقاءہ

کوئی ۵۸/برس وطن سے باہر مصری دارالحکومت قاہرہ اور سعودی عرب کے مشہور شہر جدہ میں گزارنے کے بعد جب میں ۲۱/جنوری ۲۰۲۰ء کو وطن واپس آیا، تو عارضی طور پر اپنے بھتیجوں کے پاس گہرہوا اور تتری میں چند ماہ قیام کیا پھر اپنے عزیزی بھانجہ طفیل احمد سلمہ کے گھر منتقل ہوگیا۔ جو اٹوا بازار کے قریب ہی ایک گاؤں میں سکونت پذیر ہیں، جس کا نام سمرا ہے، سمرا پہونچنے کے بعد کچھ ہی دنوں بعد ''کرونا'' سے بچاؤ اور تحفظ کے نام پر ملک میں ''تالا بندی'' کا اعلان ہوگیا، اس طرح میں سمرا میں بند ہوکر رہ گیا اور خارجی دنیا سے رابطہ کٹ جانے کی وجہ سے ایک تو اٹوا سے متصل امونا میں واقع اسلامی درسگاہ ''ندوۃ السنۃ'' منتقل نہ ہوسکا، جہاں مجھے مستقل قیام کرنا تھا، دوسرے میں اپنی ان کتابوں کے انجام سے لاعلم رہا، جو میں نے جدہ سے ندوۃ السنۃ کے پتہ پر نہایت گراں قدر لاگت سے بذریعہ کارگو بھجوائے تھے اس طرح میں سمرا میں اپنے عزیز ترین بھانجہ کے گھر میں اعلیٰ درجہ کے آرام وآسائش کے باوجود ذہنی اور نفسیاتی طور پر نہایت کرب کے ساتھ زندگی کے شب وروز گزار رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی سے ''تالا بندی'' کا قفل بھی ٹوٹا اور ندوۃ السنۃ اور الفاروق کے ناظم اعلیٰ لائق صد احترام فضیلت مآب مولانا شبیر احمد مدنی حفظہ اللہ واطال بقاءہ نے بذریعہ فون یہ نوید مسرت سنائی کہ میری کتابوں کے ۱۱/بنڈل پہنچ گئے ہیں، اس خبر نے میرے جسم ناتواں میں زندگی کی نئی لہر دوڑادی۔

اس کے کچھ ماہ بعد جے نگرا کوا پور سے میرے بھتیجے عزیزی بدرالدجی ندوی

سلمہ آئے اور مجھے یہ خبر دی کہ ان کی ملاقات فضیلت مآب مولانا عبد الرؤف ندوی حفظہ اللہ سے ہوئی جو از راہ کرم آپ کا تذکرہ فرما رہے تھے اور انہوں نے بطور تحفہ آپ کو اپنی تصنیفات کے ''زریں سلسلہ'' کاروان سلف کے تین حصے پنجم، ششم اور ہفتم عنایت فرمائے تھے، جو میں جے نگرا میں بھول آیا ہوں۔

میں ابھی اپنی اس حیرانی سے باہر نہیں ہوا تھا کہ اتنی گرانقدر شخصیت نے مجھ جیسے بے قیمت و بے وزن اور گمنام کو کیسے اور کیوں یاد کرلیا۔ کہ مولانا موصوف نے بذریعہ فون مجھ سے رابطہ کرکے میری عزت بخشی میں مزید اضافہ کردیا اس پر مستزاد یہ کہ انھوں نے یہ حکم بھی فرمایا کہ میں ان کے گراں قدر سلسلہ میں اپنی زندگی کے کچھ ایام لے کر شامل ہونے کی کوشش کروں۔

میں نے اس وقت تک ان کے کاروان سلف کا کوئی نمونہ دیکھا بھی نہ تھا کہ اپنی سوانح حیات کے ساتھ ان کی حسین بزم میں شامل ہونے یا نہ ہونے کے اپنے کسی فیصلہ سے مولانا موصوف کو باخبر کرتا، اس لئے اس وقت میں نے یہ کہہ کر مولانا محترم سے پیچھا چھڑا لیا تھا کہ میں کیا اور میری سوانح حیات کیا؟ آپ نے کاروان سلف کے عنوان سے جو بزم سجائی ہے اس میں میری شمولیت کسی بھی زاویہ سے مناسب نہ ہوگی، میری جھولی میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس کی نمائش کی ہمت کروں۔

اس کے بعد بھی مولانا محترم بذریعہ فون مجھ سے رابطہ کرتے رہے اور میں کوئی قطعی وعدہ کرنے سے کتراتا رہا یہاں تک کہ عزیزی بدر الدجی ندوی سلمہ کاروان سلف کے تینوں حصے لے کر آگئے، جن کا ظاہری حسن و جمال ہی دیکھ کر میں ششدر رہ گیا اور سوچنے لگا کہ جس کا ظاہر اتنا حسین ہے، اس کا باطن کتنا حسین ہوگا اور جب میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو یہ حقیقت میرے سامنے عیاں ہوتی گئی کہ ہمارے اسلاف کے کارناموں، عظمتوں اور دین کی نشر و اشاعت کی راہ میں ان کے جہد مسلسل کو زندہ و باقی

رکھنے کا یہ سلسلہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کو محدثین کے تذکروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

تینوں حصوں ، پنجم، ششم اور ہفتم میں مندرج اسلاف اور ان کے سچے جانشینوں کے عطر بیز تذکروں کے مطالعہ سے میرے سامنے یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ ان قد آور اور بلند قامت شخصیتوں کے درمیان تو میں ''بونا'' نظر آؤں گا۔ اور اس حسین سلسلہ کے حسن و جمال پر دھبہ لگادوں گا، بنابریں اس بزم سے میرا دور رہنا ہی بہتر ہے الاّ یہ کہ محترمی ندوی صاحب اپنے اس خوبصورت سلسلہ کا ایک حصہ ''بونوں کے تذکرے'' کے نام سے نکالیں، تو بلاشبہ اس میں میری شرکت موزوں و مناسب رہے گی۔

بہر حال اس بزم کاروان سلف میں اپنی ناکامیوں ، خامیوں اور گمنامیوں کی داستان لے کر حاضر ہونے کے بجائے اس خوبصورت بزم کے بارے میں اپنے کچھ ''تاثرات'' لیکر حاضر ہوں، ممکن ہے مولانا محترم اس حقیر تحفہ کو حسن قبول سے نوازتے ہوئے میری لایعنی اور نا قابل ذکر سوانح کا حکم واپس لے لیں۔ ویسے بھی میری زندگی کا یہ مرحلہ صبح بہار نہیں، شام خزاں ہے اور میں نے صحیح اسلامی عقیدہ و مسلک کی توضیح وتشریح اور دعوت کا جو کام شروع کر رکھا ہے اس کو روک کر اپنی داستانی سرائی'' وقت کا کوئی مفید اور ذمہ دارانہ مصرف نہیں ہے۔

برصغیر میں مختلف مذاہب اور مسالک پائے جاتے ہیں، اور خود مسلمان بھی جو ایک رب، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک دین پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں متعدد مسلکوں ، جماعتوں اور فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور سب کے الگ الگ نظریات اور عقائد ہیں۔

اسلام کی نسبت رکھنے والی جماعتوں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑی جماعت صوفیا کی ہے۔

صوفیا صرف اپنے آپ کو دین دار مانتے ہیں، رہیں مسلمانوں کی دوسری

جماعتیں اور تحریکیں تو وہ ان کی نظر میں سب دنیا دار ہیں۔

ع بر عکس نہند نام زنگی کافور

صوفیا اپنے عقیدہ و مسلک میں کتاب و سنت کی تعلیمات سے بہت دور ہیں اور ان کا سارا مدار کشف و کرامات پر ہے وہ اپنے پیروں، بزرگوں اور مشائخ کے اللہ تعالیٰ کے صالح، متقی اور مقبول بندے ہونے پر اپنے جھوٹے خوابوں سے استدلال کرتے ہیں اور خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں نبی کریم فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور آپ سے احکام شریعت حاصل کرنے کے دعوے کرتے ہیں۔

برصغیر کے ملکوں، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے بریلوی، دیوبندی اور تبلیغی سب کا شمار صوفیوں میں ہوتا ہے، حتی کہ اہل حدیث علماء اور مؤلفین کی کتابوں میں ایسی بہت سی تعبیریں در آئی ہیں جو صوفیوں کے عقائد کی ترجمان ہیں، جن میں ایک ''وصال'' بھی، میں نے علماء اہل حدیث کی کتابوں میں بھی اس کا استعمال دیکھا ہے، مثلاً نبی ﷺ کی وفات یا موت کا لفظ صوفیا نہیں استعمال کرتے، اس کی جگہ ''وصال'' لکھتے اور بولتے ہیں، ان کے زعم باطل میں موت یا وفات نبی ﷺ کے حق میں گستاخی ہے، جب کہ حق یہ ہے کہ نبی ﷺ کے حق میں موت یا وفات کی تعبیر قرآنی ہے اور اس کی جگہ ''وصال'' کا لفظ استعمال کرنا حرام ہے، کیونکہ وصال عقیدۂ وحدۃ الوجود کا ترجمان ہے اور اس عقیدہ کی رو سے وصال پانے والا شخص اللہ کے ساتھ نعوذ باللہ اس طرح متحد ہو جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے درمیان ''دوری'' نہیں رہ جاتی، اور دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا میری سمع خراشی کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ صوفیوں کے بزرگوں، مشائخ اور پیروں کے تذکرے درحقیقت ان کے منقبت نامے ہیں جن میں ان کی من گھڑت کرامتیں بیان کی جاتی ہیں اور ان کو پڑھ کر کوئی بھی شخص اس کے علاوہ کوئی اور تاثر نہیں لے سکتا کہ وہ جس شخصیت کا مطالعہ کر رہا ہے وہ کوئی آسمانی مخلوق تو ہو سکتی ہے، مگر زمینی

مخلوق ہرگز نہیں ہوسکتی۔

اس کے برعکس کاروان سلف کے کرداروں کا مطالعہ کرنے والا ان کو بشر اور انسان ہی پاتا ہے، جنہوں نے اللہ کے فضل وتوفیق، پھر اپنی سعی و جہد سے اپنا وہ مقام بنایا کہ ''مسجود ملائکہ'' کہے جانے کے مستحق قرار پائے۔ بایں ہمہ کاروان سلف کے فاضل مولف نے ان کو انسانوں ہی کے ''روپ'' میں پیش کیا اور ان کو ''معصوم'' نہیں قرار دیا ہے اور ان کا ذکر اس طرح نہیں کیا کہ ہر آن ان پر کرامتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

البتہ اگر اللہ کا کوئی صالح بندہ ایسا ہو کہ اس کے عقیدہ ومسلک اور اس کی سعی و جہد سے انسانی معاشرے میں خیر و بھلائی پروان چڑھے اور صرف اللہ کی بندگی اور اس کے محبوب رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی پاکیزہ سنت کی پیروی رواج پا جائے تو اس سے بڑا صاحب کرامت اور کون ہوگا۔

کاروان سلف میں جن شخصیتوں کے تذکرے ہیں، ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنے قلم سے اپنے حالات بیان کئے ہیں، کچھ کی روداد زندگی ان کے کسی واقف کار شاگرد یا عقیدت مند نے بیان کی ہے اور کچھ کے تذکرے فاضل مؤلف نے اپنے قلم سے رقم کئے ہیں، اس سے کتاب کے مندرجات میں ایسا تنوع پیدا ہو گیا ہے اور ان میں اتنی کشش پیدا ہوئی ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے گرد وپیش کا احساس نہیں رہ جاتا اور کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

تلسی پور کو ۵۸ ربرس پہلے جب میری مسیں نہیں بھیگی تھیں، میں نے ایک سے زیادہ بار دیکھا تھا، مگر صرف ریلوے اسٹیشن کی حد تک اور اس کو شوگر فیکٹری کی وجہ سے شہرت حاصل تھی اور میری معلومات کی حد تک اس کو کوئی علمی شہرت نہیں حاصل تھی مگر کسے معلوم تھا کہ نصف صدی کے اندر اندر اس میں مولانا عبدالرؤف ندوی کے مقام ومرتبہ کا انسان پیدا ہوگا، جو محض اللہ کی توفیق اور پھر اپنی ذاتی صلاحیت اور صرف اپنی سعی و جہد

سے کاروان سلف جیسا زریں علمی سلسلہ جاری کرے گا اوراس کے ذریعہ نہایت حسین اور موثر انداز میں علمائے اہل حدیث کی دینی اور علمی خدمات اور کارناموں کو اجاگر کرے گا۔

صد آفریں ہے مولانا ندوی حفظہ اللہ کو کہ وہ تنہا اور صرف اللہ کے بھروسے پر اتنا عظیم کام اور وہ بھی اس خوبصورت انداز میں انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دست گیری فرمائے، ان کو بصحت و عافیت سے نوازے اوران کی عام دینی خدمات اور اس خاص زریں سلسلہ کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

سید سعید عابدی

ندوۃ السنۃ، اٹوا بازار، سدھارتھ نگر، یوپی

جمعہ

۲۰/اگست ۲۰۲۱ء

۞۞۞

کاروان سلف

علامہ ابن احمد نقوی حفظہٗ اللہ کی نظر میں

ازقلم: ابن احمد نقوی رحفظہ اللہ

اپنے اسلاف کی یاد کو تازہ رکھنا اوران کے کارناموں کو زندہ رکھنا اقوام عالم کی پارینہ روایت ہے، تاریخ بھی اسی لئے ہر قوم کا سب سے اہم جذباتی سرمایہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ ماضی کی عظمت کی عکاسی ہوتی ہے، نسلیں اپنے اجداد واسلاف کے کارناموں اور قربانیوں سے ترغیب حاصل کرکے خود تاریخ ساز کارنامے انجام دیتی ہیں اور تاریخ میں نئے اور سنہری ابواب کا اضافہ کرتی ہیں بعض اساطیری داستانیں بھی قوم کے ماضی کا بیش قیمت اثاثہ بن جاتی ہیں ایران میں فردوسی شاہنامہ لکھ کر رستم وسہراب کی اساطیری داستان کو اپنے سحر طرز اشعار میں منتقل کرکے ایک لافانی داستان بنادیا جو ایرانیوں کے لئے آج بھی سرمایۂ افتخار ہے ہندوستان میں رامائن اور مہابھارت کو جو دور ماقبل تاریخ کی اساطیری داستانیں ہیں، مذہبی تقدیس عطا کی گئی اور بعض اہم کرداروں کو اوتار کا درجہ دے دیا گیا۔

قوم کے ان عظیم فرزندوں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ان کی حیات وخدمات پر کتابیں لکھی گئیں سوانحی خاکے مرتب کئے گئے تاکہ نئی نسل ان کو پہچانے اوران کے نقش قدم پر چلے۔

ہماری ملی تاریخ میں امام ربّانی مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ،شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ محمد اسماعیل دہلوی، میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، شیخ الاسلام علامہ ثناءاللہ امرتسری اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمھم اللہ علیہم اجمعین ایسی عہد ساز شخصیت ہیں جنھوں نے برصغیر کی اسلامی تاریخ پر اپنے لا

زوال نقوش چھوڑے ہیں ان سب کی حیات وخدمات قربانیوں اور کارناموں پر تفصیل سے کتابیں لکھی گئی ہیں اور اب بھی لکھی جارہی ہیں سلفیان برصغیر کے عظیم علماء کے بارے میں تاریخ اہل حدیث میں تعارفی خاکے شامل ہوتے رہے لیکن غالبًا سب سے پہلی کتاب جس میں علماء سلفی کی حیات وخدمات پر یکجائی کے ساتھ لکھا گیا وہ مولانا امام خاں نوشہروی مرحوم کی کتاب ''تراجم علماء اہل حدیث'' ہے، تقسیم ملک سے سلفیان ہند کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، پنجاب اور بنگال میں ان کی وسیع وعریض آبادی سرحد پر منتقل ہوگئیں اور بھارت کے سلفی انتشار کا شکار ہوکر رہ گئے پھر آہستہ آہستہ جہد وعمل کا دور آیا اور دینی ومسلکی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور اپنے اسلاف کی یادوں کو زندہ رکھنے کا جذبہ بیدار رہوا، پاکستان میں یہ کام علامہ محمد اسحاق بھٹی نے کیا انھوں نے اہل حدیث علماء فضلاء اور ارباب کار کے سوانحی خاکے تفصیل سے مرتب کئے، نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں ہفت اقلیم، گلستانِ حدیث، بوستانِ حدیث، چمنستانِ حدیث وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے جو علامہ بھٹی کی سحر نگاری قلم سے مرتب ہوئی۔

اس سے پہلے ایسا انسائیکلو پیڈیائی کام سلفیان برصغیر کی تاریخ میں نہیں ہوا اگر چہ نواب صدیق حسن خاں اور علامہ امرتسری کی تصنیفات وتالیفات کی بھی ایک بڑی فہرست ہے مگر سوانحی خاکوں پر مشتمل یہ کام ایک الگ نوعیت کا ہے اور بلا شبہ اس قاموسی کارنامے نے سلفیوں کی علمی تاریخ میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں، علامہ بھٹی کے اس عظیم سوانحی سلسلے نے دوسروں کو بھی ترغیب دی اور سلفیان ہند کے سوانحی خاکوں پر مشتمل کتابیں مرتب ہوئیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی اہم تالیف سونیر اور تراجم علماءٔ اہل حدیث کے ذریعہ ایک اہم کام کیا ہے۔ مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ نے کاروان سلف کے نام سے سوانحی خاکوں کا سلسلہ شروع کیا ہے علامہ بھٹی کی کتابوں میں پاکستان ہندوستان

کے بہت سے اہل حدیث علماء کے خاکے مرتب کئے گئے ہیں، پھر بھی ہندوستان میں ہر طرف پھیلے ہوئے اہل حدیثوں کے اداروں اور افراد میں سے بہت سے ان کی فہرست میں شامل نہیں ہو سکے، خصوصاً مشرقی یوپی کے اہل حدیث علماء جن کی حیات وخدمات بے حد اہم ہیں اور ان کا تعارف کیا جانا چاہئے تا کہ نئی نسل ان بزرگوں کے کارناموں سے ترغیب پائے اور ان میں ملت ومسلک کے لئے قربانیاں دینے کا گہرا جذبہ بیدار ہو۔

سوانحی خاکے مرتب کرنا آسان کام نہیں ہے اس لئے افراط وتفریط سے بچنا عقیدت میں غلو سے دامن بچانا، جانبداری یا منفی فکر سے بلند ہو کر غیر جانبدارانہ انداز میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے قلم کو جنبش دینا ضروری ہے، افواہوں، حکایتوں کو یا تو نظر انداز کیا جائے یا پھر پوری تحقیق کے بعد پوری ذمہ داری سے اسے لکھا جائے، تا کہ مؤلف یا مصنف پر افواہوں پر یقین کرنے کا الزام عائد نہ ہو سکے۔

ماشاء اللہ مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ نے اپنی کتابوں میں اعتدال کی راہ اپنائی ہے اور قلم کو بھٹکنے نہیں دیا اس سوانحی سلسلے کی نو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور دسویں جلد زیر ترتیب ہے بلا شبہ یہ ایک بڑا اہم کام ہے اور ''تراجم علمائے اہل حدیث'' کے بعد اسے دوسری کامیاب کوشش قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس مشکل کام کو اللہ کے بھروسہ پر تن تنہا کامیابی کے ساتھ پورا کیا ہے اور سلفیان ہند کو ایک ایسا تحفہ دیا ہے جو نئی نسل کیلئے چراغ راہ ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کو صحت مند رکھے تا کہ وہ ملت وجماعت کے لئے مفید تر خدمات انجام دیتے رہیں۔

✡✡✡

اظہار عقیدت وتشکر

فضیلۃ الشیخ مختار احمد محمدی مدنی حفظہ اللہ تعالیٰ

مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ ایک ایسا نام ہے جس سے جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے طالب علمی کے دور ہی میں شناسائی ہوگئی تھی، جامعہ میں طلباء کی النادی کی لائبریری میں محترم موصوف کی کئی کتابیں موجود ہیں ان میں سے ایک کتاب شرک و بدعت کے موضوع پر تھی جس کا نام ''خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب وسنت'' ہے، جسے حال ہی میں ممبئی کی صوبائی جمعیت اہل حدیث نے دیدہ زیب طباعت کی ہے، ایک سال النادی کی طرف سے سالانہ انجمن میں مقالہ نویسی کا موضوع تھا بدعت کی تباہ کاریاں، حسب معمول اس سال بھی راقم نے حصہ لیا اور اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھایا اور الحمدللہ پہلی پوزیشن سے کامیابی ملی۔

دور طالب علمی میں مولانا کے بارے میں کچھ بھی جانکاری نہیں تھی، اب معلوم ہوا کہ مولانا ایک فرد نہیں تن تنہا انجمن ہیں، کاروان ہی نہیں بلکہ میر کارواں ہیں، تذکرہ نویسی ہی نہیں، تذکرہ نگاروں کے لئے مشعل راہ ہیں، تصنیف وتالیف کے بحر ذخار ہیں قلم بڑا سیال ہے، انداز ادیبانہ و عالمانہ ہے دسیوں علمی و اہم ترین کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں، گرچہ ندوہ کے فارغ التحصیل ہیں لیکن بڑے غیور اہل حدیث ہیں، کاروان سلف حصہ ہفتم میں جب فخر جماعت نازش سلفیت علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے سلفی منہج کے متعلق کچھ غلط خامہ فرسائی کی گئی تو آپ کی سلفی منہجی غیرت نے اسے برداشت نہیں کیا اور اس کا جواب دے کر کروڑوں اہل حدیثوں کے دلوں کو تسکین پہونچائی، آں موصوف نے کاروان سلف کے نام سے اہل حدیث علماء وافراد پر ایک ناقابل فراموش

تاریخی وزریں سلسلہ شروع کیا ہے، اب تک بفضل اللہ اس کی نو جلدیں منظر عام پر آ گئی ہیں، دسویں جلد زیر ترتیب ہے، بلا شبہ یہ کارنامہ مولانا موصوف کو جماعت اہل حدیث کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے، مستقبل کا ہر مورخ وسیرت نگاران کتابوں کا محتاج ہوگا، ان کی طرف رجوع کئے بغیر ہر کوشش ناقص وادھوری مانی جائے گی، قابل ذکر بات یہ ہے کہ بے سروسامانی میں یہ کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے، اس وقت آپ کی بینائی بھی متاثر ہے بلکہ ایک آنکھ کی روشنی بھی جا چکی ہے، خرابی صحت کا مسلسل شکار رہتے ہیں، لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی عزم وثبات پہاڑوں سے کم نہیں، ہمت اور جوش وولولہ نوجوانوں سے بھی زیادہ ہے، وقتاً فوقتاً راقم کو گفتگو کرنے کی سعادت مل جایا کرتی ہے ، جماعت اہل حدیث بلرام پور وگونڈہ کی تاریخ بھی لکھی ہے جو بطور ضمیمہ اس جلد میں شامل اشاعت ہے، جماعت اہل حدیث کی اتنی خدمت کرنے کے باوجود تواضع کا عالم یہ ہے کہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، اس جماعت کا اتنا بڑا حق ہے جسے ادا نہیں کیا جا سکتا۔

کاروان سلف کے لئے یہ ٹوٹی پھوٹی مختصر مجھ گناہگار کے لئے سعادت کی بات ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، عمر علم وعمل میں برکت دے، آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مختار احمد محمدی مدنی

داعی ومبلغ دعوہ سنٹر الجبیل مملکت سعودی عرب

۲۱ر دسمبر ۲۰۲۱ء

❁❁❁

حرف سپاس

از قلم :فضیلۃ الشیخ حافظ شبیر احمد نذیر احمد مدنی حفظہ اللہ

دور حاضر میں تاریخ اہل حدیث کا فروغ وقت کا اہم تقاضا ہے، کیونکہ اسی میں ہی قومی وملی اتحاد ویگانگت کا راز پنہاں ہے، بقول شخصے تاریخ اہل حدیث ہماری شوکت، غیرت وحمیت کی داستان ہے، یہ مرقع عبرت وتازیانہ غیرت بھی ہے اور افسانہ حسرت، آئینہ حیرت بھی ہے۔ بلا شبہ اسلاف کے واقعات بیان کرنا اور اپنے ماضی کو یاد رکھنا سعادت مند اخلاف کا شیوہ ہے، جماعتی تاریخ بیان کرنے سے فکر نکھرتی ،نسلیں سنورتی ہیں اور نئی نسل میں جذبہ وولولہ پیدا ہوتا ہے، ہم اپنے بھولے بسرے بزرگوں سے آشنا ہوتے ہیں، ان کے اعمال وکردار کے مطالعہ سے عزم ، حوصلہ ولولہ پیدا ہوتا ہے، آج جب نوجوان نسل کا رشتہ ان کے اسلاف سے توڑ کر انہیں بے دینی اور بے راہ روی کا درس دیا جارہا ہو ایسے میں اپنے اسلاف کی زرّیں تاریخ، شاندار کارنامہ، تابندہ نقوش، روشن خدمات اور قابل فخر روایات سے موجودہ نسل کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ روشنی کے مینار ہوتے ہیں جن کے نقش پا کو نشان راہ بنا کر نئی نسل اپنی دینی وملی ذمہ داریوں سے بہ طریق احسن عہدہ برآ ہوسکتی ہے۔

اسی اہمیت کے جماعت اہل حدیث میں ایسی بہت سی قابل قدر شخصیات گذری ہیں جنہوں نے قرطاس وقلم کے ذریعہ اپنی جماعت کی تاریخ کو کسی نہ کسی انداز میں گوشہ اخفا سے نکال کر نمایاں کیا، ان میں علامہ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی، مولانا محمد صاحب جونا گڈھی، مولانا احمد صاحب دہلوی، مولانا امام خاں صاحب نوشہروی، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی، قاضی محمد اسلم سیف صاحب فیروز پوری، مولانا

عبدالرشید صاحب عراقی، مولانا ارشادالحق صاحب اثری، ڈاکٹر بہاء الدین صاحب، مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق صاحب بھٹی، شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی، مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری، استاذ محترم مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، خالد حنیف صاحب صدیقی، مولانا عبدالمنان صاحب سلفی، مولانا جلال الدین صاحب قاسمی، استاذ محترم مولانا محمد یونس صاحب مدنی، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود صاحب مدنی وغیرہم قابل ذکر ہیں، اللہ ان سب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، انہیں شخصیات میں ایک معتبر شخصیت، تاریخ اہل حدیث کے شناور، اسلاف کے افکار ونظریات کے علمبردار، جماعتی وملی رازوں کے امین، اسلاف تابناک روایات کے نگہبان، سلفی تاریخ کے پاسباں اور مسلکی ومنہجی غیرت سے سرشار ہمارے محترم مشفق بزرگ مولانا عبدالرؤف خاں صاحب ندوی حفظہ اللہ ہیں جو وسائل سے تہی دامنی، بے سروسامانی، پیرانہ سالی، ناتوانی اور عوارض جسمانی کے باوجود شبانہ روز محنت شاقہ سے جماعت اہل حدیث کی تاریخ (کاروان سلف) ترتیب دے رہے ہیں جس میں اپنے انداز میں جماعت کے اسلاف، معاصرین اور اصاغر کی تاریخ محفوظ کرنے کی غرض سے فرد واحد کی حیثیت سے ایک طویل عرصے سے جماعت کی خدمت کر کے ثابت کر رہے ہیں کہ مقصد ولگن واحد سے بھی وہ کام لے سکتی ہے جو بڑے بڑے اداروں اور انجمنوں کے امکان میں بھی نہیں ہوتا، ابھی تک اس کی آٹھ جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر اور مفت تقسیم ہوکر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ نویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے دسویں جلد آخری مرحلہ میں ہے جو کام وہ اکیلے دم پر کر رہے ہیں وہ تاریخ اہل حدیث کا نادر سرمایہ ہے۔

آپ نے جماعت اہل حدیث کے سرخیل علماء اور عظیم المرتبت ہستیوں کو گوشہ گمنامی سے نکال کر انہیں ان کا صحیح مقام دلا کر ان کی خدمات، ان کے کارناموں کو دنیا کے سامنے اجاگر کر کے انہیں شہرت عام اور بقائے دوام عطا کیا ہمیں یقیناً اکابر کے

کارناموں پر ہمیشہ فخر رہے گا جو کردار کی دنیا میں جبل عظمت تھے لیکن یہ کام اتنا آسان بھی نہیں مرحومین علماء کے حالات جمع کرنا، ورثاء اور تلامذہ کی عدم دلچسپی بلکہ بے اعتنائی کو بھگتنا اس قدر جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے با عزم لوگ بھی تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ندوی صاحب خون پسینہ ایک کرکے مادی وسائل سے تہی دامن ہوتے ہوئے ملک و بیرون ملک خط و کتابت، ٹیلی فون کرکر کے مواد حاصل کرتے ہیں تب کتاب تیار ہوتی ہے۔

آپ برصغیر کے علماء کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارہائے نمایاں کے بیان تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ بسا اوقات ان کی اولاد واحفاد کی جزئیات کو بھی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کرتے جاتے ہیں۔شخصیات کا تذکرہ مصنف کے لئے ایک امتحان ہوتا ہے تاکہ ہر ایک کے لئے اس کا مقام دیا جا سکے جس کا وہ حق دار ہے ایک انسان فوت شدہ بزرگوں کا تو خوب دل کھول کر تذکرہ کر سکتا ہے مگر اپنے معاصرین بالخصوص خود سے کم عمر لوگوں کو اہمیت دینا، ان کی خوبیوں اور خدمات کا اعتراف کرنا اور ان کی سیرت وسوانح قلمبند کرنا انتہائی مشکل کام ہے، اس میں اس چیز کا خاص خیال رکھنا انتہائی اہم ہوتا ہے کہ ان کا تعارف کرانے میں نہ تو بخل سے کام لیا جائے نہ اس قدر مبالغہ کیا جائے کہ لوگ خوشامد پر محمول کریں۔اپنے سے کم عمر اصحاب کو وہی مقام دینا جس کے وہ اہل ہوں یہ بڑے دل گردے کا کام ہے، اکثر لوگوں کے لئے ناقابل ہضم ہوتا ہے، موصوف نے جہاں بزرگوں کا انتہائی ادب واحترام سے تذکرہ کیا ہے وہیں اپنے معاصرین اور خردوں کے مقام ومرتبے کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خدمات کو بھی اجاگر کرنے میں حد درجہ وسعت قلبی اور بے پناہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔

مولانا موصوف نے کاروان سلف کا سلسلہ تصنیف کرکے پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے بلکہ جماعت اہل حدیث پر احسان عظیم کیا ہے، یہ کتاب

ہماری دعوتی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی اور دینی سرگرمیوں کا آئینہ پیش کرتی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا ندوی نے ایک درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں جو بہت ہی مفید کارآمد قابل قدر ہیں مولانا ندوی کی تدریسی، دعوتی، ادارتی، انتظامی واصلاحی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں آپ نے پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کردی ہے، آپ نے بہت سادہ زندگی گذاری ہے، آپ کی زندگی میں ہم سبھی کیلئے درس عبرت ہے مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ نے جو زبردست علمی وتاریخی کارنامہ اور عظیم الشان تصنیفی عمل انجام دیا ہے وہ قابل ستائش اور زرّیں حروف سے لکھنے کے قابل ہے، میری نظر میں کاروان سلف کی حیثیت ایک انسائیکلوپیڈیا کی ہے میں مولانا ندوی صاحب کی ان تمام خدمات کو سلام پیش کرتا ہوں۔ مولانا ندوی صاحب ہم سبھی خصوصا جماعت کے شکریہ مبارکباد اور قدردانی کے مستحق ہیں۔

یہ مولانا محترم کی عظمت اور بڑاپن اور اعلیٰ ظرفی ہے کہ مجھ جیسے ناچیز سے اس کتاب کے بارے میں تاثرات لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا جو میرے لئے اعزاز سے کم نہیں، یہ ان کی خردوں پر شفقت ومودت کی مثال ہے، ان کے مشفقانہ انداز سے متاثر ہو کر ان کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے چند سطور لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہاں اس کتاب کے اوصاف، کمالات اور خصائص کا احاطہ کرنا مقصود نہیں بلکہ چند ایک تاثرات اور غیر مربوط احساسات تھے جو نوک قلم پر آگئے۔

اللہ آپ کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور جماعت کی جو عظیم تاریخی خدمت انجام دے رہے ہیں اس کی مزید توفیق دے اور آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

(حافظ شبیر احمد نذیر احمد مدنی)

تم سلامت رہو ہزار برس

ازقلم: حافظ عنایت اللہ خاں محمدی رحفظہ اللہ
ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

اللہ تعالیٰ فضیلۃ الشیخ عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کو جزائے خیر دے کہ موصوف سوانح نگاری کے تعلق سے مستقل کتاب کاروان سلف کے نام سے لکھ رہے ہیں، آٹھ جلدیں منظر عام پر آکر پورے ملک میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں نویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اب تک کسی غیور صاحب خیر کا انتظار ہے کاروان سلف مولانا ندوی حفظہ اللہ کی بڑی اہم تالیف ہے یہ کتاب دراصل تذکرہ اسلاف کا ایک اہم انسائیکلو پیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے اسلاف کرام کی روشن تاریخ سامنے آجاتی ہے اس میں اکابر علمائے اہل حدیث کی کاوشوں ومحنتوں کے چشم کشا حالات اور واقعات ہیں، جنھوں نے دعوت وتبلیغ تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، امامت وخطابت، ادبی وصحافتی اور سیاسی جدوجہد میں اپنی قیمتی زندگیاں کھپا دی تھیں ان کی زندگی کے شب وروز کو سمیٹنے اور اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں توحید خالص، اتباع سنت اور اصلاح معاشرہ کے لئے علمائے اہل حدیث اور اکابر جماعت کی کاوشوں کے حالات وواقعات اور عظیم الشان کارناموں کا تذکرہ ہے، اس کتاب میں محترم ندوی حفظہ اللہ نے ایسی نادر شخصیات کا بھی تعارف کرایا ہے جن میں سے بعض کے کارنامے تو کجا ان کے ناموں سے بھی بہتوں کو واقفیت نہ تھی انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ زندہ اوران کی خدمات کو پائندہ کردیا۔

ندوی صاحب حفظہ اللہ نے کاروان سلف کا یہ اہم تاریخی سلسلہ شروع کرکے جہاں ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے وہاں انھوں نے اخوان جماعت کو گائڈ لائن بھی

مہیا کردی ہے اور جماعت کے نوجوانوں کو فکر وعمل کی دعوت بھی دی ہے اللہ تعالیٰ مولانا ندوی کی عمر لمبی کرے اور ان کو صحت وعافیت سے رکھے اور یہ کام جاری وساری رہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے دن ہو پچاس ہزار

صدآفریں ہے کہ مولانا عبدالرؤف خاں ندوی رحفظہ اللہ وہ اور صرف اللہ کے بھروسے پر اتنا عظیم کام اور وہ بھی اس خوبصورت انداز میں انجام دے رہے ہیں اور اس کتاب کے ذریعہ نہایت حسین اور موثر انداز میں علمائے اہل حدیث کی دینی اور علمی خدمات اور کارناموں کو اجاگر کررہے ہیں، جبکہ ندوی صاحب اپنی عمر کے آخری پڑاؤ کی جانب گامزن ہیں ایک آنکھ کی بینائی متاثر ہے، اس کے علاوہ کئی عوارض لاحق ہیں اس کے باوجود اللہ کی توفیق سے موصوف کا قلم رواں دواں ہے اس کتاب کے علاوہ ندوی صاحب کی مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اور بعض کتابوں کے تو کئی کئی ایڈیشن آچکے ہیں جن سے عوام وخواص سب یکساں فائدہ حاصل کررہے ہیں۔

آخر میں ہم ندوی صاحب کی پچاس سالہ علمی دینی تدریسی تصنیفی تاریخی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ موصوف کو مکمل صحت دے اور برابر سلسلۂ تراجم علمائے اہل حدیث کے لئے اللہ کی توفیق حاصل رہے اور بیماری و پیرانہ سالی میں جس طرح ان کی ہمت جوان ہے اسی طرح ان کی وابستگی کا سامان میسر رہے اور آپ کی شخصیت کو ہمیشہ سدابہار رکھے۔آمین

❁❁❁

پیام مبارکبادی

سلمان کبیر نگری
ایڈیٹر، سہ ماہی میگزین، نئی روشنی، بریپنیاں، سنت کبیر نگر، اتر پردیش

مشرقی اتر پردیش کا ضلع بلرام پور، علم و ادب کے فروغ کے لئے بہت ہی زرخیز ہے، خاص بلرام پور سے ہزاروں لعل و گہر پیدا ہوئے، ابھی نہ جانے کتنے لالہ وگل مہکنے کے لئے بے تاب ہیں، بلرام پور ضلع کی زرخیز مٹی سے ہزاروں علماء وفضلاء نکلے جن کے علم وفضل کی درخشندگی اب بھی موجود ہے، انہیں تابندہ گوہروں میں سے ایک عظیم مشہور ومعروف شخصیت جناب مولانا عبدالرؤف خاں ندوی صاحب بھی ہیں، جنھوں نے مولانا عبدالرؤف ندوی صاحب کو دیکھا یا ان سے ملاقات کی ہے ان کی دو باتیں انھیں ورطۂ حیرت میں ڈالتی ہیں ایک یہ کہ وہ سند یافتہ عالم ہیں اور وہ مسلک کے اعتبار سے عامل اہل حدیث ہیں اس سے بڑھ کر حیران کی بات یہ ہے کہ وہ مولانا تو پکے ہیں یعنی صحیح معنوں میں عالم قرآن وحدیث سیرت وتاریخ پر مکمل عبور حاصل ہے مگر عبا پوش ہیں نہ ہاتھ میں تسبیح اور نہ سر پر صافہ اور نہ عصا ہاتھ میں رکھتے ہیں ان کے ماتھے پر علم کی خشونت نام کو نہیں شگفتہ مزاج اپنے مسلک اہل حدیث کے پابند، ان سے مل کر ہر ایک کو احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک شریف الطبع وضع دار، مہمان نواز اعلیٰ اخلاق کے حامل شخص سے ملے ہیں، نہ تکبر نہ غرور اور نہ تصنع نے بغض نہ حسد نہ کینہ ساری زندگی اسلام کے لئے وقف کر رکھی ہے، مولانا ندوی بلند مقام کے تو ہیں مگر ریا نمود شہرت طلبی سے کوسوں دور، یہی اچھے لوگوں کا خاصہ ہے۔

ہم تذکرہ نویسی کے اس عظیم الشان کارنامہ کے لئے محترم مولانا عبدالرؤف

خاں ندوی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ موصوف کی یہ گرانقدر تالیف کاروان سلف جلد ۹ بھی عوام وخواص میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور کافی مقبولیت حاصل کرے گی ، رب قدیر سے دعا ہے کہ موصوف کو مکمل صحت دے اور برابر سلسلۂ تراجم علمائے حدیث کے لئے اللہ کی توفیق حاصل رہے۔ آمین

۞۞۞

علامہ اظہر بہاری رحمہ اللہ

کاروان دعوت کا ایک عظیم سپاہی

(تاریخ وفات: ماہ نومبر ۱۹۱۷ء)

از: فضل الرحمٰن فیضی

استاذ جامعہ عربیہ قاسم العلوم، گلرہا، بلرام پور، یوپی

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گذر گئے　　دل چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

خداوند کریم نے اس کائنات میں ایسی ایسی جلیل القدر شخصیتوں اور باکمال ہستیوں کو پیدا فرمایا ہے، جن کی پوری زندگی انسان کے لئے مشعل راہ اور قابل عمل ہے، انھیں مقدس اور پاکباز ہستیوں میں حضرت مولانا اظہر بہاری کا نام نامی اور اسم گرامی بھی قابل ذکر ہے۔ مولانا ممدوح نے ضلع گونڈہ و بستی کے مواضعات کو اپنی دعوت وتبلیغ اور وعظ وتذکیر کے لئے اس وقت منتخب کیا، جب کہ یہ علاقہ انتہائی پسماندہ علم سے بیگانہ اور جدید وسائل سے بالکل محروم تھا۔

اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی یہی خصوصیات رہیں کہ وہ ناموافق حالات سے گذر کر اور آلام ومصائب کو برداشت کر کے ہم لوگوں تک دین کی باتوں کو پہونچانے کی انتھک کوششیں کی ہیں۔

نام جائے سکونت اور تاریخ پیدائش:

آپ کا اسم گرامی مولانا محمد اظہر بہاری اور تخلص مسلم تھا۔ اصل وطن صوبہ بہار کا ضلع چھپرہ ہے، اسی باعث آپ اظہر بہاری کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ آپ کی سکونت اور جائے پیدائش کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن تاریخ پیدائش کا ذکر کہیں سے

معلوم نہیں ہوسکا۔ کیونکہ مولانا اظہر بہاری صاحب جب اس علاقہ میں تشریف لائے تو پورا سماج ان پڑھ اور ناخواندگی کا شکار تھا اور نہ ہی بزرگوں کے احوال وکوائف جمع کرنے کی طرف کوئی توجہ پائی جاتی تھی، اس لئے موصوف کی تاریخ پیدائش پردۂ خفا میں رہ گئی۔

تحصیل علم اور نامور اساتذۂ کرام :

ادیب شہیر علامہ عبدالغفور بسکوہریؒ کے بقول آپ مولانا عبدالحق محدث بنارسی کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ جب کہ بعض افاضل علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں تھے۔ ممکن ہے موصوف دونوں ہستیوں سے کسب علم کیا ہو اور ہر ایک سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل ہو، گاؤں کے بزرگوں سے بھی بنارس اور دہلی میں حصول تعلیم اور لکھنؤ میں ایک عرصہ تک درس وتدریس میں مشغول رہنے کی روایت بیان کی جاتی ہے۔

ضلع بلرام پور کے علاقہ ترائی میں آپ کی آمد اور مستقل جائے سکونت:

انگریزوں کے دور حکومت میں ریاست ''بلرام پور'' ایک ایسی ریاست تھی جو تمام ریاستوں میں منفرد اور ممتاز تھی راجہ بلرام پور کے دسترخوان کی وسعت اور شہرت کا تذکرہ مشہور نقاد اور ادیب علامہ ماہر القادری نے بھی اپنے تبصرہ میں کیا ہے، مولانا اظہر بہاریؒ کا ورود مسعود سب سے پہلے اسی ریاست بلرامپور کے علاقہ ترائی میں ایک مشہور ومعروف گاؤں ''جے نگرہ'' میں ہوا۔ جہاں سب سے پہلے حاجی دریاؤں خاں سے ملاقات ہوئی جو بہت نیک اور شریف خصلت انسان تھے چار یوم قیام کرنے کے بعد جب موضع اودئی پور کا ذکر اور چرچا سنا جو جے نگرہ سے شمال کی جانب ۶/۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، جہاں ایک نامی گرامی ٹھیکیدار گلزار بخش تھے اور ان کا شمار ریاست کے نامور اور مشہور زمینداروں میں ہوتا تھا، جو تقریباً انیس مواضعات کے مالک ومختار تھے اور ان کی جاہ وحشمت اور شان وشوکت کی بڑی دھوم تھی۔ غالباً ٹھیکیدار گلزار بخش اور ان کے بھائیوں کی عظمت سن کر آپ

نے موضع اودئی پور کا انتخاب فرمایا اور اس لمبے چوڑے ضلع کے اندر یہی سرزمین پسند آئی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اسی مقام کو اپنی مستقل جائے سکونت اور مرکز عمل بنالیا۔

علاقہ تلسی پور میں مولانا اظہر بہاریؒ کی آمد کے متعلق بعض تذکرہ نگار بالخصوص محترم ڈاکٹر نور اللہ صاحب اثری حفظہ اللہ اپنی مرتبہ کتاب بنام تذکرۂ اسلاف میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ مولانا اظہر بہاری حصول علم اور سند اجازت ملنے کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہیں کچھ دنوں کے لئے سکونت پذیر ہو گئے، اسی اثنا میں موضع ہرہٹہ ضلع گونڈہ کے ایک بزرگ جناب شفیع صاحب پنچ (جو مخدوم پنچ کے صاحبزادہ ہیں) سے ملاقات ہوگئی، اور وہ آپ کو اپنے ساتھ اس علاقہ میں لیتے آئے، مولانا بلرام پور شہر میں قیام پذیر ہو گئے، اثناء قیام مولانا نے پنچ صاحب کو بلرام پور میں ایک مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب دلائی چنانچہ پنچ صاحب موصوف آمادہ ہو گئے اور بلرام پور میں ایک مسجد تعمیر ہوگئی وہ مسجد آج بھی موجود ہے۔ [1]

شاید موصوف مرتب نے بغیر کسی تحقیق مزید اور جستجو کے صرف ایک آدھ بزرگ کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس واقعہ کو قلمبند کر دیا ہے جو تاریخی اور عقلی اعتبار سے بھی درست اور صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ موصوف مرتب نے علامہ اظہر بہاری سے شفیع پنچ [2] کی ملاقات اور انھیں اپنے ہمراہ لانے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ شفیع صاحب

---

[1] تذکرۂ اسلاف ص:۲۸ مرتبہ ڈاکٹر نور اللہ اثری [2] بابا مخدوم پنچ کے پانچ لڑکے تھے پہلی محل سے (۱) محمد اسحاق پنچ (۲) عبید اللہ (۳) عبد الجبار خاں۔ دوسری محل سے (۴) عبد اللہ ٹھیکیدار (۵) محمد خلیل خاں۔ محمد اسحاق پنچ کے تین لڑکے تھے۔ (۱) عبد المجید خاں (۲) محمد شفیع پنچ (۳) محمد صدیق خاں۔ محمد شفیع پنچ والد محترم فصیح الدین رحمہ اللہ بابا مخدوم پنچ کے پوتے تھے نہ کہ بابا مخدوم بخش کے لڑکے، بابا مخدوم کے دور میں شفیع پنچ کمسن تھے، چکنی محلّہ مسجد تعمیر کرانے کا واقعہ فاضل مضمون نگار مولانا فضل الرحمٰن فیضی نے درست لکھا ہے تفصیل کیلئے کاروان سلف سوم دیکھیں (عبد الرؤف ندوی)

مخدوم پنچ کے پوتے ہیں جو مولانا بہاری کی آمد کے وقت بالکل نوعمر اور کمسن تھے ہاں ان کے دادا بابا مخدوم پنچ صاحب مولانا اظہر صاحب کے معاصر اور رفیق تھے، ان کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، دعوت وتبلیغ میں آپ کے معاون اورشریک کار تھے۔لہذا پنچ شفیع صاحب کی بابت مولانا کی ملاقات اوران کی طرف اس علاقہ میں لانے کی نسبت کرنا بعیداز قیاس اورخلاف واقعہ ہے۔

اسی شہر بلرام پور میں مولانا بہاری کے قیام پذیر ہونے اور پنچ صاحب کوتعمیر مسجد کی ترغیب دینے کی حکایت بھی صداقت سے پرے اورحقیقت واقعہ کے بالکل برخلاف ہے۔کیونکہ مذکورہ مسجد کے بانی بابا مخدوم پنچ صاحب ہیں جنھوں نے ایک مخصوص حالات میں اس مسجد کی تعمیر کرائی تھی،جس کا واقعہ بیحد مشہور ومعروف اوراہل ثروت کے لئے انتہائی سبق آموز ہے جیسا کہ ''صاحبِ کاروان سلف'' نے حصہ سوم ص:۱۳۸ پر یوں تحریر کیا ہے:

محترم مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ قمطراز ہیں:

اصل واقعہ یوں ہے کہ مخدوم پنچ صاحب ہرہٹہ سے ہاتھی خریدنے کی نیت سے شہر بلرام پورتشریف لے گئے،موصوف نے کئی روز یہاں قیام فرمایااوروہاں شرک وبدعت کا ماحول دیکھ کران کے دل میں ایک سلفی مسجد کی تعمیر کا احساس پیدا ہوا۔چنانچہ مخدوم بابا نے اپناارادہ بدل دیااور ہاتھی کے بجائے زمین خرید کر سنگ بنیاد رکھااوراس کی تعمیر شروع کردی۔جب آپ ہرہٹہ تشریف لائے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ ہاتھی کہاں ہے تو جواب دیا کہ اسے خرید کر بلرام پور باندھ آیا ہوں۔بعض لوگوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ہاتھی خریدنے کے بجائے اس مقدس آدمی نے جنت میں اپنا گھر خریدا ہے۔

اس بات کی تصدیق علامہ عبدالغفور بسکوہری ؒ کی اس یادگار تحریر اور رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اہلحدیث کانفرنس کے موقع پر ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر مارچ ۱۹۲۸ء میں ارسال کی تھی۔چنانچہ مخدوم صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ یوں

رقمطراز ہیں:

''کہ آپ کی عظیم یادگار شہر بلرام پور محلّہ چکنی کی تعمیر شدہ مسجد ہے''۔

مذکورہ واقعات کی روشنی میں یہ بات مسلم ہے کہ مذکورہ مسجد بابا مخدوم پنچ صاحب کی تعمیر کردہ ہے نہ کہ آپ کے صاحبزادے شفیع پنچ کی۔

اسی طرح یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ اس کی تحریک وترغیب نہ تو علامہ اظہر بہاری نے دی تھی اور نہ ہی شہر بلرام پور میں آپ نے اقامت فرمائی تھی بلکہ ابتدا ہی میں آپ بذریعہ ٹرین کواپور اسٹیشن پر اترے۔ کچھ روز جے نگرا میں دریاؤں خاں کے یہاں قیام فرما کر موضع اودئی پور منتقل ہو گئے اور تا حیات یہیں رہائش پذیر رہے۔ جیسا کہ کئی بزرگوں کے اقوال اس بات پر شاہد عدل ہیں۔

(نوٹ) خیال رہے کہ مذکورہ واقعات کی تصحیح وتصدیق سے نہ کسی مولف پر تبصرہ مطلوب ہے اور نہ ہی بزرگوں کی توہین وتنقیص بلکہ تاریخی واقعات وحکایت کو اس کے اصل اور صحیح روپ میں پیش کرنا مطمح نظر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

آغاز دعوت:

ایک ہفتہ تک اہل موضع کے اخلاق وعادات اور کردار وعمل کا جائزہ لیتے رہے، پھر آپ نے اس مہم کا آغاز کر دیا جو مطلوب ومقصود تھی، چنانچہ علامہ بہاری نے اپنی دعوت کی ابتدا ناموں کی اصلاح اور سدھار سے کی یعنی جن لوگوں کے نام مہمل، اور غیر اسلامی تھے انھیں تبدیل کرنے لگے۔ جس کا نام بدھئی تھا اس کا نام عبداللہ، گھراؤ کا نام عبدالرزاق اور چنکو کا الٰہی بخش رکھا اور نہ یہ کہ ان ناموں کی اصلاح کی بلکہ آئندہ ایسے مہمل ناموں کے رکھنے سے منع فرمایا۔

دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں:

جب علامہ اظہر بہاریؒ نے موضع اودئی پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو یہیں

سے پورے علاقہ میں اپنا تبلیغی مشن چلانے لگے گاؤں کے ٹھیکیداروں اور زمینداروں نے انتہائی تعظیم وتکریم کی۔ پورا خاندان آپ کی بزرگی و دینداری پر فریفتہ ہوگیا۔ عقیدت کا قلادہ گلے میں ڈال لیا، شایان شان رہنے سہنے اور خورد ونوش کا معقول بندوبست کرایا گیا یہاں تک کہ ایک بوڑھی اور معمر خاتون کو مولانا کے کھانے پینے کے لئے مستقل ذمہ دار اور خادمہ کی حیثیت سے مقرر کردیا تاکہ اس سلسلہ میں مولانا کو کسی قسم کی دقت اور پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حالات سازگار ہوگئے اور مولانا کے عقیدت مندوں میں اضافہ ہونے لگا تو آپ نے سب سے پہلے توحید کی دعوت اور شرک سے بیزاری کی طرف توجہ مبذول فرمائی جو سارے انبیاء وصلحاء اور ان کے وارثین کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت گاؤں کیا پورے علاقے میں مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی، لوگ برائے نام مسلمان تھے جملہ تقریبات شادی بیاہ، عقیقہ ولیمہ وغیرہ میں ہندوانہ مراسم اور غیر شرعی اصول رائج تھے۔ تعزیہ پرستی عام تھی، گاؤں کے درمیان تعزیہ رکھنے کے لئے انتہائی وسیع وعریض چوک بنا رکھا تھا جس پر محرم کی دسویں تاریخ کو بغرض ثواب اور حصول برکت کے لئے تقریبا چار، پانچ من ملیدہ اور کھچڑہ کا نذرانہ پیش کیا جاتا تھا اور اس مخصوص کھانے کے ذریعہ سب لوگ اپنی اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا اظہار کیا کرتے تھے، لیکن مولانا موصوف کا یہ بہت اہم اور عظیم کارنامہ ہے کہ پورا خاندان تعزیہ پرستی اور دیگر شرکیہ اعمال کو ترک کرکے اسلام کی سیدھی اور سچی راہ پر گامزن ہوگیا اور اس طرح سے پوری بستی قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونجنے لگی۔

صلاۃ و صوم کی تاکید:

اسلام میں صوم وصلاۃ کی جس قدر اہمیت ہے اس سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے علامہ اظہر بہاری ایک صالح اور تقوی شعار بزرگ تھے اس لئے عقائد کی تطہیر اور اخلاق رذیلہ کی پاکیزگی کے ساتھ گاؤں کے بڑے بوڑھوں کے علاوہ بچوں کو بھی نماز

پڑھنے کی تاکید کرتے بلکہ بچوں سے سورج کا سایہ اور نشان معلوم کراتے اور نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔

جب لوگ نماز میں غفلت اور کوتاہی برتتے تو مولانا خفا ہو کر کہتے کہ نہ جانے کس قوم سے یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں چمار سے یا بھنگی (مہتر) سے میں تو راجپوت ٹھاکر برادری سے مسلمان ہوا ہوں۔ اس طرح علامہ بہاریؒ گاؤں اور پورے خاندان کی غیرت کو للکارتے، سرزنش کرتے اور انھیں ادائیگی نماز کی تاکید فرماتے کبھی کبھی کہتے کہ ہم رب العالمین سے کہہ دیں گے کہ اتنا عرصہ گزر گیا لیکن ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی اور میری دعوت کو ٹھکرا دیا۔ جب کبھی آپ دعوت وتبلیغ کے ارادہ سے باہر چلے جاتے تو اپنی جگہ پر مخدوم بخش کو امامت کے لئے منتخب کر دیتے جو مولانا کے شاگرد، متدین اور صوم وصلاۃ کے پابند لوگوں میں سے تھے۔

یہی حال روزوں کے بارے میں بھی تھا، رمضان المبارک کے روزوں کی بہت سخت تاکید کرتے، یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کو بھی بلا کر روزہ کے بارے میں نصیحت فرماتے اور ہر پہلو سے انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے۔ جناب شمس اللہ صاحب جو بہت رئیس اور با اثر انسان تھے ان کا ہاتھ پکڑ کر سونگھتے اور دریافت کرتے کہ روزہ رکھتے ہو یا نہیں، اگر جھوٹ بولو گے تو تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہیں توڑ دیں گے اور آخرت میں تو بہت برا حال ہوگا۔ غور فرمایئے کہ ان بزرگوں میں احکام الٰہی کی تنفیذ اور ان کی بجا آوری کے لئے کتنی جرأت و ہمت اور جوش وولولہ پایا جاتا تھا کہ دینی مسائل میں معمولی سی مداہنت گوارا نہ تھی سچ ہے۔

ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حلال اور حرام کا احترام:

حلال اور جائز طریقوں سے روزی کمانا اور حرام کمائی سے پرہیز کرنا فرض

ہے مذہب اسلام میں اس کی اتنی بڑی اہمیت ہے کہ مال حرام سے نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ کوئی اور عبادت۔ چونکہ علامہ اظہر بہاری انتہائی عابد وزاہد شب زندہ دار، متقی و پرہیز گار تھے اس لئے یہ وصف بھی بدرجہ اتم ان میں موجود تھا یعنی حلال کھانا کھانے کی ہمیشہ کوشش کرتے اور اگر کسی ذریعہ سے معلوم ہو جاتا کہ فلاں آدمی سودی کاروبار کرتا ہے اور مال حرام سے دولت کماتا ہے تو صاحب ثروت ہونے کے باوجود نہ اس کی دعوت قبول کرتے اور نہ کوئی ہدیہ وغیرہ منظور فرماتے۔ بطور مثال ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ جس کے راوی گاؤں کے بزرگوں کے سوا شاعر اسلام مولانا ذکر اللہ ذاکر ندویؒ بسکوہری بھی ہیں۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ علامہ اظہر بہاری بغرض دعوت وتبلیغ موضع گڑرہیا تشریف لے گئے جو تحصیل اترولہ کا ایک مشہور و معروف گاؤں اور چودھری و زمینداروں کا مسکن ہے۔ وہاں (محمد حیات) حیاتی چودھری جو اپنے گاؤں کے امیر ترین، با اثر اور نامور لوگوں میں سے تھے انھوں نے مولانا کی دعوت لی، لیکن جب آپ کو پتہ چلا کہ چودھری صاحب سودی کاروبار کرتے ہیں تو آپ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا جب چودھری صاحب نے توبہ کی اور آئندہ سودی کاروبار سے اجتناب کرنے کا وعدہ فرمایا تب کہیں جا کر مولانا نے دعوت قبول کی۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف مال حرام کے بارے میں کتنا سخت موقف رکھتے تھے، اور ٹھیکیداروں وزمینداروں پر کتنی سخت گرفت تھی کہ وہ فوراً توبہ کرتے اور آئندہ کے لئے اصلاح حال کا وعدہ فرماتے۔ چنانچہ ان ٹھیکیداروں کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب کٹہل کا پھل تیار ہوتا تو ۶/۵ من کے جیسے بڑے اور عظیم کٹہل مولانا کی خدمت میں ارسال کرتے اور مولانا بچوں کو بلا کر ان میں تقسیم کراتے اور پتہ لگاتے کہ فلاں لڑکا کہاں ہے اور فلاں بچہ کہاں ہے؟ اس طرح بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت اظہار فرماتے۔

حق گوئی و بے باکی:

کسی کے خلاف ظلم و زیادتی اور ناانصافی کو مولانا موصوف قطعا برداشت نہیں کرتے تھے کیونکہ ظلم کا انجام بہت بھیانک اور خطرناک ہوا کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔ علامہ اظہر بہاریؒ میں یہ صفت بھی اس قدر پائی جاتی تھی کہ سماج اور معاشرہ میں کسی کے خلاف ظلم و زیادتی کو دیکھ کر بھڑک جایا کرتے تھے وہ کتنا ہی صاحب مرتبہ اور پر جلال کیوں نہ ہو۔ مزاج میں کچھ تیزی پائی جاتی تھی لیکن وہ ناحق نہ ہوتی۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا کی زندگی کا ایسا روشن اور تابناک واقعہ ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ موضع اودئی پور کی تاریخ میں یہ حکایت نسلا بعد نسلٍ زبان زد ہے اسی واقعہ نے مولانا کی زندگی کا رخ موڑ دیا اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ واقعہ یوں ہے کہ جناب گلزار بخش جو اپنے دور کے نامور اور ممتاز ٹھیکیداروں میں تھے جو متعدد مواضعات کے مالک، قابض اور دخیل تھے اتفاقا ان کے خاندان میں بھائیوں کے درمیان بٹوارہ کی نوبت آ گئی، چنانچہ تقسیم آراضی کے وقت انھوں نے اپنے ایک بھائی کو ایک مخصوص گاؤں اور تین سو روپئے نقد دینے سے انکار کر دیا ،جس کے باعث بھائیوں کے مابین اختلاف و انتشار برپا ہو گیا۔

شدہ شدہ یہ خبر علامہ بہاری تک پہونچی تو سخت برہم ہوئے اور کہا کہ گلزار بخش کیا تو حرام کھانا چاہتا ہے اپنے بھائی کو جائداد میں حصہ کیوں نہیں دیتا ہے مولانا کے سخت لب و لہجہ کو ٹھیکیدار صاحب برداشت نہ کر سکے، یہ بات ان کے دل کو لگ گئی، نفس امارہ پھڑک اٹھا، گلزار بخش جو مولانا کے انتہائی عقیدت مند، نیاز کیش اور ایک عرصہ تک مربی و سر پرست کی حیثیت سے آپ کے معاون و مددگار تھے، طیش میں آ کر کہہ بیٹھے کہ آپ

سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔آپ میرے یہاں کھانا نہیں کھائیں گے تو کیا ہوا آپ جیسے سینکڑوں علماء کو کھانا کھلا سکتا ہوں،گلزار بخش کی یہ آمرانہ وشاہانہ باتیں مولانا کے لئے اتنی تکلیف دہ ثابت ہوئیں کہ آپ نے فورا گاؤں چھوڑنے کا عزم مصمم کرلیا اور اپنا تھوڑا بہت سامان لے کر بستی سے باہر نکل گئے۔کیا شان ہوتی ہے نیک دل اور تقویٰ شعار بزرگوں کی کہ دین اسلام کے ایک حکم کی خاطر ترک وطن قبول کرلیا لیکن اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا گوارہ نہ کیا۔جب دوسرے بھائیوں کو مولانا کی ناراضگی اور گاؤں سے باہر نکل جانے کا علم ہوا تو دوڑے ہوئے گئے اور بڑی منت سماجت سے کسی طرح مولانا کو اپنے گھر رہنے پر راضی کرلیا اور اس کے بعد الٰہی بخش نے اپنے گھر میں رہائش کا بندوبست کیا اور تاحیات آپ یہیں جلوہ افروز رہے۔

ادھر گلزار بخش کے دماغ میں ٹھیکیداری وزمینداری کا غرہ اور ذہن وفکر میں شیطانی وساوس کی گردش کہ سال آئندہ ایک اجلاس منعقد کرنے اور علماء کو جمع کرنے کا فیصلہ کر ہی ڈالا،چنانچہ بھوپال سے جو اس زمانے میں مرکز علم وفن علماء اور مشائخ عظام کا مرجع تھا۔کئی چیدہ اور برگزیدہ شخصیات کو مدعو کیا جس میں جید عالم دین اور نامور محدث علامہ بشیر احمد سہوانیؒ کا نام نامی اور اسم گرامی خصوصا قابل ذکر ہے۔جناب گلزار بخش کے ارادوں میں بھلے فتور پایا جاتا ہو اور ان کی نیت خالص اور پاکیزہ نہ رہی ہو لیکن الحمد للہ اہل موضع کی خوش قسمتی کہئے کہ اس سرزمین اودئی پور پر ایسے نامور اور پاکباز بزرگوں کا ورود مسعود ہوا جن کا اس دور میں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا نہ آمدورفت کے وسائل نہ ہی سڑکیں۔کوئی ایسی کشش اور خصوصیت نہیں تھی کہ آدمی سیکڑوں میل سے زائد مسافت طے کرکے اس دورافتادہ جگہ پر آئے اور اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرے۔لیکن اسلاف کے جذبۂ دعوت اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرنا ہوگا۔جن کی خدمات آج بھی ہمارے

لئے نقش راہ اور باعث عبرت ہیں۔ غالبًا اودئی پور کی تاریخ میں علامہ اظہر بہاری کی جائے قیام اور علامہ بشیر احمد سہسوانیؒ کی زیر قیادت یہ پہلا عظیم الشان دعوتی اور تبلیغی اجتماع تھا جو ایک تاریخی اور مثالی اجتماع بن کر ہمیشہ ہمیش کے لئے لوگوں کے اذہان وقلوب پر چھا گیا۔

بہرحال بوقت شام جب علماء مدعوئین کی ضیافت کا وقت آیا اور دسترخوان آراستہ ہوا تو سب سے پہلے علامہ سہسوانی نے علامہ اظہر بہاری کو یاد فرمایا جو اس وقت مجلس میں موجود نہیں تھے کہ مولانا کو بلایا جائے تاکہ ہم سب ایک ساتھ کھانے میں شریک ہوں لیکن بار بار بلانے پر مولانا اظہر بہاری صاحب اعراض کرتے رہے اور یہ کہہ کر داعی کو واپس کردیتے کہ سارے علماء کرام کھانا تناول فرمائیں میں بعد میں کھالوں گا۔ مولانا کے اعراض وانکار کو علامہ بشیر احمد صاحب کی دوررس نگاہوں نے تاڑ لیا کہ کوئی خاص ماجرا ہے چنانچہ وہ ازخود دسترخوان سے اٹھ کر مولانا کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ ہم لوگ کافی دیر سے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ آخر اس اعراض کی وجہ کیا ہے، یہ جملہ سننا ہی تھا کہ علامہ اظہر بہاری، مولانا بشیر احمد صاحب پر برس پڑے اور انتہائی گرجدار و تلخ انداز میں فرمایا کہ ''بشیروا''، تمہیں بھوپال میں کھانا نہیں مل رہا تھا کہ حرام کھانے کے لئے اودئی پور آیا ہے؟ یہ گلزار جس نے آپ کو بلایا ہے وہ اپنے بھائی کو جائداد میں حصہ نہیں دے رہا ہے میں اس کے یہاں کھانا کھاسکتا ہوں؟ علامہ اظہر بہاریؒ کی ان باتوں نے مولانا کو سکتہ میں ڈال دیا اور ان کے ذہن وفکر کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا وہ لاجواب اور بیخود سے ہوگئے۔ عرض کیا کہ مولانا اگر مجھے یہ واقعہ معلوم ہوتا تو میں ہرگز یہاں نہیں آتا اور نہ اس کی دعوت قبول کرتا، مجھے معذور سمجھیں اور اب کسی قیمت پر کھانا نہیں کھاؤں گا، جب تک کہ وہ اپنی حرکت سے باز نہ آجائے۔ لہذا جب سارے علماء نے دعوت ٹھکرا دی اور کھانا

کھانے سے انکار کر دیا تو ٹھیکیدار گلزار بخش کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور بہت بڑی خفت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

ع بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

نتیجہ یہ ہوا کہ گلزار بخش نے فوراً علامہ اظہر بہاری سے معافی مانگی، اپنے بھائی کو حصہ دینے کا وعدہ کیا تب کہیں جا کر علامہ اظہر صاحب اور دیگر علماء کرام نے مل جل کر کھانے میں شرکت فرمائی۔

قربان جایئے بزرگوں کی شان بے نیازی، خودداری، حق گوئی و بیباکی پر کہ شرعی مسائل اور حقوق العباد میں کسی قسم کی لچک اور چشم پوشی کے روادار نہیں تھے جس بات کو حق سمجھتے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے، کسی امیر ورئیس سے نہ تو مرعوب ہوتے اور نہ کاسہ لیسی اور صلح کلی کی پالیسی اختیار کرتے جو موجودہ سماج کے لئے قابل تقلید اور مثالی نمونہ ہے۔ سچ فرمایا ہے شاعر مشرق علامہ اقبال نے:

آئین جوانمردی حق گوئی و بیباکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مذکورہ واقعہ سے علامہ اظہر بہاری کی بلند پایہ شخصیت اور ان کی عظمت کا بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یا تو آپ علامہ بشیر احمد سہسوانی سے علم وعمر میں بزرگ اور برتر تھے یا کم از کم آپ کے ہم عصر رفقاء اور ساتھیوں میں سے تھے، تبھی آپ نے مولانا بشیر احمد صاحب کو ''بشیروا'' کہہ کر پکارا اور اپنی خفگی وناراضگی کا اظہار فرمایا نیز یہ واقعہ عصر حاضر کے علماء وطلبہ کے لئے بھی بیحد عبرت آموز اور چشم کشا ہے، جن کے یہاں اکثر اپنے دوست واحباب اعزہ واقارب سے چشم پوشی، بے اعتنائی خود غرضی اور فریب دہی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور کبھی ان کے ساتھ بیجا ہمدردی اور خیر خواہی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان بزرگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ہم

سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے ۔آمین ۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تبلیغی دورے اور متعدد مواضعات کا سفر:

دعوت وتبلیغ اور اصلاح سماج و معاشرہ جو علامہ اظہر بہاری کا اصل مقصد اور بنیادی مشن تھا،اس کی خاطر پورے علاقہ میں دعوتی وتبلیغی دورے فرماتے اور گونڈہ وبستی (جس میں مزید دوضلعوں بلرام پور وسدھارتھ نگر کا اضافہ کردیا گیا) کے دور دراز مقامات پر بھی تشریف لے جاتے ، جبکہ اس زمانے میں پیدل کے سوا بیل گاڑی اور پالکی ہی سفر کے ذرائع تھے،مولانا سے اہل علاقہ کی عقیدت ومحبت کی مثال ملنی مشکل ہے ۔کہ جب کبھی کسی گاؤں میں اہل موضع کو مولانا کی تشریف آوری مطلوب ہوتی اور اپنے یہاں مدعو کرنا چاہتے تو وہاں کے رؤسا پالکی کی سواری بھجوادیتے اور کبھی مولانا ازخود بذریعہ پالکی اس گاؤں میں تشریف لے جاتے ، جب تک آپ وہاں قیام کا ارادہ فرماتے وہاں قیام کرتے اوران کی رشد وہدایت کا سامان بہم پہنچاتے اور جب طبیعت واپسی کا ارادہ کرتی تو کہتے کہ اب مجھے اودئی پور پہونچادو۔چنانچہ وہاں سے اصل منزل اور جائے سکونت کی طرف بذریعہ پالکی ہی پہونچادیا کرتے تھے۔فی زمانہ اہل علم کی قدر افزائی کی ایسی مثال خال خال نظر آتی ہے۔علامہ اظہر بہاری دعوت وتبلیغ کے لئے جن مقامات پہ تشریف لے جا چکے ہیں اور جن مواضعات کو اپنے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمایا ہے ان میں سے چند مخصوص مواضعات کے اسماء کچھ اس طرح ہیں ۔کنڈ وَبونڈھیار، گڑرہیا، طیب پور، اللہ نگر، کرتھی ڈیہہ، بیت نار، اوسان کوئیاں، چیونٹھوا، ہرہٹہ، بجوا۔ بنکٹوا۔ دیالی پور۔ لکھوری۔اور بنھونی وغیرہ گڑرہیا کے محمد حیات (حیاتی چودھری) کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے کہ آں رحمہ اللہ نے سودی لین دین کے باعث انھیں تنبیہ فرمائی بلکہ دعوت کھانے ہی سے انکار کردیا۔

''کرتھی ڈیہہ'' موجودہ ضلع سدھارتھ نگر کا وہ مقام ہے جہاں ایک بہت عظیم صاحب تقویٰ شخصیت مولانا ممتاز علیؒ کی گزری ہے جو علامہ اظہر بہاری کے ممتاز عقیدت مندوں میں سے ہیں اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی بلکہ مولانا بہاری کے ہاتھوں لگایا ہوا ایک درخت غالباً اب بھی موجود ہے اس طرح سے اکثر لوگ مولانا ممدوح کی شرافت ونجابت، تقویٰ وطہارت کو دیکھ کر شیدا ہو گئے اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اپنے دین وایمان کی شہادت دی۔ اور الحمد للہ آج بھی دامن ہمالہ کے علاقہ ترائی میں تلسی پور، بلرام پور میں سلفیت کے جو آثار ونقوش پائے جاتے ہیں وہ علامہ اظہر بہاری اور علامہ اللہ بخش بسکوہری جیسے بزرگوں کی دعوتی واصلاحی کوششوں کی مرہون منت ہیں۔

ذوق مطالعہ اور کتابوں کی کثرت:

ذوق مطالعہ اور کتب بینی دونوں لازم ملزوم ہیں۔ ایک عالم دین کو جس قدر مطالعہ کا ذوق وشوق ہوگا اسی قدر اسے کتابوں سے دلچسپی اسے جمع کرنے اور حصولیابی کا شوق ہوگا۔ اسی سے ذہن وفکر میں گہرائی وگیرائی، علم میں وسعت اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ علامہ اظہر بہاری کے پاس کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ اور انبار تھا کہ اتنی بڑی لائبریری بروقت چھوٹے مدارس اور جامعات میں بھی نظر نہیں آتی ہے۔ موصوف کتابوں کے اس قدر دلدادہ اور رسیا تھے کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتے وہ لائبریری بھی انھیں کے ساتھ چلتی رہتی، جس میں تفسیر واحادیث کے علاوہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں وافر مقدار میں موجود تھیں، جب کبھی کتابوں کو دھوپ میں رکھتے اور سکھانے کی ضرورت پڑتی تو باوجود وسعت کے مسجد کی صحن تنگ پڑ جایا کرتی تھی۔ ادیب شہیر علامہ عبدالغفور بسکوہری کے بقول آپ کو جزئیات مسائل بہت مستحضر تھے علاوہ صحاح ستہ کے نیل الاوطار، زاد المعاد اور کشف الملہم وغیرہ احادیث کے گویا حافظ تھے۔ آپ کا کتب خانہ بے نظیر کتابوں سے

بھرا رہتا تھا۔آپ کی رحلت کے بعد اکثر اہم اور وقیع کتابیں محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ کی وساطت سے جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر منتقل کردی گئیں اور کچھ کتابیں مدرسہ زینت العلوم سمرہن کلاں میں بھجوادی گئیں، بچی کھچی کتابوں کا منظر اور کتب خانہ راقم نے اپنی نظروں سے دیکھا ہے بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ باقی ماندہ کتابیں جو پورے کمرہ میں منتشر اور بکھری ہوئی تھیں اور اپنی بے کسی ولاچارگی کا داستان غم سنا رہی تھیں۔تخمیناً ایک بیل گاڑی کی بوجھ سے کم نہ رہا ہوگا۔ جو بھی پڑھا لکھا پہونچ جاتا اپنے مطلب کی کتابیں لے کر نکل جاتا، نہ کوئی پرسان حال تھا اور نہ کوئی نگراں اور محافظ۔ایک دن راقم بھی دور طالب علمی میں مولانا محمد عمر صاحب سلفیؒ صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم گلرہا کے ہمراہ وہاں پہونچا تو بعض کتب احادیث پر نظر پڑی جیسے سنن ابی داوٗد، ابن ماجہ، ترغیب وترہیب وغیرہ جو مع ترجمہ وشرح انتہائی قدیم و بوسیدہ حالات میں تھیں،انھیں اکٹھا کر کے مدرسہ لائے جو آج بھی جامعہ قاسم العلوم گلرہا کی لائبریری میں موجود ہیں۔
اسی طرح مولانا محمد الیاس صاحب فیضیؒ جو علامہ اظہر بہاری کے بعد موضع اودئی پور کے پہلے اور قدیم سند یافتہ علماء میں سے ہیں جو دور شباب ہی میں اس دنیا سے رخصت فرما گئے۔انھوں نے بھی علامہ اظہر بہاری کی بعض اہم کتابوں کو حاصل کرنے میں کامیابی پالی تھی،جن میں شرح اصول الشاشی مترجم، تلخیص المفتاح مترجم اردو اور علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کی چند کتابیں قابل ذکر ہیں۔شرح اصول الشاشی تو نذر دیمک ہوگئی تو شرح تلخیص المفتاح ہمارے ایک رفیق کی نذر ہوگئی۔البتہ علامہ امرتسری کی بعض اہم کتابیں جیسے تُرک اسلام بجواب ترک اسلام، نیز کتاب الرحمٰن حصہ اول راقم کے پاس اب بھی بطور یادگار باقی ہیں۔غرضیکہ علامہ اظہر بہاریؒ نے دینی اور اسلامی کتابوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔بقول شاعر:

ع مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

کے صحیح مصداق تھے۔

مولانا موصوف ایک ماہر خطاط اور عمدہ خوشنویس بھی تھے۔گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید کا ایک قلمی نسخہ دیکھا جس کے بارے میں بزرگوں نے بتایا کہ یہ مولانا کے ہاتھوں لکھا ہوا قرآن مجید ہے۔واللہ اعلم

تعلیمی و تدریسی خدمات:

علامہ اظہر بہاری کا اصل میدان تو دعوت وتبلیغ اور وعظ و إرشاد ہی تھا اور اسی راہ میں اپنی ساری توانائیاں صرف کردیں۔لیکن تعلیم وتدریس سے بھی بیگانہ نہیں رہے بلکہ آپ نے گاؤں کی مسجد ہی میں بڑے بوڑھوں اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اورانھیں ناظرہ قرآن مجید کے ساتھ بعض دینی واسلامی کتابوں کا درس دیتے،وضو،نماز اور روز مرّہ کی ضروری دعائیں سکھاتے اور بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے۔جو بچے آپ کی خدمت میں مشغول رہتے ان سے کہتے کہ تم لوگ نماز نہیں پڑھتے ہو اللہ رب العالمین کو کیا جواب دو گے۔اس طرح آپ بچوں کی ذہن سازی کیا کرتے تھے۔ بالخصوص موضع اودئی پور کے جن بزرگوں نے آپ سے براہ راست شرف تلمذ حاصل کیا ہے ان میں سے بعض کے اسماء اس طرح ہیں۔

(۱)اللہ بخش خاں (۲)مخدوم بخش خاں (۳)عبدالغفار خاں (۴)امام ابو رحمت خاں (۵)حاجی شمس اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ مولانا مرحوم مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں (بستی) حال سدھارتھ نگر میں بھی علامہ اللہ بخش بسکوہری کے ہمراہ چند سالوں تک تدریسی فرائض انجام دے چکے ہیں۔جیسا کہ محترم مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ مؤلف کاروان سلف مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی رحمہ اللہ کے تدریسی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ بات شاید کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں نمونۂ سلف مولانا محمد اظہر مسلم بہاری و مولانا اللہ بخش بسکوہری نے بھی چند سالوں تک یہاں کے تشنگان علوم کو سیراب کیا ہے۔ [1]

(نوٹ) افسوس کہ مذکورہ مدرسہ کے وہ تلامذہ جو علامہ بہاری سے مستفیض ہوئے ان کے اسماء گرامی معلوم کرنے سے قاصر رہے۔ (راقم)

پولیس عملہ سے ناراضگی اور اظہا رنفرت:

جنگ آزادی میں ہندوستانی عوام پر فرنگی سپاہیوں نے مظالم کے جو پہاڑ توڑے تھے بالخصوص اہلحدیث علماء کرام کو جس قدر مشق ستم بنایا گیا، انھیں پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا۔ انتہائی اذیت ناک اور تکلیف دہ صورت حال سے گزرنا پڑا۔ یہ سارے خوفناک اور دل دہلا دینے والے مناظر علامہ اظہر بہاری کی نظروں کے سامنے تھے، جس سے فرنگی اور دیگر پولیس کے خلاف انتہائی نفرت انگیز جذبات پائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی پولیس، داروغہ یا ریاست کا ادنیٰ سپاہی گاؤں میں آجاتا تو فوراً مولانا اپنے گھر میں مقید ہو جاتے۔ اور اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلتے جب تک کہ وہ واپس نہ چلا جاتا۔ ٹھیکیداروں نے جب اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ یہ جہنم کا داروغہ ہے اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ اس طرح آپ ان لوگوں سے نفرت و بیزارگی کا اظہار فرماتے تھے۔

سفر حج بیت اللہ :

علامہ اظہر بہاری حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ جو حضرات آپ کے رفیق سفر تھے اور آپ کی معیت و ہمراہی میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے ان میں ایک اللہ بخش تھے جو گلزار بخش کے صاحبزادے تھے۔ دوسرے عبداللہ خاں اور

[1] ماخوذ از کاروان سلف حصہ اول ص: ۱۸۸

تیسرے جے نگرا کے حاجی دریاؤں خاں تھے۔اس موقعہ پر دریاؤں خاں کے متعلق ایک واقعہ بھی انتہائی دلچسپ اور مشہور ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ زمانہ حج میں ایک بار دریاؤں خاں تن تنہا ٹہلنے گھومنے کی غرض سے مکہ کی آبادی سے باہر چلے گئے وہاں ایک اعرابی اور شاطر انسان سے ملاقات ہوگئی اوراس نے حاجی دریاؤں کوفریب دیتے ہوئے کہا یہ وہ مقام ہے جہاں نبی کریم ﷺ کا معراج کے موقع پر پیٹ چاق کیا گیا تھا اور پیٹ چاق کرانا حاجیوں کے لئے سنت ہے، چنانچہ اس اعرابی نے رسمی طور پر دریاؤں خاں کے پیٹ پر چھری وغیرہ پھیردی اور اپنی اجرت لے کر چلتا بنا۔یہ واقعہ جب علامہ اظہر بہاری کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور بگڑ کر فرمایا کہ دریاؤں تو نبیو گیا اور ہم دونوں اس کے خلیفہ بن جائیں۔اندازہ لگائیں کہ مولانا جزوی مسائل میں بھی چنداں مداہنت گوارہ نہیں کرتے تھے اور نہ خلاف سنت کسی عمل کو برداشت کرتے تھے۔انتہائی ظریفانہ انداز میں اپنے ساتھیوں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ امر جاہلانہ اور حاجیوں کو ٹھگنے ولوٹنے کا ایک نرالا اور انوکھا طریقہ ہے۔

حلیہ اور لباس:

آپ دراز قد، مسمن، لحیم شحیم تھے، لمبی داڑھی، بھاری بھرکم سر، سرخ چہرہ، بارعب اور پر جلال تھے۔اور سب سے عظیم صفت یہ کہ آپ نہایت قوی الاعضاء، بہادر اور پہلوان تھے یعنی بسطۃ فی العلم کے ساتھ بسطۃ فی الجسم کے بھی مالک تھے، آپ کی قوت و طاقت کے متعلق آپ کے خدام ومستفیدین راقم سے بیان کیا کہ ہم لوگ مولانا اظہر بہاری کا پیر دباتے دباتے جب تھک جایا کرتے تو زور زور سے مکی بلکہ گھونسہ مارنا شروع کردیتے۔یہ سب طفلانہ حرکات تھیں۔لیکن مولانا اس وقت بچوں کو شاباشی دیتے ہوئے ان کی تعریف کرتے اور ناراض ہونے کے بجائے کہتے کہ شاباش تم لوگ بہت اچھے اور محنتی لڑکے ہو نماز ضرور پڑھا کرو،اس واقعہ سے مولانا کی قوت وطاقت کا بخوبی اندازہ

لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک آپ کے لباس کا معاملہ تو سلف صالحین کے طرز پر آپ کی زندگی ظاہری ٹھاٹ وباٹ اور آرائش وزیبائش سے پاک تھی، نمائشی چیزوں کو کبھی اہمیت نہ دی، سفید رنگ کا لمبا چوڑا، ڈھیلا ڈھالا جبہ سر پر ٹوپی اور کبھی عمامہ، تو کبھی قمیص اور ازار میں ملبوس۔ جیسے دیکھ کر نہ آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ آپ کی قدر ومنزلت اور حیثیت پہچانی جا سکتی تھے۔

اخلاق وعادات:

علامہ اظہر بہاری کی طرز زندگی سلف صالحین کی صحیح اور سچی تصویر تھی تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، عزلت وگوشہ نسینی اور سادگی میں بے مثل تھے بلند کردار اور اونچے اخلاق کے عالم دین تھے۔ حق گوئی و بے باکی، جرأت و ہمت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کے مزاج وعادات میں کچھ تیزی اور شدت تھی لیکن وہ ناحق نہیں بلکہ حق کے لئے تھی۔ شریعت یا سنت کے خلاف کوئی کام دیکھ لیتے تو بلا لومۃ لائم علی الاعلان ٹوک دیا کرتے تھے۔ اتباع سنت کا جذبہ ان کے رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اس لئے حیات انسانی کے تمام گوشوں میں سنت کی بجا آوری کی فکر ہمہ وقت دامنگیر رہتی تھی، شرم وحیا غیرت وحمیت سے متعلق مولانا بہاری کی زندگی کا ایک عبرت آموز واقعہ قابل ذکر معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس دور میں موصوف موضع اودئی پور سکونت پذیر تھے اس وقت صرف امراء ورؤساء کے گھروں ہی میں بیت الخلاء کا انتظام رہتا تھا چنانچہ ایک مخصوص بیت الخلاء مولانا کے لئے بھی بنوا دیا گیا اور اس کی صفائی وستھرائی کے لئے ایک مہترانی کو مقرر کر دیا گیا۔ ایک دن وہ ملازمہ اچانک بیت الخلاء کی صفائی کے لئے اس وقت پہونچ گئی جبکہ مولانا قضاء حاجت میں مشغول تھے۔ ملازمہ کو دیکھ کر آپ غصہ سے بے قابو ہو گئے، مہترانی پر برس پڑے جب تک اسے مفوضہ کام سے بے دخل نہیں کر دیا گیا اس وقت

تک آپ کو اطمینان وسکون نہیں ہوا۔

اس واقعہ سے آپ کی غیرت وحمیت اور شرم وحیا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر آپ ان صفات سے معمور تھے۔غرضیکہ آپ کی زندگی بڑی پاکیزہ اور صاف ستھری تھی اور حقیقت میں نمونۂ سلف کہے جانے کے مستحق تھی۔

سانحۂ ارتحال اور سال وفات کا تعین :

بالآخر دعوت دین کا عظیم داعی ومبلغ،نصف صدی سے زائد اصلاح وتذکیر کی محفل سجانے والا صاحب عزیمت،مردحق آگاہ،قائد سلفیت،ماحی شرک وبدعت اپنے اصلی وطن بہار سے سینکڑوں میل دور بعمر ۹۰ ر یا سو سال ۱۹۲۵ء بروز بدھ سفر آخرت پر روانہ ہوگیا اور اپنی جائے سکونت ومرکز عمل ہی کو اپنی آخری آرام گاہ کے لئے پسند فرمایا اور ہزاروں معتقدین ومستفیدین کو ہمیشہ ہمیش کے لئے افسردہ وغمزدہ کرکے اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف منتقل ہوگیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس قسم کے مرد مجاہد،باہمت اور خلوص دل سے دعوت دین انجام دینے والے اہل علم وفضل اب کہاں پیدا ہونگے۔افسوس ہم ان جیسے پاکباز سرو باعمل بزرگوں کی صحبت سے محروم رہے۔اللہ رب العزت آپ کی دینی وملی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے انھیں اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ **اللهم اغفر له وارحمه**

جہاں تک مولانا مرحوم کی صحیح تاریخ وفات کا معاملہ ہے تو اکثر مولفین نے اپنی کتابوں میں ۱۹۲۵ء تحریر کی ہے اسی باعث یہی تاریخ زیادہ مشہور ومعروف ہے لیکن حسن اتفاق سے مولانا نسیم احمد اثری اودئی پوری کو قرآن مجید کا ایک قدیم نسخہ ہاتھ لگ گیا جو حاجی بشیر احمد خاں موضع بنکٹوا کی مسجد میں موجود تھا۔تلاوت کے وقت ساتویں پارہ کے

سورہ انعام کے حاشیہ پر نظر پڑی تو دیکھا کہ حاجی بشیر احمد خاں کے والد عبداللہ خاں کے قلم سے علامہ اظہر بہاری کی تاریخ وفات ماہ وسن کی تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔معلوم رہے کہ عبداللہ خاں مولانا کے مخصوص معتقدین ومریدین میں سے شمار کئے جاتے ہیں انھوں نے علامہ اظہر بہاری کو قریب سے دیکھا اور استفادہ کیا ہے کیونکہ مولانا مرحوم دعوت وتبلیغ کے لئے بنکٹوا بھی جایا کرتے تھے۔اس لئے راقم کو یہی تاریخ وفات زیادہ مستند اور معتبر معلوم ہوتی ہے۔

جناب عبداللہ خاں بنکٹوا کی تحریر کے مطابق مولانا اظہر بہاری رحمہ اللہ کی تاریخ وفات کچھ اس طرح مندرج ہے۔

(تحریر ملاحظہ کریں) جو من وعن منقول ہے۔محرم ۶ ۱۳۳۶ھ بماہ نومبر ۱۹۱۷ء یوم بدھ کو حضرت العلام مولانا اظہر مسلم بہاری موضع اودئی پور میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ماہ اگہن سن فصلی ۱۳۲۵ھ۔

مولانا کی وصیت کے مطابق قبر کوہان نما اور سنت نبوی کے مطابق بنائی گئی اور ایک عظیم مجمع کی موجودگی میں آپ کو موضع اودئی پور کے شمال مشرق جانب آم کے ایک باغ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔جو پہلے ٹھیکیداروں کا ذاتی باغ تھا اور بعد میں رفتہ رفتہ قبرستان کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔راقم کو وہ دائرہ بھی معلوم ہے جہاں مولانا کی قبر تھی کیونکہ اس کے بغل آم کا ایک پیڑ بطور نشان موجود تھا جو بعد میں آندھی وطوفان کی نذر ہوگیا۔

اس طرح مولانا اظہر صاحبؒ کی خواہش ووصیت کے مطابق قبر کی نشانی ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہوگئی۔آخر میں اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مولانا مرحوم کا دعوتی وتبلیغی فیضان اور وعظ وارشاد کی برکتوں وتربیتوں کا نتیجہ وثمرہ آج بھی موجود ہے اور گونڈہ وبستی کے تمام علماء نیز علاقہ تلسی پور وبلرام پور کے جملہ دعاۃ ومبلغین کی یہ ذمہ

داری ہے کہ مولانا کے جلائے ہوئے شمع کو روشن رکھنے اور آپ کے عظیم مشن کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لئے بھر پور جدو جہد کریں اور حتی المقدور فریضۂ دعوت کی ادائیگی و تبلیغ دین میں کسی طرح کی کوتاہی اور تساہلی نہ برتیں یہی مولانا کے حق میں سچی خراج عقیدت ومحبت ہوگی۔ اللہ سبحانہ ہم سب کو اس کارعظیم اجرعمل خیر کی توفیق بخشے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی و سلم

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

(نوٹ) واضح رہے کہ یہ علامہ اظہر بہاری کی سوانح عمری نہیں ہے بلکہ اس کا ایک خاکہ اور عکس ہے، گاؤں کے بزرگوں اور مولانا مرحوم کے تلامذہ ومعتقدین سے جتنی معلومات حاصل ہوسکی ہیں انھیں حوالہ قرطاس کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ واقعات میں کتنی حقانیت وصداقت پائی جاتی ہے اس کا صحیح اور ٹھیک علم صرف اسی ذات کے پاس ہے جو علیم وخبیر ہے۔ راقم بھی علامہ بہاری کے حلقۂ فیض یافتگان کا ادنی اور معمولی فرد ہے روحانی اور معنوی طور پر۔ لہذا خادم پر بھی کچھ حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کی ایک حقیری سی کوشش کی ہے۔ شاید کہ آئندہ نسلوں کے لئے نشان راہ بن سکے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

✡✡✡

جناب منشی عابد علی رحمہ اللہ

تدریسی صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت

(تاریخ وفات: ۹/مارچ ۱۹۹۵ء)

ولادت: ۱۹۲۵ء

وفات: ۹/مارچ ۱۹۹۵ء

شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد میں نے اپنے گردوپیش میں جن مشفق و مہربان شخصیات کا دیدار کیا ان میں ایک نمایاں شخصیت میرے حقیقی خالو محترم جناب منشی عابد علی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی ذات گرامی بھی ہے۔ میرے بچپن میں آپ میرے لئے الفت ومحبت کا بحر ذخار تھے، میرے استاذ، معلم، مربی اور محسن تھے اور یہ ربط وتعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ یوں تو آپ کے آباء واجداد کا وطن مالوف ضلع بلرام پور میں واقع ایک گاؤں سمر ہنا تھا، لیکن آپ کے والد گرامی جناب صاحبزاد سپاہی رحمہ اللہ کی شادی جب بیتنار میں میرے دادا محترم مولانا عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ کی چھوٹی خالہ سے ہوئی اور آپ کے والد محترم نے اپنے لئے یہاں کا ماحول خوشگوار دیکھا نیز اپنے بڑے برادر نسبتی جناب شوکت علی صاحب رحمہ اللہ جو گاؤں کے اولین اہلحدیثوں میں سے تھے کی بے پایاں شفقت ومہربانی محسوس کی تو سمر ہنا کی زمین، جائداد فروخت کرکے بیتنار آبسے، چونکہ پہلے زمانے میں رشتوں میں کافی گرماہٹ ہوتی تھی، تمام رشتے بے لوث وبے ریا ہوتے تھے، اس لئے علاحدہ گھر میں رہنے کے باوجود محسوس یہی ہوتا کہ سب ایک ہی گھر کے افراد ہیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں اپنی خالہ محترمہ اور خالو محترم رحمہما اللہ کی شفقتوں اور نوازشوں کی وجہ سے میں اور میرے بھائی بہن یہی سمجھتے کہ ہم دو گھر میں

سکونت پذیر ضرور ہیں، لیکن ہم سب لوگ ایک ہی گھر کے فرد ہیں، میرے والد محترم جناب الحاج جلال الدین صاحب حفظہ اللہ وتولاہ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق جناب منشی جی کی ولادت ۱۹۲۵ء میں ہوئی، آپ میرے والد محترم سے تقریباً ۱۲/سال بڑے تھے اور پہلے رشتے کے مطابق چچا لگتے تھے، لیکن والد محترم کی شادی جب آپ کی زوجہ محترمہ اور میری بڑی خالہ رحمہا اللہ سے ہوئی، تو دونوں کے درمیان ہم زلف کا رشتہ قائم ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے الفت ویگانگت کے ساتھ اس رشتہ کو استحکام بخشا۔

تعلیم و تربیت:

اس زمانے میں گاؤں کے اندر معتبر اسکول یا مدرسہ نہیں تھا، اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم گاؤں سے تقریباً ۲/کلومیٹر دور ایک گاؤں بلوا میں ہوئی، بعدازاں حصولِ علم دین کی غرض سے علاقہ کے معروف ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار تشریف لے گئے، وہاں گلستاں، بوستاں تک تعلیم حاصل کی، پھر کچھ عرصہ کانپور کے ایک ادارہ میں حصول علم میں منہمک رہنے کے بعد بوجوہ تعلیم سلسلہ منقطع ہوگیا، اسی دوران آپ نے منشی کا امتحان اچھے نمبرات سے پاس کیا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے اخاذ ذہن ملا تھا اس لئے جو بھی پڑھا، جتنا پڑھا سب دل ودماغ میں مرتسم ہوگیا، یوں تو آپ کی تعلیم منشی تک ہی تھی اور منشی جی ہی کے لقب سے معروف ومشہور ہوئے، لیکن بعد کی تدریسی صلاحیتوں نے یہ ثابت کردیا کہ آپ اگر کسی مدرسہ یا جامعہ سے فارغ التحصیل ہوتے تو ایک ممتاز اور با کمال عالم دین ہوتے۔ آپ کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی وہ وقت انگریزوں کے ہندوستان سے چل چلاؤ کا تھا، مجاہدین آزادی نے انگریز بہادر کی ناک میں دم کر رکھا تھا، سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہما اللہ کے جیالوں نے جہاں ایک طرف انگریزوں سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے میدان کارزار کو اعتبار ووقار بخشا تھا وہاں دوسری طرف وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت توحید کا بیڑا اٹھائے ہوئے مسلم معاشرے میں پنپ

رہی بدعات وخرافات، جاہلانہ رسوم ورواج اور شرکیہ اعمال وافعال سے بھی برسرِ پیکار تھے۔اسی قافلۂ حق، تحریک شہیدین اور گلستان توحید وسنت کے ایک گل سرسبد جناب مولانا اظہر بہاری رحمہ اللہ نے اضلاع بستی وگونڈہ اور موجودہ سدھارتھ نگر اور بلرام پور کے مختلف مواضعات میں شمع توحید کوروشن کرنے میں اہم اور نمایاں کردار ادا فرمایا، ان کی شبانہ روز کاوشوں سے ہمارے گاؤں بیتنار میں بھی توحید کا غلغلہ ہوا اور بریلویت زدہ گاؤں توحید وسنت کا گہوارہ بن گیا۔ فجزاه الله عنا و عن المسلمين خيرا

اس طرح ہمارے ممدوح استاذ گرامی سدر جناب منشی جی رحمہ اللہ کی تربیت توحید کے ماحول میں ہوئی اور تادم واپسیں آپ عقیدۂ توحید اور منہج سلف سے وابستہ رہے۔

اولاد:

اللہ رب العزت نے آپ کو اولاد جیسی نعمت عظمیٰ سے بھی سرفراز فرمایا، جن میں بعض کی آپ کی زندگی میں وفات ہوگئی، جب کہ آپ کی وفات کے وقت بیٹوں میں آپ کے بڑے بیٹے ماسٹر عبدالسلام منجھلے بیٹے ابوالکلام، چھوٹے بیٹے شیخ احتشام احمد فیضی اور بیٹیوں میں آپ کی بڑی صاحبزادی خالدہ خاتون، منجھلی سلمیٰ خاتون اور چھوٹی عالمہ خاتون موجود تھیں، بعد میں آپ کے بڑے صاحبزادے ماسٹر عبدالسلام بقضائے الٰہی ۲۴؍اگست ۲۰۱۶ء کو وفات پاگئے۔ رحمه الله رحمة واسعة وأسكنه فسيح جناته

تدریسی خدمات و صلاحیت:

آپ کی تدریسی خدمات نصف صدی پر محیط ہے، اس دوران آپ نے مختلف مقامات پر مسند تدریس کو زینت بخشی، ایک عرصہ تک ساحل راپتی پر آباد ایک مردم خیز بستی طیب پور میں آپ نے اپنی تدریسی صلاحیتوں سے طلبہ کو مستفید کیا، آج بھی وہاں کے معتبر اور ممتاز علماء میں آپ سے فیض یافتہ علمائے کرام نمایاں ہیں۔ طیب پور کے علاوہ

مدرسہ سراج الاسلام بیتنار میں بھی آپ پیشۂ تدریس سے وابستہ رہے، اور ہم طلبہ کو اپنی صلاحیتوں سے فیض پہنچاتے رہے، آپ کے زمانے میں مدرسہ کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی، جامع مسجد میں ہی آپ کا مسند درس بچھتا بعد میں ذمہ داروں کے درمیان جب اختلاف ہوا تو آپ خاموشی کے ساتھ اس سے علاحدہ ہو گئے اور مدرسہ اسلامیہ کے نام سے جب ایک مدرسہ کا قیام گاؤں میں ہوا تو اہل قریہ کے بے حد اصرار پر آپ بحیثیت مدرس اس سے وابستہ ہو گئے کسمپرسی کا عالم یہ تھا کہ ابتداء میں اس ادارہ کی بھی کوئی مستقل عمارت نہ تھی، بلکہ یہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھا کبھی کسی باغ میں ٹاٹ پٹی بچھا کر مدرسہ قائم کر لیا جاتا، کبھی کسی کے خالی گھر کو وقتی مدرسہ کی شکل دے دی جاتی، برسات کے موسم میں اکثر میرے والد صاحب کے گھر کا برآمدہ مدرسہ بن جاتا۔ ''اکرہرا'' اور ''پھرینی'' میں بھی آپ نے چند سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

انجمن محمدیہ تلسی پور میں:

تدریسی سلسلہ میں ایک عرصہ تک انجمن محمدیہ مدرسہ دارالقرآن والحدیث تلسی پور سے آپ وابستہ رہے، واقعہ یہ ہے کہ میرے استاذ گرامی قدر جناب مولانا محی الدین ندوی رحمہ اللہ نے اپنے گاؤں طیب پور میں جناب منشی جی رحمہ اللہ کی تدریسی صلاحیت ملاحظہ فرمائی تھی، اس لئے جب ندوی صاحب رحمہ اللہ کا تقرر انجمن محمدیہ میں بحیثیت ناظم تعلیمات ہوا تو باصرار جناب منشی جی رحمہ اللہ کو انجمن محمدیہ تلسی پور لے آئے، اس طرح منشی جی رحمہ اللہ ایک زمانہ تک انجمن محمدیہ سے وابستہ رہے، اسی اثنا میں میں نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۷ء تک آپ کے زیر سایۂ عاطفت اس چمنستان علم وفن سے خوشہ چینی کی۔ اس وقت انجمن محمدیہ میں مثالی تعلیم ہوتی تھی، قرب وجوار کے علاوہ دور دراز سے بھی طالبان علوم نبوت کشاں کشاں انجمن محمدیہ کا رخ کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے، اس زمانہ میں پیشۂ تدریس سے وابستہ اساتذۂ کرام انتہائی دلجمعی سے تدریسی فریضہ انجام دیتے

تھے، خصوصا استاذ الاساتذہ مشفق گرامی جناب منشی جی رحمہ اللہ نے خلوص وللہیت کا پیکر بن کر ازحد جانفشانی اور تندہی سے فرض شناسی کی اعلیٰ مثال قائم کی، ہم طلبہ کو آپ اوقات درس کے علاوہ رات میں بھی درس دیتے۔ ۱۹۷۷ء کی وہ رات میں کبھی بھول نہیں سکتا جب درجات منشی کے طلبہ کو آپ عشاء کے بعد پڑھا رہے تھے، میں بھی دو زانو ہو کر آپ کی تدریس سے حظ اندوز ہو رہا تھا کہ اتنے میں میرا دل کچھ اچاٹ ہونے لگا، میں نے آپ سے اجازت طلب کی اور آکر بستر پر لیٹ گیا، اس وقت مدرسہ کی ایک ہی قدیم اور بوسیدہ پختہ عمارت تھی، چھجے کے نیچے میری چارپائی لگی تھی، آنکھیں بند کرنے کے باوجود میں نیند کی آغوش میں نہیں پہونچ سکا کہ اتنے میں شکرمل کے گھڑیال نے ایک کا گھنٹہ بجایا، ابھی گھنٹہ کی آواز میرے کان میں پڑی ہی تھی کہ چھجہ ٹوٹ کر میری چارپائی پر آگرا چارپائی تو خیر ٹوٹی ہی، پرانی اینٹوں نے میری بھی اچھی خاصی خبر لے لی، ایک اینٹ میری پیشانی پر گری اور اسے شدید زخمی کر گئی، میری چیخ سن کر خالو محترم اور تمام ساتھی دوڑ پڑے، پیشانی سے خون کی دھار پھوٹ رہی تھی، میرے ایک رفیق درس منصور احمد عرف کلو نے میری پیشانی پر شہادت کی انگلی رکھی تو ان کی پوری انگشت شہادت پیشانی کے اندر چلی گئی، وہ بے ساختہ چیخ پڑے اور لوگ مجھے فوراً اٹھا کر ایک ماہر اور حاذق طبیب جناب ڈاکٹر عبدالمعبود رحمہ اللہ کے مطب لے گئے، محترم ڈاکٹر صاحب نے مرہم پٹی کی، چہرے پر سوجن اتنی زیادہ آگئی تھی کہ تقریباً ایک ماہ تک میں نے پھل اور ہلکی غذا پر گذارہ کیا، کچھ روبہ صحت ہوا ہی تھا کہ اسی اثنا میں امتحان کا وقت آگیا، امتحان کا سنٹر لکھنؤ کھدرا میں واقع شیعہ پی جی کالج تھا، ہم لوگ منشی جی رحمہ اللہ کے ساتھ لکھنؤ آئے، منشی جی رحمہ اللہ امتحان میں نقل کے سخت خلاف تھے اور ہمیں آپ نے تیاری بھی خوب کرائی تھی اس لئے امتحان ہال میں جانے سے قبل ہم لوگوں کی جامہ تلاشی خود لیتے، پھر اندر جانے دیتے، ان کا یہ نظریہ تھا کہ نقل سے امتحان میں کامیابی تو مل سکتی ہے، لیکن صلاحیتوں میں

نکھار پیدا نہیں ہوسکتا۔ اللہ کے فضل سے جب میں مسلسل ایک ماہ بیماری سے جوجھنے کے باوجود امتحان میں پاس ہوگیا تو بے انتہا خوش ہوئے اور گاؤں جا کر والدہ محترمہ سے فرمایا کہ تمہارا بیٹا منشی کے امتحان میں اچھے نمبرات سے پاس ہوا ہے اس لئے پورے محلہ میں مٹھائی تقسیم کرو۔

جامعہ خدیجۃ الکبریٰ نیپال میں :

ملک نیپال کے عالمی شہرت یافتہ عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ المدنی رحمہ اللہ کے ذریعہ قائم کردہ نیپال کی پہلی اقامتی نسواں درسگاہ جامعہ خدیجۃ الکبری میں محترم منشی جی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دو سال سے زیادہ تدریسی فریضہ انجام دیا۔ محترم مدنی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی تدریسی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر ہی اپنے ادارہ میں آپ کا تقرر فرمایا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے جامعہ میں مفوضہ کتابوں کا نہ صرف یہ کہ حق ادا کیا، بلکہ بعض کتب بھی آپ کو تفویض کی گئیں، جن کی آپ نے اپنی وہبی صلاحیتوں سے تیاری کی اور بعد میں طالبات کو ان کی تعلیم دی۔ جامعہ میں دوران تدریس آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور آرام فرمانے کے لئے گھر تشریف لائے، پھر جانبر نہ ہوسکے اور اس طرح علمی صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت ۹/مارچ ۱۹۹۵ء کو ہم سے جدا ہوگئی۔ انہی دنوں مئو کی ایک کانفرنس میں میرے دیرینہ رفیق محترم فضیلۃ الشیخ جناب مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے جو اس وقت جامعہ خدیجۃ الکبری کے موقر استاذ اور منتظم کار تھے فرمایا کہ آپ کے خالو محترم منشی جی جن کی تعلیم صرف منشی تک تھی، لیکن بفضلہ تعالیٰ اپنے مطالعہ کے زور پر ہدایۃ النحو اور بلوغ المرام جیسی اہم درسی کتب کا درس انتہائی موثر انداز میں دیتے تھے، جس کا اعتراف طالبات کے ساتھ جامعہ کی انتظامیہ کو بھی تھا۔

دیرینہ آرزو کی تکمیل:

ممدوح محترم جناب منشی جی رحمہ اللہ کی شدید خواہش اور آرزو تھی کہ ان کی اولاد

میں کوئی ممتاز عالم بنے جو خاندان اور گاؤں کا نام روشن کرنے کے ساتھ اپنے والدین کے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔آپ کی اس دیرینہ آرزو کی تکمیل اللہ رب العزت نے اس طرح فرمائی کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے عزیز گرامی قدر شیخ احتشام احمد حفظہ اللہ کو حصول علم دین کی توفیق بخشی، برادر عزیز میرے ہونہار شاگرد ہیں مغربی یوپی کی عظیم دانشگاہ **المعھد الاسلامی السلفی**،رچھا، بریلی میں مجھ سے صحیحین اولین کا درس لیا اور بعد ازاں ہندوستان کے معروف ادارہ جامعہ اسلامیہ فیض عام ،مئو ناتھ بھنجن میں داخل ہوکر فضیلت کی سند حاصل کی اور اس کے بعد عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی **جامعة الملک سعود** ریاض سے ۲۰۰۷ء میں گریجویشن کی ڈگری لے کر **توعیة الجالیات شرورہ**، نجران سے وابستہ ہوگئے اور بروقت **رئیس قسم الجالیات** کے اہم اور باوقار عہدہ پر فائز ہیں۔راقم سطور کی چھوٹی بہن عزیزہ رضوانہ خاتون سلمہا برادر عزیز سے منسوب ہے اور دونوں لوگ اپنے بچوں کے ساتھ ''شرورہ،سعودیہ عربیہ'' میں مقیم ہیں۔اللہ رب العزت کے فضل اور خالو محترم رحمہ اللہ کی آرزو اور دعاؤں کے ثمرہ میں ان کے دو بیٹے عزیزم ہشام اور عزیزم بسام اور اسی طرح دو بیٹیاں عزیزہ صبا پروین اور عزیزہ سمیہ حافظ قرآن ہیں اور مزید تعلیمی سلسلہ جاری ہے اور دو چھوٹے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں، بڑی بیٹی عزیزہ صبا پروین نے ''**جائزة نائف بن عبدالعزیز آل سعود**'' کی طرف سے منعقد مسابقۂ حفظ حدیث (۱۴۳۵ھ، ۱۴۳۶ھ، ۱۴۳۹ھ) میں حصہ لے کر پورے مملکہ سعودیہ عربیہ میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور ان کے والد شیخ احتشام احمد حفظہ اللہ نے اپنی بیٹی کی طرف سے **خادم الحرمین الشریفین ملک سلمان بن عبدالعزیز حفظه الله و رعاه** کے دست مبارک سے سند اعزاز اور انعام کی رقم حاصل کی،اسی طرح ۱۴۳۹ھ (۲۰۱۸ء) میں **مؤسسه منصور الشعیبی الخیریه** کی طور سے جدہ میں منعقد مسابقۂ حفظ قرآن

کریم میں حصہ لے کر مرکز اول حاصل کیا۔ یقیناً یہ خانوادۂ عابد کے لئے بڑے اعزاز و شرف کی بات ہے۔

اسی طرح جناب منشی جی رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے برادرم ماسٹر عبدالسلام رحمہ اللہ کے ایک بیٹے شمیم احمد فیضی جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن سے فارغ التحصیل ہیں اور دو بیٹیاں عارفہ پروین اور شمع پروین عالمہ، فاضلہ ہیں، جبکہ نواسوں میں کلیم اللہ فیضی، حافظ عزیز اللہ فیضی، صفات اللہ فیضی، حافظ تنزیل الرحمٰن فیضی، حافظ صفی الرحمٰن اور حافظ عبدالرحمٰن بھی علم دین سے آراستہ ہیں۔ اس طرح اللہ رب العزت نے منشی جی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کی دیرینہ آرزو کی تکمیل فرمائی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی کارواں کو جاری وساری رکھے، آپ کی اولاد واحفاد کو زیور علم سے آراستہ کر کے دنیا وآخرت میں سرخروئی عطا فرمائے اور آپ کے علمی وارثین کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

شہاب الدین جلال الدین المدنی
ناظم اعلیٰ
صوبائی جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی
۲۰۲۱/۸/۵ء

۞۞۞

مولانا عبدالوہاب ریاضی رحمہ اللہ

(تاریخ وفات: ۱۴/ مارچ ۲۰۰۱ء)

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۵ء ہے۔ ابتدائی تعلیم (از ناظرہ تا میزان) اپنے والد محترم حاکم میاں سے پڑھا۔ اور اس کے بعد مزید حصول علم کے لئے مدرسہ شمس العلوم دلال پور مغربی بنگال کا سفر کیا اور مشکوۃ تک کی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی جن میں قابل ذکر شخصیت مولانا شمس الدینؒ کی ہے بعدہٗ آپ نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی پہونچ کر داخلہ لیا اور کچھ سالوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے ۱۹۴۷ء میں جب گلشن رحمانیہ اجڑ گیا تو آپ نے مولانا عبدالسلام بستویؒ کے ادارہ ریاض العلوم دہلی میں داخلہ لیا اور سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد دہلی ہی میں رہ کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اور وطن تشریف لے آئے۔ ۱۹۶۰ء میں شادی ہوئی۔ مشہور داعی اور اہلحدیث عالم عابد حسن نقویؒ نے آپ کا نکاح پڑھایا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اپنے ہی علاقہ کو دعوت اور تعلیم کا انتخاب کیا اور مسلسل پندرہ سالوں تک پوری لگن کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہے، کئی مدارس کے آپ بانی قرار پائے۔

۱۹۷۵ء میں ماسٹر عبدالصمد انصاری کے ہمراہ یوپی کے ضلع گونڈہ حال بلرامپور تشریف لے گئے جہاں آپ مدرسہ دارالقرآن والحدیث (انجمن محمدیہ) تلسی پور سے آپ وابستہ ہوئے اور تعلیمی وتبلیغی کام کرنے لگے مسلسل گیارہ سالوں تک وابستہ رہے ۔۱۹۸۶ء میں علیحدگی اختیار کی اور ضلعی جمعیت اہلحدیث گونڈہ میں بحیثیت مبلغ کام کرنے لگے اپنے طوفانی دوروں سے تبلیغی مشن کو تیز تر کیا جس کی وجہ سے آپ کی شناخت مبلغ کی

بن گئی۔آپ کا خلوص جانفشانی اور لگن کا ہر بچہ گواہ ہے ۱۹۹۰ء میں خرابی صحت کی وجہ سے وطن واپس ہوئے۔اور گاؤں ہی کے جامع مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دینے لگے قیام کے دوران آپ ہمیشہ عیدین کے امام وخطیب تھے جو کہ اعزاز کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی نعمت سے بھی خوب خوب نوازا تھا، جن میں چار بچے اور چار بچیاں ہیں، ایک بچی جو کہ بچپن میں فوت ہوگئی تھی اس کے علاوہ تمام اولاد آج بھی بقید حیات ہیں۔

راقم الحروف عبدالرشید سلفی کو اللہ نے علم دین کی دولت سے نوازا ہے اور حتی المقدور دینی فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہے۔فالحمد للہ علی ذلک

آپ کی وفات کا سانحہ اس وقت پیش آیا جب کہ آپ مکمل صحت مند تھے اور علاقے کے ایک گاؤں موضع جام حوری میں منعقد اجلاس عام میں شرکت کی غرض سے بذریعہ سائیکل جارہے تھے کہ موضع بہری کے پاس وقت موعود آپہونچا اور فرشتۂ اَجل کی دعوت پر آپ نے لبیک کہتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔اس طرح بھرا پرا خاندان جن میں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں بڑی تعداد میں ہیں جن کو سوگوار روتا چھوڑ گئے۔سانحہ ۱۴/ مارچ ۲۰۰۱ء بروز منگل پیش آیا۔

دوسرے دن قاری محمد یونس اثری حفظہ اللہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔علاقے کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس سے قبل کسی کے جنازہ میں اتنا بڑا انسانی ہجوم اور جم غفیر ماضی قریب میں نہیں دیکھا گیا۔سقی اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ .

عبدالرشید بن عبدالوہاب السّلفی
نیاپور ضلع جام تارا

❁❁❁

ایک غیور وحوصلہ مند خادمِ جماعت

الحاج عزیز الدین خاں رحمہ اللہ کی وفات

(تاریخ وفات: ۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء)

ازقلم: شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ
ناظم جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال

ضلع سدھارتھ نگر یوپی کا علاقہ نوگڑھ اہل حدیث آبادی کی کثرت، ملی جماعتی فکر وتڑپ اور دینی مدارس کی بہتات کے اعتبار سے نہ صرف خطہ میں بلکہ پورے ملک میں معروف ہے، اسی علاقہ میں نوگڑھ سے تقریباً ۲ کلومیٹر شمال میں واقع ایک گاؤں مہدیا اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا ہے، یہاں علاقہ کے خوش حال وذی حیثیت مسلمانوں کا ایک زمیندار خاندان آباد ہے، جو خاندان مہدیا کے نام سے دور ونزدیک جانا جاتا ہے، اس خاندان کے افراد اپنے علم وفضل، وضع داری ورکھ رکھاؤ، سیاسی تدبر، دینی وملی شعور اور عقیدہ ومسلک کی پختگی کے معاملہ میں ایک نمایاں وممتاز مقام رکھتے ہیں، اسی خاندان کے چشم وچراغ جناب الحاج عزیز الدین خاں صاحب تھے جو تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ صبح ۷/بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

موصوف ادھر کچھ عرصہ سے بعض موذی امراض اور جان لیوا عوارض کے شکار تھے، جس کی وجہ سے دو سال سے تقریباً صاحب فراش اور کافی حد تک تنہائی پسند ہوگئے تھے، لوگوں سے ملنا جلنا اور دنیاوی دلچسپیوں میں حصہ لینا بالکل ترک کردیا تھا، ہاضمہ خراب اور بھوک بہت کم ہوگئی تھی جس سے بتدریج نقاہت بڑھتی گئی۔

وفات سے تقریباً دو ہفتہ قبل دونوں گردے فیل ہوگئے تھے، ان کے لواحقین اور

فرزندان گرامی مرض سے افاقہ کی امید نہ ہونے کے باوجود اپنی تسلی کے لئے اور ایک آخری کوشش کے طور پر دس دن قبل گورکھپور لے کر گئے، جب کہ مستقل علاج یہیں کے ڈاکٹروں کا چل رہا تھا، وہاں ان کو فوری طور پر ہاسپٹل میں ایڈمٹ کیا گیا اور گردوں کی مصنوعی صفائی (ڈائی لیسس) کا عمل شروع کیا گیا اور دو دو دن کے وقفہ سے یہ عمل کئی بار دہرایا گیا، لیکن گردوں کی کارکردگی پوری طرح متاثر ہو چکی تھی، ظاہری حالت میں وقتی طور پر بہتری اور ظاہری تکالیف میں وقتی طور پر افاقہ کے سوا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوا اور اصل بیماری جوں کی توں برقرار رہی۔

ان کے دونوں فرزندان الحاج آفاق احمد خاں اور عزیزم زبیر احمد خاں نے علاج وتیمارداری اور خدمت ونگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ڈاکٹروں کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا، علاج وپرہیز اور ان کو ہر ممکن آرام وراحت بہم پہونچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی بالخصوص ان کے فرزند اکبر اول الذکر الحاج آفاق احمد خاں نے ہر طرح خدمت ودل جوئی کا حق ادا کیا، جن کے کھجوریا روڈ پر واقع نئے آرام دہ گھر میں انھوں نے زندگی کے بیشتر اور بیماری کے آخری ایام گذارے، ان کے دونوں بھتیجے جناب ممتاز احمد خاں (نیتا) اور جناب الحاج سلطان احمد خاں (جو داماد بھی ہیں) تیمارداری وعیادت اور علاج سے متعلق مشوروں میں برابر شریک رہے، دوران علاج نوگڑھ سے ان کے گورکھپور آنے جانے اور علاج ومعالجہ سے متعلق ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کا سلسلہ جاری رہا، جب کہ ان کے بقیہ تینوں داماد امتیاز احمد خاں فرزند اصغر جناب وکیل محی الدین خاں صاحب (مہدیا)، ارشاد احمد خاں فرزند جناب ڈاکٹر عبد الباری خاں ڈومریا گنج اور مجیب الرحمٰن صاحب (کوٹا، راجستھان) برابر تیمار داری میں شریک رہے اور مناسب مشوروں سے نوازتے رہے، خاندان کے دیگر تمام خورد وکلاں نے بھی مسلسل گورکھپور جاکر بار بار عیادت کی اور بیماری وعلاج سے متعلق اپنی فکر وتشویش کا اظہار کیا، البتہ اس خاندان کی دوسری بزرگ شخصیت

الحاج وکیل محی الدین خاں صاحب ان کی بیماری کے ابتدائی دنوں میں سفر عمرہ پر مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے تھے اس لئے نہ تو گورکھپور جا کر عیادت ومزاج پرسی کر سکے اور نہ آخری رسومات میں شرکت کر سکے، جس کا انہیں یقیناً بڑا قلق ہوگا، کیونکہ دونوں ہم عمر وہم مزاج اور سفر وحضر کے ساتھی تھے اور زمانہ طالب علمی بھی ساتھ ہی گذرا تھا۔

ناچیز راقم سطور بھی بیماری کی سنگین صورت حال کی اطلاع پا کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ بغرض عیادت نوگڑھ حاضر ہوا، لیکن انھیں اسی دن گورکھپور لیجایا جا چکا تھا، فون پر میں نے ان کے صاحب زادے حاجی آفاق احمد صاحب سے خیریت دریافت کی اور مرحوم سے براہ راست بات کر کے بھی مزاج پرسی کی اور صحت کے لئے دعائیہ کلمات کہے، آواز میں کمزوری ونقاہت کے احساس کے باوجود مجھے ان کی بیماری کچھ زیادہ سنگین اور فوری خطرہ کا باعث نہیں محسوس ہوئی، کیونکہ اپنی بیماری وتکالیف کے بارے میں انھوں نے قدرے تفصیل سے بتایا اور دعائے صحت کی درخواست کی اور ان کی باتیں پوری طرح مربوط رہیں، اس لئے میں بیماری سے افاقہ اور شفایابی سے متعلق کافی حد تک پر امید رہا، اللہ کو منظور نہیں تھا لہٰذا بیماری کے اس سنگین شکل اختیار کرنے کے دوران میں ان سے ملاقات اور ان کی عیادت نہ کر سکا جس کا برابر قلق ہے۔

بہر حال اپنے مریضوں کے علاج ومعالجہ سے متعلق ہر انسان مقدور بھر اپنی کوشش کرتا ہے اور تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرتا ہے، لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے اور قضا وقدر کا فیصلہ ساری تدابیر پر حاوی ہو جاتا ہے، چنانچہ دس دن تک ماہر اطباء کی نگرانی میں دستیاب طبی سہولیات اور دواؤں وانجکشنوں اور ڈائی لیسس کے آزمانے کے بعد اسپتال کے معالجین نے اپنی بے بسی اور مایوسی کا اظہار کر دیا اور خود مرحوم نے بھی شدت سے گھر لیجانے کی خواہش کا اظہار کیا، ان کی گویا کہ یہ آخری خواہش تھی، اس لئے ان کے تیمارداران کو اتوار کی شام واپس گھر لے آئے جب کہ وہ کوما کی کیفیت میں چلے

گئے تھے اور یہیں پر دس اپریل بروز دوشنبہ صبح ۷/بجے انھوں نے زندگی کی آخری سانسیں لیں اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

میں اس وقت ایک دور دراز کے سفر پر تھا لیکن فون پر میرا ان کے صاحبزادۂ گرامی الحاج آفاق احمد صاحب سے برابر رابطہ رہا، جنھوں نے خود مجھے تقریباً ساڑھے سات بجے سانحۂ ارتحال کی خبر دی، گھر سے دور ہونے کی وجہ سے میری ان کے جنازہ وتدفین میں باوجود خواہش وکوشش کے شرکت ممکن نہ ہوسکی جو اسی دن بعد نماز عصر عمل میں آئی۔

نماز جنازہ وتدفین میں تقریباً دو ہزار کی تعداد میں عوام وخواص نے شرکت کی جن میں دور ونزدیک کے اعزہ واقرباء کے علاوہ علماء وطلباء اور مدارس کے ذمہ داران کی ایک قابل ذکر تعداد شامل رہی، جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر سے بھی علماء ومدرسین وکارکنان جامعہ کے ایک بڑے وفد نے شرکت کی، جس کے لئے میں نے بذریعہ فون جامعہ میں خصوصی ہدایت کردی تھی، اس طرح علماء وطلباء اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت کرکے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله۔

مرحوم الحاج عزیز الدین خاں صاحب ایک دین پسند، خیر جو اور غیور اہل حدیث تھے، عالم دین تو نہ تھے لیکن دینی کتب کے مطالعہ کے شوقین تھے، ہمارے اس ماہنامہ ''السراج'' کے مستقل قاری تھے، اس کو حرفاً حرفاً پڑھتے اور اس کے مضامین ومشمولات پر تبصرہ کرتے، اس ناچیز کے اداریوں کے بھی بڑے قدردانوں میں تھے، ان کو پڑھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے اور اپنی بے لاگ رائے سے نوازتے، پرچہ ملنے میں اگر تاخیر ہوجاتی یا ناغہ ہوجاتا تو ملاقات ہونے پر شکایت بھی کرتے، جمعیت وجماعت کی حمیت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی، انھوں نے مہدیا خاندان کے جس دینی وعلمی ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہی رد شرک وبدعت اور توحید وسنت کی

اشاعت رہا ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ پورا خطہ نوگڑھ ہی اپنی ملی غیرت اور جماعتی حمیت میں ضرب المثل کی حد تک مشہور رہا ہے، جس کا مشاہدہ نوگڑھ کانفرنس کی عدیم المثال کامیابی میں کیا جاسکتا ہے، اس کانفرنس کی کامیابی کے سلسلہ میں مرحوم کی خدمات کا اجمالی تذکرہ آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا مہدیا خاندان ہمیشہ سے علم وعلماء کی قدر دانی، علماء نوازی، غرباء پروری اور مہمان نوازی میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا رہا ہے خاص طور سے خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ کے ایثار واخلاص، دعوتی وعلمی میدانوں میں ان کی مساعی وجہود، مدرسہ کی تعمیر وترقی کے لئے ان کی فکر وتڑپ اور ان کی بے مثال خطابت کا جہاں ایک عالم مداح ہے وہیں مہدیا خاندان ان کی قدر دانی اور عزت افزائی میں پیش پیش رہا، یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس علاقہ مٹکا میں ان کا دعوتی دورہ ہوا یا مدرسہ کے لئے فصلی چندہ کرنے کے سلسلہ میں ان کا اس علاقہ سے گذر ہوا تو مہدیا خاندان نے ہی ان کی ان مواقع پر میزبانی ومہمان نوازی کی سعادت حاصل کی اور خاندان کے دیگر افراد میں بھی بطور خاص الحاج عزیز الدین خاں اور الحاج جلال الدین خاں کے والد گرامی الحاج سکندر زماں خاں صاحب فریضۂ میزبانی ادا کرنے میں سب سے پیش پیش رہے اور خطیب الاسلام علامہ جھنڈانگری رحمہ اللہ اسی مہدیا کو اپنا عارضی مستقر بنا کر کئی روز تک علاقائی دورہ کرتے رہے اور اس خاندان کے الطاف کریمانہ اور قدر افزائی سے مستفید ہوتے رہے۔

اس وقت کا سفر انتہائی تکلیف دہ اور پر مشقت ہوا کرتا تھا جو عام طور سے بیل گاڑی اور کبھی کبھی ہاتھی کے ذریعہ ہوتا تھا، مہدیا خاندان کے پاس بھی سواری کے لئے ہاتھی تھا جو اس قت کے زمینداروں ورؤساء کی عام سواری تھی یا یوں کہیں کہ ذرائع آمد ورفت اور وسائل نقل وحمل محدود ہونے کی وجہ سے یہ ایک مجبوری تھی، کیونکہ خطہ میں نہ پختہ سڑکیں

تھیں نہ پل و گذر گاہیں اور نہ سواری کے لئے دیگر متبادل ذرائع سفر کا ایک محفوظ ذریعہ ہاتھی کی سواری تصور کی جاتی تھی، ایسے میں اس علاقہ کا فصلی یا ہنگامی دورہ کرتے ہوئے اکثر و بیشتر مہدیا خاندان کا ہاتھی خطیب الاسلام کے زیر استعمال رہتا تھا اور اس خاندان کے اولوالعزم اور حوصلہ مند افراد ان کی میزبانی اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، بعد میں جب پختہ سڑکیں تعمیر ہوگئیں اور علاقہ کے اکا دکا خوش حال لوگوں نے سواری کے لئے گاڑیاں رکھ لیں تو بھیہ عزیز الدین خاں صاحب مرحوم ان چند لوگوں میں سے ایک تھے جن کے پاس ابتدائی دنوں میں ہی آرام دہ گاڑی آ گئی تو میں نے خود مشاہدہ کیا کہ جب عم محترم مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ کے ہمراہ مجھے کبھی مہدیا جانے کا اتفاق ہوا تو نوگڑھ اسٹیشن پر وہ اپنی گاڑی لے کر استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے اور مہدیا یا جہاں جانا ہوتا پہونچایا کرتے تھے، یہ ان کی غایت درجہ عقیدت مندی اور قدر دانی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی اس خاندان کے ساتھ قدر دانی اور عزت افزائی پر مشتمل انہیں دیرینہ تعلقات کا نتیجہ تھا کہ آگے چل کر خاندان کدر بٹوا (جو بانی جامعہ اور ملک نیپال کا معروف مسلم خاندان ہے) اور خاندان مہدیا (جو علاقہ مٹکا کا جانا پہچانا مسلم خاندان ہے) کے درمیان وسیع پیمانہ پر رشتہ داریاں اور مصاہرت کے رشتے قائم ہوئے، جس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب میری حقیقی بہن سلمٰی کا عقد وکیل محی الدین خاں صاحب رئیس مہدیا کے صاحبزادہ اشفاق احمد خاں سے ہوئی، اس رشتہ کا انتخاب عم محترم خطیب الاسلام مولانا جھنڈانگری رحمہ اللہ نے بنفس نفیس کیا تھا، جس پر خاندان کے دیگر بزرگوں میرے چچاؤں اور خود میں نے مہر تصدیق ثبت کیا، یہ رشتہ ہر لحاظ سے باعث خیر و برکت اور دو معروف خاندانوں کے درمیان روابط کی مضبوطی کا سبب ہوا، میرے بہنوئی اشفاق احمد خاں انتہائی وضع دار وملنسار، خوش اطوار و خوش گفتار، سلیم الطبع و شریف النفس اور

سنجیدگی ومتانت کے پیکر ہیں۔

ان دونوں خاندانوں کے درمیان قائم ہونے والے یہ تعلقات گذرتے وقت کے ساتھ پائیدار اور گہرے ہوتے گئے، اسی خاندان میں عم محترم خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی دو پوتیوں اور ایک پوتے کی شادی ہوئی، بھیہ عبدالرشید خاں صاحب کے ان تین بچوں بچیوں میں سے سب سے بڑی بچی شہناز انہیں الحاج عزیز الدین خاں صاحب کی بہو ہیں، جن کا ذکر جمیل ان سطور میں کیا جارہا ہے، شہناز ان کے چھوٹے بیٹے عزیزم زبیر احمد خاں کی اہلیہ ہیں، اسی طرح ہمارے خاندان کی ایک اور عظیم ومعروف ہستی اور ملک گیر شہرت کی حامل شخصیت عم محترم جناب عبدالمنان خاں صاحب کی پوتی اور بھائی ڈاکٹر اقبال احمد خاں مرحوم کی بچی ریما خان اسی خاندان کی معروف سیاسی وسماجی شخصیت جناب ممتاز احمد خاں کی بہو ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ جب مجھے اپنے اکلوتے لڑکے کاشف شمیم خاں کے رشتہ کی تلاش ہوئی تو میری نظر انتخاب بھی اسی خاندان کی طرف اٹھی جو اپنی شرافت ونجابت اور خاندانی وضع داری میں مشہور ہے چنانچہ میری بہو بھی جناب الحاج عزیز الدین خاں مرحوم کی پوتی اور الحاج آفاق احمد خاں کی صاحبزادی اور میرے گھر کی عزت ہے۔

اس خاندان میں خاندان کدر بٹوا کا اب تک کا آخری رشتہ بھیہ عبدالرشید خاں ناظم کلیہ عائشہ صدیقہ کے پوتے اور ڈاکٹر منظور احمد خاں کے لڑکے عزیزم آصف منظور کا میری بھانجی اور اشفاق احمد خاں کی صاحبزادی عائشہ خانم کے ساتھ طے ہوا، جن کی شادی اسی سال ماہ جنوری کے پہلے ہفتہ میں انجام پذیر ہوئی۔

اس طرح ان دونوں خاندانوں کے درمیان برابر رشتہ داریوں وشادیوں کا سلسلہ قائم رہا اور ان کو ایک دوسرے سے تقویت ومضبوطی فراہم ہوتی رہی اور یہ باہم شیر وشکر رہتے ہوئے ایک دوسرے کی خوشی وغمی میں شریک ہوتے رہے، اور قابل ذکر ہے کہ

اس طرح کی مثالیں بھی کم نظر آتی ہیں کہ اتنے وسیع پیمانہ پر باہم رشتے ہونے کے باوجود کہیں کسی موڑ پر رشتوں میں تلخی یا شکر رنجی نہیں پیدا ہوئی۔ان دونوں خاندانوں کے درمیان رشتہ داریوں کے اس وسیع سلسلہ کا تعارف کرانے کے پیچھے صرف یہ مقصد ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات کی نوعیت کو سمجھا جاسکے۔

ان سطور میں غم واندوہ کے گہرے احساسات کے ساتھ جس شخصیت کا تذکرہ سپرد قلم کررہا ہوں وہ گذشتہ دنوں ہمیں داغ مفارقت دے گئی،ان کی جدائی سے شرافت ووضع داری کے سلسلہ کی ایک کڑی ٹوٹ گئی اور یہ صدمہ صرف ایک خاندان کا نہیں بلکہ ایک طرح سے جماعتی خسارہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کی جدائی سے ہماری تاریخ اہل حدیث کے ایک روشن باب کا بھی خاتمہ ہوگیا تو غلط نہ ہوگا اور شاید ہماری تاریخ کے اس حصہ سے کم لوگ ہی واقفیت رکھتے ہوں گے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (موجودہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کی روشن وتابناک تاریخ میں نوگڑھ کانفرنس کی جو اہمیت ہے وہ شاید ہی اہل نظر سے مخفی ہو، بلکہ جماعت کا ہر خاص وعام فرد اس کی تاریخی اہمیت سے واقف ہے،جس نے جماعت کے حوصلوں کو توانائی بخشی اور تقسیم ہند کے نتیجہ میں لگنے والے زخموں کو مندمل کرنے بلکہ زخموں سے چور جماعت کے لئے مرہم کا کام کیا اور ہماری جماعت اہل حدیث کو حیات نو کا پیغام دیا اور برسوں کی غفلت وپژمردگی کے بعد جماعت تازہ دم ہوکر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کانفرنس کو منعقد کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مفکر اسلام مولانا عبدالجلیل رحمانی اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کا جو حصہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں،لیکن بعض مخلص وبے ریا لیکن نسبتاً گمنام افراد کی مساعی وجھود تاریخ کی گرد میں دب جاتی ہیں، جب کہ نوگڑھ کانفرنس کے انتظامات کو خوب سے خوب تر بنانے میں وہ رضا کار اور نوجوانان ملت وجماعت قابل مبارکباد ہیں جنھوں نے اسے ایک مثالی

کانفرنس بنانے اور ایک بے نظیر اجلاس کی شکل دینے میں قابل ذکر کردار ادا کیا اور اس کے لئے درکار ضروری سہولیات کو اس بے سروسامانی کے عالم میں بہم پہونچایا جس کا ایک معمولی سے قصبہ نوگڑھ اور مضافات کے پسماندہ مواضعات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، ان رضا کاروں اور نوجوانوں میں جن دو بھائیوں کا کردار سب سے زیادہ نمایاں تھا وہ الحاج جلال الدین خاں مرحوم اور الحاج عزیز الدین خاں مرحوم پسران الحاج سکندر خاں مرحوم کی شخصیات تھیں، یہ ان کا عنفوان شباب تھا اور جوانی کے جوش وجذبہ اور جماعتی تڑپ وحمیت سے یہ دونوں بھائی معمور تھے، انھوں نے انتظامات کے اس پورے عرصہ میں جس جوش وخروش، ولولہ وہمت اور جذبہ ولگن کے ساتھ روز وشب محنت کی اور انتظامات کو معیاری بنانے کے لئے نوجوانوں کی ٹیم کی قیادت کی' اس کے لئے وہ پوری جماعت کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں، اس پورے عرصہ میں ان کا ذاتی گھر جو'' آفاق منزل'' کے نام سے مشہور ہے کانفرنس کا مرکزی دفتر بنا رہا، واضح ہو کہ'' آفاق'' ان کے بڑے صاحبزادہ کا نام ہے جو علاقہ میں'' چرچل'' کے نام سے مشہور ہیں اور میرے لئے ان کا تعارف یہ ہے کہ موصوف میرے سمدھی ہیں، بہر حال اس کانفرنس سے متعلق تمام بڑے فیصلے یہیں سے ہوئے اور جماعت کی عظیم شخصیات کے قیام کے لئے اسی'' آفاق منزل'' کو عارضی مہمان خانہ کی حیثیت حاصل رہی، اس طرح یہ مکان گویا کہ نوگڑھ کانفرنس سے متعلق بیشتر انتظامی سرگرمیوں کا مرکز تھا، خاص بات یہ ہے کہ نوگڈھ کانفرنس میں اسی آفاق منزل میں سعودیہ عربیہ کے برائے سفیر ہند یوسف فوزان صاحب اور مولانا عبدالوہاب آروی کا قیام بھی تھا۔

اس موقع پر ایک دلچسپ بات مجھے یاد آگئی کہ گذشتہ سال ماہ رمضان میں میں ایک سہ رکنی وفد کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، جہاں الحاج آفاق احمد صاحب پہلے سے رمضان المبارک کی رحمتوں وضیا پاشیوں سے استفادہ کے لئے موجود تھے،

ہندوستان سے آئے ہوئے وفد کے ہمراہ مولانا اصغر علی امام مہدی حفظہ اللہ اور جامعہ سلفیہ کے ناظم مولانا عبداللہ سعود صاحب حفظہ اللہ بھی موجود تھے، آفاق احمد صاحب مجھ سے ملاقات کے لئے ہوٹل آئے تو اس موقر ہندوستانی وفد سے بھی ملاقات ہوئی، ناظم جمعیت مولانا اصغر علی امام مہدی تو ان سے بخوبی واقف تھے، لیکن مولانا عبداللہ سعود صاحب ان سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، انھوں نے مجھ سے آفاق صاحب کا تعارف جاننا چاہا تو انھوں نے خود اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ میرا نام آفاق احمد ہے وہی آفاق احمد جن کے نام سے قائم ''آفاق منزل'' نوگڈھ کانفرنس کی تاریخ کا حصہ ہے، شاید مولانا عبداللہ سعود کو اس موقع پر نوگڈھ کانفرنس کا تذکرہ پسند نہیں آیا کیونکہ بغیر کسی موقع ومحل وتمہید کے انھوں نے فرمایا کہ جامعہ سلفیہ کے قیام کا تعلق نوگڈھ کانفرنس سے بالکل نہیں ہے، بلکہ اس سے تیس سال قبل اس کا قیام عمل میں آچکا تھا، اگر انھیں اس تعارفی گفتگو میں نوگڈھ کانفرنس کا تذکرہ پسند نہیں آیا تو ہمیں بھی بے موقع ومحل جامعہ سلفیہ کا اس انداز میں تذکرہ پسند نہیں آیا کیونکہ جس بات کا فسانہ میں کوئی ذکر نہیں تھا وہ بات ان کو کیوں کرنا گوارگذری ہم سب اس بات کو سمجھنے سے قاصر رہے، البتہ چند دنوں بعد معلوم ہوا کہ اس کا ایک خاص پس منظر تھا، خیر یہ تو آفاق منزل کے تعلق سے ایک ضمنی بات تھی جو بروقت یاد آجانے پر نوک قلم پر آگئی۔

ع ''مصرعہ میں آگئی تھی سخن گسترانہ بات''

نوگڈھ کانفرنس اس وقت ہوئی جب یہ راقم سطور شعور کی منزل سے برسوں دور تھا، کیونکہ اس وقت میری عمر 5-6/سال سے زیادہ نہ تھی، لیکن نوگڈھ کانفرنس کے انتظامات سے متعلق کیا کیا دشواریاں پیش آئیں اور علاقائی نوجوانوں نے جن کی قیادت الحاج جلال الدین خاں اور الحاج عزیز الدین خاں کر رہے تھے ان پر کس طرح قابو پایا اور اس وقت درپیش چیلنجوں ومشکلات سے کس طرح نبرد آزما ہوئے، پیش آمدہ مسائل کو کیسے حل کیا مثلا اجلاس کے میدانوں کو کیسے ہموار کیا گیا، روشنی، پانی اور بجلی کا انتظام کیوں کر ہوا، بیرونی

مہمانوں کی قیام گاہ وآرام گاہ کے لئے کیسے ٹینٹ بنائے گئے، عارضی مصلی ومسجد اوروضوخانوں وطہارت خانوں کوکیسے بنایا گیا، ان میں پانی کا کیانظم کیا گیا، اسٹیج کوکس طرح شایان شان طریقہ سے بنا کراسے آراستہ کیا گیا، بڑی تعداد میں لاؤڈ اسپیکر ومائک کاانتظام، بڑے مرکزی ہال کے لئے ٹنٹ کی تنصیب اورکھانے کے لئے وافرتعداد میں عارضی ہوٹلوں کی تعمیر کیوں کرممکن ہوئی، یہ ولولہ انگیز داستان اس علاقہ کے لوگوں میں آج بھی زبان زدخاص وعام ہے اور یہاں کے بزرگ اس کی جزئیات اورانتظامی کیفیات کوآج بھی مزے لے لے کر سناتے ہیں اورجوانوں کے خون کوگرماتے ہیں، میں نے بھی اپنے بزرگوں سے اس کی تفصیلات سنیں اورخودبھیہ عزیزالدین خاں صاحب مرحوم نے اس کی بعض تفصیلات بتائیں، آج کے پُرآسائش اورجدید سہولیات سے لبریز دور میں یہ چیزیں آسان معلوم ہوتی ہیں، لیکن ان مشکلات کااس دوراورخاص طور سے اس پسماندہ ودورافتادہ علاقہ میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جنھیں ان عزم وحوصلہ کے پیکراس وقت کے شاہین صفت نوجوانوں نے اپنے ولولہ وہمت اورجوش ولگن سے اسے ممکن کردکھایا اورچنددنوں کے لئے نوگڈھ کانفرنس کے نام سے علاقہ میں گویا کہ ایک نیاشہر بسادیا، عام طور سے کانفرنسوں کی تاریخ اہم اورمعروف علمی شخصیات کوتویادرکھتی ہے لیکن ایسے گمنام لوگوں کے تذکرہ سے خالی ہوتی ہے یاسرسری طور سے گذرجاتی ہے جوان کانفرنسوں کوکامیابی سے ہمکنار کرنے اورانتظامات کواعلی معیار کابنانے اوراسے یادگار حیثیت عطا کرنے میں شب وروز محنت کرتے ہیں اوراپنی لیاقت اورخوش انتظامی کا ثبوت دیتے ہیں، مرحوم الحاج عزیز الدین خاں صاحب انھیں چندلوگوں میں سے ایک ہیں۔

راقم سطورنے ان کے تذکرہ میں نوگڈھ کانفرنس کے اس پہلو کاذکر بطورخاص اس لئے کرنا مناسب سمجھا کہ ہمارے نسبتاً غیرمعروف اورگمنام بزرگوں کی خدمات سے بھی ہماری نئی نسل واقف رہے، اوراس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ آج کل بعض

لوگوں کے سروں پر علاقائیت یا برادریت کا بھوت اس طرح سوار ہے کہ باقاعدہ ایک مہم کے تحت نوگڈھ کانفرنس کے اثرات اور اس کے ثمرات کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور اس عنوان سے کتابیں تصنیف کی جارہی ہیں کہ مرکزی دارالعلوم بنارس کی تعمیر وتاسیس میں نوگڈھ کانفرنس کا کوئی حصہ نہیں، میں نے اس تعزیتی مضمون میں یہ بتانے کی موہوم سی کوشش کی ہے کہ اس مردم خیز خطہ، بستی وسدھارتھ نگر اور بلرام پور وگونڈہ کی سرزمین میں کتنی ہی ایسی گمنام شخصیات آسودۂ خاک ہیں جنھوں نے جمعیت وجماعت کے کاکل وگیسو کو سنوارنے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا، الحاج بھیہّ عزیز الدین خاں صاحب مرحوم کی شخصیت انھیں غیور وباحمیت اہل حدیث بزرگوں میں سے ایک تھی، جہاں تک سوال اس بات کا ہے کہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام وتاسیس میں اس کانفرنس کا کیا کردار رہا ہے اس کے تذکرہ کا یہ تعزیتی مضمون متحمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ موضوع پھر کبھی سہی۔

الحاج بھیہ عزیز الدین خاں صاحب مرحوم ایک دینی خاندان کے پروردہ ہونے کی وجہ سے دینی مزاج، اخلاقی جرأت اور جماعتی غیرت وحمیت کے حامل تھے، بعد میں بھی دین سے ان کی وابستگی نہ صرف برقرار رہی بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

انھوں نے ہندونیپال کی وسیع آراضی وزمینداری پر تکیہ نہ کرتے ہوئے باعزت روزگار کے کچھ اور ذرائع ومواقع تلاش کئے اسی سلسلہ میں شہر بستی میں ''آدرش ٹینٹ ہاؤس'' کے نام سے ایک ٹینٹ ہاؤس قائم کیا اور اسی کاروباری سلسلہ میں خود زیادہ تر ایک عرصہ تک بستی میں قیام پذیر رہے، اسی دوران مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے بستی میں اپنے مرکز ابوالکلام آزاد کی ایک شاخ یا جماعت اہل حدیث کا ایک دعوتی سنٹر قائم کرنے کا ارادہ کیا جہاں شہر بستی میں جماعت کا کوئی وجود نہ تھا، اس خیال کے پیچھے بھی عزیز الدین خاں صاحب مرحوم کے مشوروں کا بڑا دخل تھا تاکہ یہاں جماعت

کو پیر جمانے کا موقع ملے اور اسے وقار واعتبار حاصل ہو، اور غالباً مولانا رحمانی رحمہ اللہ کے اس ارادہ اور عزیز الدین خاں مرحوم کی اس تحریک سے قبل وہاں جماعت کی کوئی مسجد بھی نہ تھی، بہرحال تعمیر مسجد سمیت ایک چھوٹے سے دینی مرکز کے قیام کے منصوبہ پر کام شروع ہوا، بھیہ عزیز الدین خاں صاحب ان کے معاون ومددگار بلکہ ان کے دست راست تھے اور اس مرکز کی تعمیر کی راہ میں درپیش قانونی رکاوٹوں وپیچیدگیوں کو دور کرنے اور معاندین کی شرانگیزیوں کا جواب دینے کے لئے ان کی مضبوط وطاقتور شخصیت ہی سامنے آئی اور انھوں نے بڑی ہی خوش اسلوبی اور دلچسپی کے ساتھ مسائل کو حل کیا اور شہر بستی میں جماعت کا ایک مرکز قائم کرنے میں قابل ذکر کردار ادا کیا بعد میں مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کی عدیم الفرصتی اور بھیہ عزیز الدین خاں مرحوم کی بستی کو خیر باد کہنے کی بنا پر اس مرکز کو منصوبوں کے مطابق نہ چلایا جاسکا اور اس سے وہ توقعات پوری نہ ہوسکیں جن کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔

جمعیت وجماعت کی تعمیر وترقی سے ان کو تادم حیات دلچسپی رہی، مہدیا گاؤں میں ایک بڑا سرکاری ہائی اسکول اہل مہدیا کی عطا کردہ زمین پر قائم ہے، جہاں زیادہ تر قوم مسلم کے نونہال تعلیم پا رہے ہیں، خاندان مہدیا کے عالی حوصلہ بزرگوں نے اس کے لئے لب سڑک ایک وسیع وعریض زمین عطیہ کی اور ان کی کوششوں سے ایک معیاری ہائی اسکول قائم ہوا، لیکن گاؤں کے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی فکر کرتے ہوئے ان بزرگوں نے لب سڑک ہی ایک دینی پرائمری مکتب بھی قائم کیا جس میں مہدیا گاؤں اور مضافات کے اہل حدیث بچے تعلیم پا رہے ہیں، جناب الحاج عزیز الدین خاں مرحوم نے اس مکتب کی بھی تعمیر نو کرائی اور اس کے نظام کو درست کیا اور جب تک جسم وجان میں طاقت رہی اس کی دیکھ ریکھ اور نظم وانصرام کی ذمہ داریاں بطریق احسن سنبھالتے رہے، بقدر ضرورت کچھ نئی تعمیرات کے ساتھ ایک چھوٹی سی دیدہ زیب مسجد بھی مکتب کے احاطہ میں تعمیر کرائی جہاں

گاؤں کے مغربی سمت واقع گھروں کے لوگ اور روڈ کے کنارے آباد لوگ نماز ادا کرتے ہیں، یہاں کی عیدگاہ اور قبرستان کے انتظام کا کام بھی انھوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور دن کے اوقات میں مکتب میں زیر تعلیم بچے بھی یہاں با جماعت نماز کی ادائیگی کرتے ہیں، گاؤں کی قدیم آبائی مسجد کی بھی انھوں نے از سر نو تعمیر کرائی اور وضو خانہ کے ساتھ مسجد کے فرش کو دیدہ زیب ٹائلوں سے مزین کیا، اس کے علاوہ قرب وجوار کے کئی مواضعات میں انھوں نے کئی مسجدیں اور مکاتب تعمیر کرائے، بڑے پیمانہ پر پانی کی بورنگ اور چھوٹی بڑی ٹنکیاں تعمیر کرائیں، ان کاموں کو اہل خیر کے تعاون لیکن اپنی ذاتی دلچسپی سے انجام دیا، آج علاقہ کے چپہ چپہ پر ان کی یہ تعمیری ورفاہی خدمات ثبت ہیں، جوان شاء اللہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی۔

انھوں نے غالباً ۱۹۹۴ء یا ۱۹۹۵ء میں فریضہ حج کی ادائیگی سے فراغت حاصل کی، سفر حج میں دونوں برادران اور ان کی بیویوں کے علاوہ بھائی عبدالرشید خاں بھی مع اہلیہ کے ان کے سفر حج کے رفیق تھے، میری والدہ مرحومہ نے بھی اسی سال اسی قافلہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا، جامعہ کے پرانے خادم محمد مستقیم صاحب نے ایک رفیق وخدمت گار کی حیثیت سے حج کی سعادت بھی حاصل کی اور خدمتِ حجاج کا حق بھی ادا کیا۔

پرانے نوگڈھ قصبہ میں بھی ایک اہل حدیث مسجد انھیں لوگوں کی کوشش سے آباد رہی پھر جب یہ لوگ مختلف جگہ مہدیا، تتری وغیرہ میں منتشر ہوگئے تو مسجد اغیار کے قبضہ میں چلی گئی، اسی طرح قصبہ تتری (موجودہ سدھارتھ نگر) میں بھی ایک یا دو پرانی اہل حدیث مسجدیں تھیں جہاں اسکا روڈ پر واقع ایک مسجد میں مجھے مرحوم عزیز الدین خاں صاحب کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کرنے کا موقع ملا، اپنوں کی بے اعتنائی نئی نسل کی نمازوں سے غفلت وتساہلی اور اغیار کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں اب یہ مسجدیں بھی ہماری بے حسی کے لئے ماتم کناں اور اہل حدیث نمازیوں کی منتظر ہیں، تاہم ہمارے لئے یہ امر باعث

اطمینان ہے کہ اس دوران ۵۔۶ نئی اہل مسجدیں نئی آبادیوں میں تعمیر ہو چکی ہیں ان میں سے بیشتر کی تعمیر میں الحاج عزیز الدین خاں صاحب کے مشوروں، ان کی فکر و تڑپ اور ان کی اخلاقی مدد شامل رہی۔ البتہ ضلع سدھارتھ نگر کی اس نئی آبادی میں جسے کھجوریا روڈ کہتے ہیں کئی اچھے خوش حال اور بااثر مسلمانوں کے مکانات تعمیر ہو چکے ہیں، جن میں علمائے دین بھی ہیں اور سیاسی وسماجی کارکنان اور تجار بھی ہیں، انھیں میں عالمی شہرت کے حامل داعی وعالم دین ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ اور مولانا مقبول احمد فیضی کے رہائشی مکانات بھی واقع ہیں، اسی کھجوریا روڈ پر الحاج آفاق احمد خاں کا خوبصورت ودیدہ زیب اور وسیع قطعہ آراضی پر واقع نئی سہولیات سے مزین اور آراستہ پیراستہ بنگلہ بھی ہے، یہیں پر مرحوم کی رہائش بڑے لڑکے کے ساتھ تھی جہاں ان کی زندگی کے آخری ایام گذرے اور دونوں پوتوں اور اکلوتی پوتی کی یہیں سے شادی ہوئی، انھیں کے رہائشی مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر بدر مانٹیسری اسکول اور مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ السّلفیہ کے نام سے ایک بڑا دینی ادارہ بھی قائم ہے جسے معروف اہل حدیث عالم دین مولانا عبدالقدوس صاحب مدنی چلا رہے ہیں اور جو ریاض میں مقیم ہیں اداروں کے قیام اور ان کے لئے موزوں جگہ کے انتخاب اور تعمیرات میں پیش آنے والی قانونی رکاوٹوں کو حل کرانے اور قدم قدم پر اپنے اخلاقی تعاون سے نوازنے میں مرحوم ہمیشہ پیش رہے، اور ضلع ہیڈ آفس میں ایک اہل حدیث مرکز کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا، بدر سکول اور مرکز کے قیام سے پہلے یہیں پر ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے دفتر کا قیام بھی عمل میں آیا، جس کے ناظم اس وقت ''السراج'' کے مدیر مولانا عبدالمنان سلفی ہیں، اس طرح یہ علاقہ اہل حدیث آبادی اور جماعتی سرگرمیوں کا نیا مرکز بن چکا ہے اور تتری بازار سدھارتھ نگر کے تمام اہل حدیث حضرات بالعموم بدر کی عالیشان اور وسیع وعریض مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ،اس ادارہ کے قیام میں جہاں اس گھرانے کا قدم قدم پر اخلاقی تعاون رہا وہیں آج بھی

اس کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرحوم کے بڑے صاحبزادے چرچل صاحب کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہیں اوراس کی حاجات وضروریات پرنظر رکھتے ہیں اورکوئی کمی دیکھ کر ذمہ داران کوتوجہ دلاتے ہیں۔

ان کے آخری دورکا ایک کام اہم جوان کی حسنات میں نمایاں جگہ پانے کا مستحق ہے یہ ہے کہ سنئی چوراہا سے برڈ پور کی طرف جانے والے بائی پاس پر پٹرول کے سامنے ایک نسبتاً نشیبی جگہ پرایک نئے اہل حدیث سنٹر کا قیام ہے،اس علاقہ میں نہ تو کوئی اہل حدیث مسجد اور نہ کوئی مکتب واقع تھا، ڈاکٹر عبدالباری خاں صاحب جومختلف فلاحی وخیری مشاریع کی تنفیذ کرتے رہتے ہیں' ان کومرحوم اس بات کی طرف برابرتوجہ دلاتے رہے کہ اس علاقہ میں ایک اہل حدیث مسجداورمکتب ہونا چاہئے تا کہ اپنی جماعت اپنی پہچان بنا سکے اور برگ وبارلاسکے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ نے ان کے مشوروں کوقدر کی نگاہ سے دیکھا جواس علاقہ مٹکا میں ان کے مشاریع کی پہلے سے تنفیذ کرتے رہے تھے، چنانچہ یہاں ایک کشادہ زمین انھیں کی کوششوں سے خریدی گئی ،پھراس پرتعمیرات کا سلسلہ شروع ہوا،بعض منصوبے مکمل ہو چکے ہیں اوربعض ابھی زیر تکمیل ہیں، اس گراں قدر منصوبہ میں ان کی کوششیں، ان کی توجہات ان کی فکر وتڑپ اوران کی فہم وفراست کے ساتھ ساتھ ان کا وسیع تجربہ شامل ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اورمرحوم کواورڈاکٹر عبدالباری حفظہ اللہ کوجواس کے روح رواں ہیں اجر جزیل سے نوازے۔(آمین)

اس طرح مرحوم الحاج عزیزالدین خاں صاحب کی زندگی جماعتی غیرت وحمیت اورجدوجہد سے عبارت تھی، کچھ عرصہ تک مرحوم الحاج عزیزالدین خاں صاحب مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پورکی مجلس عاملہ کے صدربھی رہےاوراس کے انتظامات کودرست کرنے ،اس کے تعلیمی معیارکو بلند کرنے اوراس میں درکارضروری سہولیات کا اضافہ کرنے کے

لئے برابر کوشاں رہے جب کہ جناب وکیل محی الدین خاں صاحب رئیس مہدیا بھی کافی عرصہ تک اس کی صدارت کے باوقار منصب پر فائز رہے اور پورے علاقہ میں اپنی شرافت نفسی، خودداری، وضع داری اور اپنے اخلاص و بے لوثی کے ساتھ ساتھ غایت درجہ کی احتیاط ودیانت داری کے سبب اور معاملہ فہمی ودینی بصیرت وسوجھ بوجھ سے مالامال ہونے کی بدولت بہت ہی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔اس طرح اس خاندان کے بارے میں ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کی تعبیر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مرحوم عزیزالدین خاں صاحب ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوکر سفرآخرت پر روانہ ہوچکے اب ان کی یادیں اوران کی خدمات باقی ہیں جوان شاء اللہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی، ہرانسان خطاونسیاں کا پتلہ ہے،صرف انبیائے کرام کی ذات اس سے مبرّا ہے کہ اللہ نے انھیں معصوم اورگناہوں سے پاک رکھا ہے، اس لئے ہم ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے ان کی خطاؤں ولغزشوں کے درگذر کئے جانے کی اللہ سے درخواست کرتے ہیں۔

ان کے پسماندگان میں دو بیٹے اورچار بیٹیاں اورنواسے نواسیاں ہیں، خاص طور سے ان کی بیٹیوں اوردونوں بیٹوں کوان کی کمی کا اب شدت سے احساس ہورہا ہے کیونکہ باپ کی حیثیت ہرآدمی کی زندگی میں شجرسایہ دار کی ہوتی ہے،اس طرح انھوں نے ایک بھراپرا کنبہ چھوڑا جوان کے لئے دعائے مغفرت کررہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں ولغزشوں سے درگذرفرمائے اوران کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ان کی نیکیوں وحسنات کوقبول کرتے ہوئے ان کی درجات کو بلند فرمائے۔(آمین)

۞۞۞

حاتم جماعت

الحاج عزیز الدین خاں رحمہ اللہ نوگڈھ

ازقلم: عبدالرؤف خاں ندوی

(تاریخ وفات: ۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء)

خوش خُلق خوش مزاج ملنسار باوقار

اوصاف بے شمار کا انساں چلا گیا

الحاج عزیز الدین خاں رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے انتہائی مخلص رہنما اور اس کے بہت بڑے معاون تھے جماعتی سلسلے میں ان کے مالی ایثار کی وجہ سے لوگ انھیں حاتم جماعت کہا کرتے تھے اور یہ ان کے لئے بالکل صحیح لقب تھا سخاوت ان کی پہچان اور جودت ان کی علامت تھی جہاں اور جس وقت ضرورت پڑی حاجی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مالی خدمات حاضر کردیں اس سلسلہ میں وہ نہایت فراخ حوصلہ اور کشادہ دست تھے پچھلے چھ سات برسوں پر جب ہم ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تو کلیجہ منھ کو آجاتا ہے کہ علمائے سلف اور جماعت کے بہت سے افراد جو جماعت کے ستون تھے اور جن کا شمار جماعت کے فعال متحرک اور مخلص افراد میں ہوتا تھا وہ اپنی مثالی کارکردگی دکھا کر دنیا سے رخصت ہو گئے الحاج عزیز الدین خاں ۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء کو وفات پائے اور ان کے لڑکے آفاق احمد چرچل [1] ۲۷/دسمبر ۲۰۱۷ء کو وفات پاگئے۔ باپ اور بیٹے ایک ہی سن ۲۰۱۷ء میں وفات پائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس جو لوگ رخصت ہو گئے ہیں کوئی دوسرا ان کی جگہ کو پُر کرنے والا نظر نہیں آتا ہمارا فرض ہے کہ ہم نئی نسل کو ایسی تعلیم وتربیت دیں کہ وہ اپنے بزرگوں کی خالی جگہوں

[1] الحاج آفاق احمد رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات کے لئے راقم کی کتاب کاروانِ سلف جلد ۶ ملاحظہ فرمائیں (عبدالرؤف ندوی)

کو پُر کر سکیں، یہی امت کی تاریخ ہے اور اسی سے امتیں اور ملتیں زندہ رہتی ہیں افراد آتے ہیں اپنی خدمات اور قربانیوں سے اپنی ملت کو سر بلندی عطا کرتے ہیں پھر رخصت ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیچھے اپنی خدمات کو چھوڑ جاتے ہیں اسی کی روشنی میں باطل سے لڑنے کا ان کے خلاف ان کو جو حوصلہ ملتا ہے ان کی قربانیاں انھیں زندہ رکھتی ہیں ہاں جب خالی جگہوں کو پُر کرنے کا عزم اور ملت کے لئے سرفروشی کا جذبہ معدوم ہو جائے تو ملتیں بھی مر جاتی ہیں اور امتیں برباد ہو جاتی ہیں۔

الحاج عزیز الدین اور ان کے بیٹے آفاق احمد باپ اور بیٹے کا یکے بعد دیگرے وفات سے ضلع اور علاقہ کے عوام وخواص اور جماعت کو گہرا صدمہ پہونچا ہے باپ اور بیٹے دینی معلومات سے مزین، علم دوست اور علماء کے قدرداں تھے ان میں کتاب وسنت اور دینی تعلیم واشاعت کا گہرا جذبہ تھا باپ اور بیٹے دور اندیش معاملہ فہم مضبوط قوت ارادی اور قوت فیصلہ کے مالک تھے علاقہ کے لوگ دور دراز سے اپنے معاملات ومسائل کے تصفیہ کے لئے اور اپنے تنازعات کے حل کے لئے حاجی عزیز الدین کے پاس آیا کرتے تھے اور فریقین میں ایسا تصفیہ کرا دیتے تھے کہ دونوں فریق خوش خوش اور مطمئن ہو کر اپنے گھر واپس جاتے۔

حاجی صاحب زمیندارانہ پس منظر رکھنے کے باوجود اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ میں مسلمان ہوں اور ملک میں مسلمانوں کی تعلیمی سماجی معاشی اور سیاسی حیثیت کیا ہے؟ آزادی کے بعد مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے بارے میں الحاج عزیز الدین کو بڑی فکر دامن گیر تھی حاجی صاحب یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ موجودہ نظام تعلیم سے ہماری زبان تہذیب اور ثقافت ہمارے عقائد ونظریات کو دیومالائی تعلیم کے ذریعہ مسموم کیا جا رہا ہے ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کا ہندوستان مسلمانوں کے لئے بڑا سخت زمانہ تھا۔ جبکہ دہلی اور لکھنؤ کے کنوئیں مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گئے تھے حاجی صاحب اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آزادی کے بعد اس ملک کے مسلمان جس صورت

حال سے دوچار ہیں اس سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ غدر کے انقلاب نے صرف ان کی جانیں لی تھیں اور آزادی کا انقلاب ان کے دین وایمان کو چھین رہا ہے ایسی حالت میں گاؤں گاؤں میں علم کی شمعیں روشن کی گئیں، مکاتب و مدارس کا قیام عمل میں آیا، ہماری جماعت نے پورے ملک صوبہ ضلع میں مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیا، حاجی عزیز الدین اوران کے بیٹے حاجی آفاق احمد نے وقت اور مال کی قربانی دی انھوں نے کتنی دینی وعصری طلبہ کی فیس اپنی جیب سے ادا کی انھیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا آج کتنے طلبہ ہیں جنھوں نے غربت میں رہ کران کے سہارے تعلیم حاصل کی اور اپنا دین وایمان بھی بچایا اور باوقار منصب پر فائز رہ کر اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے اور دے رہے ہیں۔

الحاج عزیز الدین اوران کے بیٹے آفاق احمد چرچل خالق کائنات کی طرف سے مضطرب دل اور متحرک وجود لے کر اس دنیا میں آئے تھے ان کا سینہ مسلمانوں کی ہمدردی اوران کی روح انسانیت کی محبت میں بے چین رہتی تھی اور وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے معاون اور ہر مقام کے بسنے والے مظلوم مسلمان کے حامی تھے۔

الحاج عزیز الدین اور ان کے بیٹے الحاج آفاق احمد احکام شرع کے پابند ،غریبوں حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، نادار وغریب طالب علم مدارس و جامعات کے لئے آپ کا دراز ہ کھلا رہتا تھا یہ سعادت محض اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ **ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء.**

قرآن وحدیث نے راہ خدا میں خرچ کرنے کی بار بار تاکید کی ہے صدقہ و خیرات کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے کوتاہ دستی میں محرومی ہے اللہ کے نیک بندے صدقہ وخیرات کر کے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت میں سرخرو و کامیاب وکامران ہوں گے، صدقہ وخیرات کرنے والوں کو کشادہ روزی اور با فراغت رزق ہمیشہ حاصل ہوتا ہے، مال کاروبار رزق اور اولاد میں برکتیں ہوتی ہیں اور

عرصہ دراز تک ان نسلوں میں یہ اثرات موجود نظر آتے ہیں حالانکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ موت برحق ہے جس دن ڈور کٹ جائے گا سب دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور آنکھیں بند ہو جائیں گی جب لوگ یہ کہہ کر رہ جائیں گے کہ فلاں آج وفات پا گیا۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہم سب کچھ جاننے کے باوجود کس قدر غافل ہیں، عام طور سے لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ فرائض واجبات سے کتراتے ہیں، حقوق اللہ وحقوق العباد، صدقہ وخیرات، زکوٰۃ اور دینی کاموں سے منھ موڑتے ہیں غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں اور مساجد ومدارس اور دینی ومذہبی کتابوں کی اشاعت پر کچھ دینا ہو تو ان کے یہاں کوئلوں پر مہر لگ جاتی ہیں لیکن جس کام سے عزت اور شہرت ملے سماج اور سوسائٹی کی نگاہ میں جس سے وقعت بڑھے اس کے لئے تجوریوں کے منھ کھل جاتے ہیں، فضول خرچی کی دعوتوں اور بڑی بڑی پارٹیوں اور شادی و بیاہ، جہیز میں روپیہ پانی کی طرح بہادیتے ہیں جبکہ ان کا رشتہ دار پڑوسی محلّہ اور بستی کے لوگ بھوک اور افلاس سے روتے بلکتے ہیں اور غریب گھر کی لڑکیاں بلا شادی اپنی عمریں گذار دیتی ہیں۔

یادش بخیر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڈھ کا یہ پچیسواں اجلاس عام اور تقسیم ملک کے بعد پہلا اجلاس قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کے زیر صدارت بمقام نوگڈھ نزد ریلوے اسٹیشن بتاریخ ۱۶/۱۷/۱۸/۱۹/نومبر ۱۹۶۱ء ضلعی جمعیت گونڈہ وبستی کے تعاون سے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوا، اس اجلاس عام کے استقبالیہ کے صدر خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ تھے اس تاریخی ومثالی کانفرنس میں دیکھتے دیکھتے کشمیر سے لیکر آسام کی پہاڑیوں و ساحل مدراس اور ممبئی سے لے کر ہمالیہ کی چوٹیوں تک افراد جماعت دیوانہ اس آواز کی طرف بڑھتے چلے گئے، جو نوگڈھ کی فضا سے براڈ کاسٹ ہوئی تھی چند دنوں کے لئے دور افتادہ دیہاتی علاقہ اہل حدیث نگر بن گیا میدان عرفات کا نقشہ پھر گیا تھا ایک لاکھ

فرزندان توحید گوشہ گوشہ سے کھینچ کر آ گئے تھے شاید چشم فلک نے اس سرزمین پر کبھی ایسا سماں دیکھا ہو۔

الحاج جلال الدین خاں اوران کے بھائی الحاج عزیز الدین خاں اوران کے خاندان کے لوگوں نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے اخوان جماعت کے شانہ بشانہ دن رات ایک کردیا جولوگ کانفرنس میں شریک تھے انھوں نے آفاق منزل ضرور دیکھا ہوگا، کانفرنس کے لئے چند ماہ اس کوٹھی کو خالی کردیا گیا تھا کانفرنس کی تمام ضرورتیں اسی کوٹھی سے پوری ہوتی تھیں خاص بات یہ ہے کہ قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی اور معزز مہمان سفیر سعودیہ عربیہ برائے ہند یوسف فوزان کا قیام اسی آفاق منزل میں تھا۔

مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ ندوی حفظہ اللہ کی تحریر کے مطابق آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو منعقد کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کا جو حصہ تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن بعض مخلص و بے ریا لیکن نسبتاً گمنام افراد کی مساعی وجھود تاریخ کی گرد میں دب جاتی ہیں جبکہ نوگڈھ کانفرنس کے انتظامات کو خوب سے خوب تر بنانے اور ایک بےنظیر اجلاس کی شکل دینے میں قابل ذکر کردار ادا کیا اوراس کے لئے درکار ضروری سہولیات کو بڑی بے سروسامانی کے عالم میں بہم پہنچایا جس کا ایک معمولی سے قصبہ نوگڈھ و مضافات کے پسماندہ مواضعات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ان رضا کاروں اورنوجوانوں میں جن دو بھائیوں کا کردار سب سے زیادہ نمایاں تھا الحاج جلال الدین خاں اور الحاج عزیز الدین خاں پسران الحاج سکندر خاں رحمہ اللہ کی شخصیات تھیں یہ ان کا عنفوان شباب تھا اور جوانی کے جوش وجذبہ اور جماعتی تڑپ وحمیت سے یہ دونوں بھائی معمور تھے انھوں نے انتظامات کے اس پورے عرصہ میں جس جوش و

خروش ولولہ و ہمت اور جذبہ و لگن کے ساتھ شب و روز محنت کی اور انتظامات کو معیاری بنانے کے لئے نوجوانوں کی ایک ٹیم کی قیادت کی اس کے لئے وہ پوری جماعت کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں اس پورے عرصہ میں ان کا ذاتی گھر جو آفاق منزل کے نام سے مشہور ہے کانفرنس کا مرکزی دفتر بنا رہا، اس کانفرنس سے متعلق تمام بڑے فیصلے یہیں سے ہوئے اور جماعت کی عظیم شخصیات کے قیام کے لئے اس آفاق منزل کو عارضی مہمان خانہ کی حیثیت حاصل رہی اس طرح آفاق منزل نوگڈھ کانفرنس سے متعلق بیشتر انتظامی سرگرمیوں کا مرکز تھا [1]

راقم سے برادرم جناب رفیع احمد خاں نے اپنے دادا حاجی عزیز الدین پر کاروان سلف میں لکھنے کی خواہش ظاہر کی حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسی کتاب میں حاجی عزیز الدین پر ایک مفصل جامع مضمون شامل اشاعت ہے جو ہندو نیپال کے ممتاز قلمکار مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ مدیر السراج و ناظم جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نے لکھا ہے، میں نے اپنے لئے باعث سعادت سمجھ کر اور برادرم رفیع احمد خاں حفظہ اللہ کی خواہش کا خیال کرتے ہوئے قبول کیا کہ اس کار خیر میں ناچیز کی بھی شرکت ہو جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الحاج عزیز الدین اور الحاج آفاق احمد رحمہم اللہ کی دینی وملی اور قومی خدمات کا بھرپور صلہ دے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے نیز حاجی صاحب کی اولاد و احفاد رفیع احمد اور اظہار احمد کی زندگی میں خیر و برکت عطا فرمائے اور ان کے اعمال خیر کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ وسعت فرمائے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے نوازے تاکہ وہ اپنے دادا اور والد کے لئے صدقہ جاریہ بن سکیں۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

✿✿✿

[1] ماہنامہ السراج مارچ واپریل ۲۰۱۷ء

حافظ حبیب اللہ رحمہ اللہ شنکرنگر

(تاریخ وفات:۱۶؍مئی ۲۰۱۷ء)

ازقلم:ابوالعرفان عبدالمنان حفظہ اللہ

نام و نسب: حبیب اللہ بن محمد ابراہیم بن صاحب دین بن رستم

والدہ کا نام:عظیمہ

ضلع بلرام پور سے تقریباً سات کلومیٹر پورب دریائے راپتی کے دکھن ساحل پر آباد ایک مشہور ومعروف بستی موضع شنکرنگر میں ولادت ہوئی،آباء واجداد شنکرنگر کے مستقل باشندے تھے، حافظ حبیب اللہ کے والد ماجد دو بھائی تھے (۱) حاجی بدل (۲) محمد ابراہیم۔

گاؤں شنکرنگر جو آج علم وعلماء کے لئے مشہور ومعروف ہے،اس وقت تعلیم میں بہت پیچھے تھا،جس کی اہم وجہ یہ تھی کہ گاؤں میں کوئی مستقل ادارہ نہیں تھا لوگ مسجدوں میں قرآن، اردو وغیرہ پڑھتے پڑھاتے تھے، ادارے کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے ہوئے دونوں بھائیوں نے مدرسہ قائم کرنے کے لئے تقریباً ایک ایکڑ زمین وقف کردی، جس پر مدرسہ کی بنیاد ۴؍اپریل ۱۹۵۶ء کو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحبِ مرعاۃ المفاتیح کے دست مبارک سے رکھی گئی،اس طرح مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام قائم ہوا، جو آج جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکرنگر کے نام سے معروف و مشہور ہے، محمد ابراہیم مدرسہ کے صدر منتخب ہوئے، محمد ابراہیم ۱۱؍دسمبر ۱۹۸۰ء کو دو پہر ایک بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون ،اللھم اغفر لہ وارحمہ۔**

حاجی بدل کو اللہ نے ایک لڑکا بشارت اللہ اور تین لڑکیوں سے نوازا۔

بشارت اللہ کو اللہ نے سات لڑکوں اور دو لڑکیوں سے نوازا، ان کا انتقال ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۹ء کو صبح کے وقت ہوا، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

لڑکوں کے نام (۱) عبدالدیان (۲) عبدالحنان (۳) سلیم الرحمٰن (۴) بلال الرحمٰن (۵) خلیل الرحمٰن (۶) محمد سہیل (۷) محمد فضیل۔

عبدالدّیان نے پٹنہ بہار سے GUMS ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد صوبہ پنجاب میں سرکاری ملازمت اختیار کرتے ہوئے وہیں سکونت پذیر ہوئے، ریٹائر ہونے کے بعد مالیرکوٹلہ ضلع میں ۱۵ر ستمبر ۲۰۱۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا، عبدالحنان سرکاری اسپتال ضلع بلرام پور میں بابو ہو کر ریٹائر ہو چکے ہیں، بلرام پور میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں، محمد فضیل حافظ وقاری ہیں جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں شعبہ حفظ کے استاذ ہیں۔

(۲) محمد ابرہیم صدر ابراہیم کے نام سے معروف ومشہور تھے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی سے بہت اچھے اور گہرے تعلقات تھے، شیخ صاحب سے ملاقات کے لئے مبارک پور جاتے تھے محمد ابراہیم علماء کے قدر دان اور مہمان نواز تھے، گاؤں میں غربت زیادہ تھی اس لئے انھوں نے کہا تھا کہ گاؤں میں کوئی عالم مہمان آجائیں تو کھانا میرے گھر کھائیں گے صدر محمد ابراہیم کے بیان کے مطابق شیخ صاحب اتنے مہمان نواز تھے کہ خود پاخانہ میں پانی رکھ آتے پھر کہتے صدر صاحب آپ اپنی حاجت پوری کریں۔

محمد ابراہیم کو اللہ نے چار لڑکوں اور تین لڑکیوں سے نوازا، لڑکوں کے نام (۱) عبدالشکور (۲) حبیب اللہ (۳) عبدالقادر (۴) عبدالمبین ہے۔

(۱) عبدالشکور کھیتی باڑی کا کام دیکھتے تھے، کھیت زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ کے یہاں بحیثیت مزدور بہت سارے لوگ کام کرتے تھے عبدالشکور کو اللہ نے چار لڑکوں اور چار لڑکیوں سے نوازا ہے، لڑکوں کے نام (۱) عبدالمنان (۲) جمال عبدالناصر (۳)

شفیق الرحمٰن (۴) عتیق الرحمٰن۔

عبدالشکور ۱۳/ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات شام تقریبا چھ بجے داعی اجل کو لبیک کہا، **اللهم اغفر له وارحمه۔**

(۲) حافظ حبیب اللہ۔ شنکر نگر نزد بلرامپور میں پڑھ کر حافظ ہوئے، اترولہ کے پورب موضع کنڈؤ کے رہنے والے حافظ عبدالمنان صاحب جو کہ نابینا تھے صدر محمد ابراہیم کے گھر رہتے ہوئے حافظ حبیب اللہ صاحب کو پڑھاتے تھے، حفظ مکمل کرنے کے بعد حافظ حبیب اللہ صاحب مدرسہ جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے وہ شعبۂ حفظ کے استاذ تھے ان سے بے شمار مقامی و بیرونی طلباء فیض یاب ہوئے، حافظ صاحب بہت مہمان نواز تھے ان کے گھر اکثر علماء و دیگر مہمانوں کا آنا جانا رہتا تھا خصوصا مولانا عبدالمالک رحمانی صاحب (احمد آبادی) کافی دنوں تک حافظ صاحب کے گھر رہے، حافظ صاحب اچھے ذہن کے مالک تھے گویا ایک چلتے پھرتے قرآن تھے کبھی بھی کسی موقع پر قرآن کے کسی حصہ سے کوئی آیت پڑھ کر آگے پوچھا جاتا تو فوراً دوسری آیت پڑھ دیتے رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے لئے ملک کے مختلف گوشوں میں قرآن سنانے جاتے تھے حافظ صاحب کے شاگردوں میں جنات بھی تھے، جنھیں رات میں پڑھاتے تھے جس کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ آج کی طرح پہلے گھروں میں پانی کے لئے نل اور ٹنکی نہیں ہوا کرتے تھے پانی کے لئے کنوئیں کا استعمال ہوتا تھا گھروں میں گھڑی بھی نہیں ہوتی تھی جس سے رات میں صحیح وقت معلوم ہو سکے ستاروں سے رات کے اوقات کا اندازہ لگایا جاتا تھا، ایک رات حافظ جی کی بھابھی کنوئیں سے پانی بھرنے گئی تھیں کہ شاگرد جنات کا گذر ہوا انھوں نے حافظ صاحب سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ منع کر دیجئے اتنی رات میں کنوئیں پر نہ جائیں صبح ہوتے ہی حافظ صاحب نے اپنی بھابھی سے پوچھا کہ آج رات میں پانی بھرنے کب گئی تھیں جواب ملا کہ تقریباً فجر کا

وقت ہو رہا تھا حافظ صاحب نے کہا کہ نہیں آپ وقت کا اندازہ نہیں لگا سکیں، زیادہ رات میں گئی تھیں آئندہ احتیاط کریں۔

حافظ حبیب اللہ و ماسٹر عبدالقادر نیز ان کے بھتیجے ماسٹر عبدالمنان بن عبدالشکور مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے کہ ۱۹۸۰ء میں منتظمہ نے ایسے حالات پیدا کئے کہ صدر ابراہیم کے دونوں بیٹے اور پوتے ایک ساتھ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام کے تدریسی خدمات سے دستبردار ہوگئے لیکن اپنے باپ دادا کے وقف کردہ باغ و چمن کو کسی طرح آنچ نہیں آنے دیا اس کے بعد حافظ صاحب مستقل طور پر گھر پر ہی رہنے لگے کہیں ملازمت نہیں کی، ماسٹر عبدالقادر صاحب جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں بحیثیت ماسٹر انگریزی مضمون کے استاذ مقرر ہوئے نیز عبدالمنان مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، ۱۹۸۳ء میں مدرسہ سے مستعفی ہوکر ۹ رمئی ۱۹۸۳ء سے سرکاری ملازمت اختیار کیا۔ عبدالمنان خزانچی نے مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور میں ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۹ء تک مدرسہ کے صدر نیز قاری عبدالمنان اثری رحمہ اللہ کے قائم کردہ جامعہ اسلامیہ سلفیہ نہر بالا گنج، بلرامپور ۲۰۰۴ء میں ناظم کے فرائض انجام دیئے۔

حافظ حبیب اللہ صاحب ۱۶ رمئی ۲۰۱۷ء عیسوی کو تقریباً شام ۶ ربجے دارالبقاء کوچ کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ نے حافظ صاحب کو تین لڑکوں اور چھ لڑکیوں سے نوازا ہے۔

لڑکوں کے نام (۱) محمد زبیر (۲) محمد عزیز (۳) محمد صہیب

حافظ صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت طویل ہے جسے تحریر کرنا ممکن نہیں ہے چند معروف ستاروں اور نمایاں شاگردوں کے نام درج ہیں۔

قاری عبدالجلیل قاسمی صاحب رحمہ اللہ، مولانا ڈاکٹر یونس ارشد صاحب

رحمہ اللہ، ڈاکٹر فضل الرحمٰن المدنی صاحب رحمہ اللہ، حافظ عبدالحکیم فیضی صاحب رحمہ اللہ، حافظ عبداللطیف اثری حفظہ اللہ، مولانا محمد امین ایمن مدنی حفظہ اللہ، مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ، حافظ محمد ادریس صاحب سلفی حفظہ اللہ، قاری عطاء الرحمٰن سلفی رحمہ اللہ، حافظ عتیق الرحمٰن طیبی صاحب، حافظ محمد الیاس کاتب صاحب، مولانا عظمت اللہ صاحب جلیلی رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) ماسٹر عبدالقادر صاحب نے بلرام پور DAV نیز MPP انٹر کالج سے تعلیم حاصل کی سرکاری ملازمت بھی حاصل ہوئی، لیکن سرکاری نوکری انھیں راس نہ آئی، نوکری چھوڑ کر گھر چلے آئے بعد میں مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام میں پرائمری کے علاوہ جونیر ہائی اسکول کے درجات بھی قائم ہوئے دونوں شعبوں میں صدر مدرس کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ۳۰/جون ۱۹۸۹ء سے ۱۱/نومبر ۲۰۰۳ء تک جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر کے ناظم کی ذمہ داری بھی سنبھالی نیز جامعہ اسلامیہ سلفیہ نہر بالا گنج بلرامپور کے رکن خاص تھے ماسٹر عبدالقادر صاحب کے حالات کاروان سلف حصہ سوم از مولانا عبدالرؤف ندوی میں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں ماسٹر صاحب کو والی بال کھیلنے اور بندوق سے شکار کرنے کا بڑا شوق تھا انھوں نے ۱۴/اگست ۲۰۰۸ء کو صبح تقریباً سات بجے داعی اجل کو لبیک کہا، ماسٹر صاحب کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

لڑکوں کے نام (۱) عبدالعلیم (۲) عبدالعظیم ہے۔

عبدالعلیم نے جامعہ اثریہ مئو سے فراغت حاصل کی ہے، عبدالعظیم سرکاری جونیر ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

(۴) ماسٹر عبدالمبین نے بلرام پور MPP انٹر کالج سے تعلیم حاصل کر کے سرکاری

پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو کر ریٹائر ہوئے جو با حیات ہیں ، اور جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر کے نائب صدر ہیں ان کے تینوں بھائی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے ، اللہ نے ان کو دو لڑکوں اور ایک لڑکی سے نوازا ہے، لڑکوں کے نام (۱) عبدالمتین (۲) عبدالمعین

حافظ رحمہ اللہ کے خاندان کے موجودہ چشم و چراغ:

ماسٹر محمد سہیل، قاری محمد فضیل عرفانی، ڈاکٹر انوار انجم، محمد اکمل، ماسٹر محمد طارق، ماسٹر محمد فیضان، قاری محمد شارق عرفانی، حافظ مولانا عمار فضیل محمدی، محمد تمیم نے مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم بی اے کیا ہے، عبدالمنان خزانچی CASHIER عرفان، صادق، ماسٹر عبدالعظیم، حافظ و مولانا محمد ارشد محمدی، محمد راشد BBA محمد عاطف BA ماسٹر عبدالمتین، حافظ عبدالمعید نے BHU بنارس سیاسیات میں گریجویشن کیا ہے، یونیوسٹی آف حیدرآباد سے پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد دیگنا نا یونیورسٹی حیدرآباد میں تین سال لیکچرر رہے، فی الحال مولانا آزاد اردو یونیورسٹی سے سیاسیات میں PHD کر رہے ہیں۔

عبدالمقیت نے عربی زبان میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے گریجویشن کیا اس کے بعد MBA کی تعلیم حاصل کی اسی طرح ان کے بھائی محمد حامد نے جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت حاصل کی نیز عبدالودود گریجویشن کے بعد MBA کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں محمد سعود، محمد شاداب، عدنان انجم (کناڈا میں) محمد صائم گریجویشن کے بعد انگلش سے MA کر رہے ہیں، محمد دائم وغیرہ زیر تعلیم ہیں اللہ انھیں علم کی دولت سے نوازے۔

الحمد للہ سب کا تعلیمی سفر جاری ہے، نیز مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں جو اسی

خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ سب کو نیک اور صالح بنائے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز مرحومین کے حسنات کو قبول فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

اللہ عطا کر ایماں تو منظور رضا بس تیری ہے
تو راہنما ہے عزت دے بس ایک تمنا میری ہے

ناچیز
ابوالعرفان عبدالمنان
۱۰/۱۰/اکتوبر ۲۰۲۱ء

ڈاکٹر عبدالدیان صاحب رحمہ اللہ شنکر نگر

(تاریخ وفات: ۱۵ر ستمبر ۲۰۱۸ء)

از قلم: ابوالعرفان عبدالمنان حفظہ اللہ

نام و نسب: عبدالدیان بن بشارت اللہ بن حاجی بدل بن صاحب دین بن رستم

مقام پیدائش و تاریخ پیدائش: ضلع بلرام پور کے عظیم و معروف بستی شنکر نگر میں ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: تعلیم گاؤں کے مدرسہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر میں درجہ پنجم تک حاصل کی اس کے بعد عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اتر پردیش کے مشہور جامعہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا، لیکن مئو سے عربی تعلیم چھوڑ کر چلے آئے، اور سرکاری انگریزی تعلیم کا رخ کیا۔ پہلے جونیر ہائی اسکول سسئی میں درجہ سات میں داخلہ ہوا۔ درجہ آٹھ میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد ایم پی پی (MPP) انٹر کالج بلرام پور میں تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۹ء میں سرکاری طبیہ کالج پٹنہ سے جی یو ایم ایس (G.U.M.S.) کی ڈگری حاصل کی، اس وقت گاؤں شنکر نگر میں ان کے ساتھ ہی تعلیم حاصل کرنے والے سند یافتہ ڈاکٹر عظمت اللہ رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالدیان صاحب رحمہ اللہ پہلے پہل دونوں لوگ ایک ساتھ ڈاکٹر ہوئے، ڈاکٹر عبدالدیان صاحب کی شادی ضلع بستی (سدھارتھ نگر) کے مشہور گاؤں بیت نار میں ہوئی تھی، ڈاکٹر ہونے کے بعد بیت نار میں مطب شروع کیا۔ ضلع گونڈہ کے مچھلی گاؤں میں بھی مطب قائم کیا، ۱۹۷۸ء میں صوبہ پنجاب کے ہمدرد ایجنسی پر بطور معالج کام کیا، ۱۹۸۰ء میں یونانی میڈیکل افسر کے عہدہ پر لاڈ

بنجارہ اور اس کے بعد ۱۹۸۵ء سے جھمٹ لدھیانہ میں میڈیکل افسر کے فرائض انجام دیئے۔اسی بیچ مالیر کوٹلہ پنجاب کے لوگوں سے رابطہ قائم ہوا وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ڈاکٹر صاحب جب کبھی مادر وطن اپنے گاؤں شنکر نگر آتے تو گاؤں کے لوگ علاج و معالجہ کے سلسلے میں ان سے رجوع کرتے ،تو ڈاکٹر صاحب بڑی خوش دلی و خندہ پیشانی سے ملتے اور دواؤں کے نسخے لکھتے ،اسی طرح آمد و رفت اور ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا لوگ ان سے فیضیاب ہوتے۔

مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور بلرام پور سے ماہ نامہ الفلاح شائع ہوتا تھا،جس میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے ،ڈاکٹر صاحب نے ذاتی طور پر پنجاب کے لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی اسی دوران جماعت اسلامی پنجاب کے اس وقت کے امیر مولانا عبدالرؤف صاحب سے ملاقات ہوئی ان سے پنجابی زبان میں ترجمہ کی ہوئی کچھ اسلامی کتابیں حاصل کر کے وہاں کے مسلمانوں میں پہنچانے کی کوشش کی۔بہت سارے لوگوں نے قرآن مجید اور اردو بھی پڑھا،۹۲-۱۹۹۱ء میں مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب کی طرف سے قائم معہد ثناء اللہ امرتسری کے لئے بھی کام کرنے کا موقع ملا۔صوبہ پنجاب جمعیت اہل حدیث کے ناظم نیز امیر کے فرائض بھی انجام دیئے۔ڈاکٹر صاحب بہت ہی محنت و لگن اور دلچسپی سے اصلاحی و سماجی کام کئے الحمد للہ ان کی کوششوں سے سلفی عقیدے کو کافی تقویت حاصل ہوئی لوگوں میں دینی بیداری آئی ،مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق ناظم مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ نیز امیر مرکزی جماعت مولانا اصغر علی صاحب سلفی سے بہت اچھے اور خوش گوار تعلقات تھے، مارچ ۲۰۱۱ء میں میڈیکل افسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے،اس کے بعد اپنی شریک حیات کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی ،ڈاکٹر صاحب نے پنجابی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کے سعودی حکومت کی جانب سے انعام سے بھی نوازے گئے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ان کے حسنات کو قبول فرما کر ان کی بخشش ونجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ **اللهم اغفر له وارحمه**

ڈاکٹر صاحب کو اللہ نے دولڑکوں اور ایک لڑکی سے نوازا ہے، بڑے لڑکے انوارانجم ڈاکٹر ہیں اور چھوٹے لڑکے محمد اکمل سی ایم او (C.M.O.) آفس میں کمپیوٹر آپریٹر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا بڑا پوتا عدنان انجم بن ڈاکٹر انوارانجم کناڈا میں تعلیم حاصل کررہا ہے۔ اللہ ان سب کو دین پر قائم رکھے اور ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین تقبل یا رب العالمین۔

ناچیز
ابوالعرفان عبدالمنان
شنکرنگر

مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ

(تاریخ وفات: ۲۵/اپریل ۲۰۲۰ء)

ازقلم: ڈاکٹر سعید احمد فیضی رحفظہ اللہ

نام و نسب: فضل الرحمٰن ابن حبیب الرحمٰن بن مولانا صدیق حسن ابن مولانا بخش اللہ ابن شکر اللہ۔

آبائی وطن: مولانا کے جد امجد شکر اللہ ۱۸۵۷ء کی غدر کے بعد اتر پردیش سے مالیگاؤں آ کر بس گئے تھے۔ اتر پردیش میں آپ کے جد امجد سابق ضلع بستی، خلیل آباد اسٹیشن ہری ہر گاؤں کے رہنے والے تھے۔

ولادت: یکم جون ۱۹۶۲ء کو مالیگاؤں میں آپ کی ولادت ہوئی۔

خاندانی پس منظر: آپ دودھیال: دادا مولانا صدیق حسن ڈھابیل کے مدرسے سے فارغ التحصیل تھے۔

دادی: فیضی خدیجہ بنت عبدالستار تھیں، دادی کا تعلق اہل حدیث خاندان سے تھا۔

آپ کا ننھیال: نانا محمد سلیمان خلش اور والدہ کا نام محمودہ تھا۔

آپ کا سسرال: محمد اکبر چودھری آپ کے سسر تھے اور بیوی کا نام شکیلہ ہے۔

تعلیم و تربیت: آپ نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی تربیت اپنی دادی والدہ اور نانا سے حاصل کی، چونکہ یہ سب اہل حدیث تھے اس لئے آپ کی پرورش اہل حدیث گھرانے میں ہوئی۔

مکتب کی تعلیم: آپ نے مکتب کی تعلیم اپنے دادا صدیق حسن سے حاصل کی۔

اسکول کی تعلیم: میونسپل اسکول نمبر ۲۱ میں پہلی سے ساتویں تک تعلیم حاصل

کرنے کے بعد تہذیب ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت پاس کی۔

عالمیت اور فضیلت کی تعلیم: مالیگاؤں کی سرزمین پر واقع مدرسہ محمدیہ، گولڈن نگر میں ۱۹۷۶ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۸ء تک جب تک مدرسہ رہا تعلیم حاصل کی اور جب مدرسہ گرنا ندی کے بائیں جانب منتقل ہوا تو آپ بھی اسی جگہ منتقل ہو گئے اس طرح آپ کی تعلیم ۱۹۷۸ء سے جامعہ محمدیہ منصورہ میں شروع ہوئی۔

جامعہ محمدیہ سے ۱۹۸۷ء میں فضیلت کی سند حاصل کی مولانا ہی کی زبانی کہ فراغت کے وقت آپ مالیگاؤں اکیلے طالب علم تھے۔ فراغت کے وقت آپ کی عمر ۲۵ رسال تھی۔

نکاح: ۲۰ رجون ۱۹۹۳ء کو آپ نکاح کے بندھن میں بندھ گئے۔

منصورہ سے فراغت کے بعد کی زندگی: منصورہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ بطور لائبریرین مقرر کر لئے گئے اور تین سال تک ملازمت کرتے رہے۔

۱۹۹۴ء میں جمعیت اہل حدیث کے آفس انچارج اور داعی مبلغ مقرر ہوئے اور تاوفات جماعت اور جمعیت کی تمام سرگرمیوں سے مربوط رہے۔

دعوت و تبلیغ کا آغاز: دعوت وتبلیغ کا آغاز آپ کے تعلیمی دور سے ہی شروع ہو چکا تھا آپ خطبہ جمعہ کے لئے ایولہ جایا کرتے تھے بسا اوقات سائیکل پر ہی مالیگاؤں سے ایولہ چلے جاتے تھے، ۱۹۹۰ء کی بات ہے کہ ایولہ جمعیت کے احباب جماعت ڈاکٹر سعید احمد فیضی کے پاس آئے اور اپنے یہاں مسجد میں خطبات جمعہ کے لئے تقرری کی بات کی اس موقع پر ڈاکٹر سعید احمد فیضی نے مولانا فضل الرحمٰن محمدی کو ایولہ ہر ہفتہ خطبہ جمعہ کے لئے بات کی اس کے بعد سے مسلسل آپ تین سال تک وہاں خطبات کے لئے جاتے رہے۔

۱۹۹۴ء میں صوبائی جمعیت کے داعی ومبلغ مقرر ہو جانے کے بعد آپ کی دینی نشاطات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ آپ کے دعوت وتبلیغ کے دورے مہاراشٹر میں ہونے لگے،

آپ اس موقع پر جب کہ راستے خراب تھے سفر کرنا دشوار تھا ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۵ء میں پورے مہاراشٹر کے دو دورے کئے ایک دورہ عبدالقیوم سکریٹری کے ساتھ اور دوسرا دورہ مولانا محمد یوسف عمری کے ساتھ ۱۹۹۵ء کے دورے میں مہاراشٹر جمعیت کی تشکیل کے لئے دورہ ہوا۔

جب سے آپ جماعت و جمعیت سے منسلک ہوئے اس وقت سے ہی ناظم اعلیٰ کے تمام کام انجام دینے لگے گرچہ کہ آپ ناظم اعلیٰ نہیں تھے۔

اخبار اسلاف کے ایڈیٹر:

۳/مارچ ۱۹۹۶ء میں اخبار اسلاف کا اجراء ہوا تو اخبار کے ایڈیٹر آپ ہی کو بنایا گیا، مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ ۲۲/سال اس اخبار کو جاری رکھنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔(اخبار اسلاف ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۷ء تک جاری رہا۔

نائب ناظم اعلیٰ کا عہدہ:

۲۰۰۱ء میں آپ کو مہاراشٹر جمعیت کی عاملہ وشوریٰ نے باتفاق رائے نائب ناظم اعلیٰ کے منصب کے لئے منتخب کیا اس کے بعد آپ میں دینی تحریکات ونشاطات کا اضافہ ہوگیا، جیسے صوبہ کی اکائیوں میں اجتماعات کروانا مسلسل جمعہ کے خطبات کے لئے صوبہ کی اکائیوں میں سفر کرنا، مالیگاؤں کی سرزمین پر ہونے والے مجلس شوریٰ وارا کین کو مدعو کرنا اوران سب کا تحریری ریکارڈ تیار کرنا آپ کی زندگی کے رات ودن کے معمولات میں شامل ہو چکا تھا اور یہ سب کام آپ کی وفات تک جاری رہیں۔

ناظم اعلیٰ کا عہدہ:

۲۰۱۶ء کے نئے انتخابات میں آپ کو ناظم اعلیٰ کا عہدہ سونپا گیا، آپ نے اپنی وفات یکم رمضان ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۵/اپریل ۲۰۲۰ء تک اسی عہدے پر فائز تھے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ کی جمعیت کی سرگرمیوں میں عہدوں کی وجہ سے کوئی کمی نہیں آئی۔

۱۹۹۴ء سے ۲۰۲۰ء اپنی وفات تک آپ کی پنج سالہ وسالانہ رپورٹ تیار ہیں، اپنی وفات کے چند روز ہی قبل تیار کر چکے تھے۔

جماعتی کام کرنے میں مولانا کا اہم وصف یہ تھا آپ جماعت وجمعیت کے تعلق سے بڑے مخلص تھے اپنے امیر ڈاکٹر سعید احمد فیضی حفظہ اللہ کا بے حد احترام کرتے تھے امیر محترم کے رائے ، مشورے کا پورا پورا پاس لحاظ کرتے تھے اگر آپ کو کچھ رائے مشورے دینا ہوتا تو روبرو کہہ کر مسئلہ کو واضح کر دیتے تھے پیٹھ پیچھے خنجر گھوپنے سے کوسوں دور تھے، اسی ایک صفت کی وجہ سے جماعت و جمعیت میں منافقانہ رویہ اختیار کرنے والے آپ سے بغض وحسد کرتے تھے اور انہیں اپنے راستے کا کانٹا سمجھتے تھے لیکن مولانا رحمہ اللہ نے اس کی بالکل کبھی پرواہ نہ کی۔

آخری بات یہ ہے کہ آپ کئی سالوں سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے۔ ایک مرتبہ دل کا دورہ پڑ چکا تھا لیکن ان بیماریوں کے باوجود آپ جماعت و جمعیت کے کام برابر کرتے رہے۔ یکم رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ سے ایک ہفتہ قبل آپ کی طبیعت خراب ہوگئی اور مسلسل بیماری بڑھتی ہی گئی۔

وفات: رمضان المبارک کے تین روز قبل آپ کی طبیعت بہت ہی زیادہ ناساز ہوگئی ان کے اولاد کئی ڈاکٹروں کے پاس علاج کی غرض سے لے کر گئے لیکن مشیت الٰہی غالب آئی اور ہر ڈاکٹر کے یہاں سے واپس ہوئے ، رمضان المبارک کی چاند رات گھر ہی پر بڑی بے چینی سے یکم رمضان فجر کے وقت آپ کی روح پرواز ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون .

آپ کی وفات کی خبر بڑی تیزی سے پورے مہاراشٹر میں پھیل گئی، کسی کو یقین نہیں آرہا تھا، احباب جماعت سے فون پر رابطہ کر کے خبر کی تصدیق کی تب یقین آیا۔ پورے مہاراشٹر میں آپ کی وفات پر دکھ وتکلیف کا اظہار کیا گیا ، اور مہاراشٹر کی

جماعت غم واندوہ میں ڈوب گئی۔ اللہ مولانا محترم کی مغفرت فرمائے اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے، عذاب قبر سے محفوظ رکھے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آپ کی اہلیہ اور اولاد کو بہترین صدقہ جاریہ بنائے آمین۔ مولانا فضل الرحمٰن محمدی کے پسماندگان میں بیوی، چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔

۱۔عکرمہ مجاہد زوجہ مبشرہ بنت لئیق احمد	۲۔حذیفہ معاذ
۳۔محمد حنظلہ	۴۔ثمامہ اقبال

بیـــوی : شکیلہ بنت اکبر چوودھری، سرکاری گورنمنٹ ٹیچر ہیں، مالیگاؤں میں سوئیں اسکول میں تدریسی خدمات انجام دیتی ہیں۔

استـــدراک: کسی بھی تنظیم کو متحرک کرنے اور اس کے پیغام کو قریہ قریہ عام کرنے اور تنظیم کی شاخیں قائم کرنے والے ایسے افراد ہوتے ہیں جو کہ اخلاص کے ساتھ کسی عہدے کی اور نام ونمود کی تمنا کئے بغیر صرف اللہ کے لئے ہر طرح کی قربانی دے کر اسے پروان چڑھاتے ہیں۔ وہ اس بات سے بے پرواہ ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی پذیرائی کررہا ہے یا نہیں؟

مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ کی بھی ایسا ہی نابغہ روزگار شخصیت تھی کہ جنھوں نے ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر سے آج تک یعنی تیس برسوں سے زیادہ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے ایک ادنی اور مستعد خادم کی حیثیت سے اعلائے کلمۃ اللہ کے اپنے فرائض اور اپنے علم کا حق ادا کیا۔

صوبہ مہاراشٹر میں اہل حدیث مدارس نہ ہونے پر علمائے اہل حدیث کا قحط الرجال تھا، اور جماعت کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ غیور اہل حدیث اپنی اپنی جگہوں پر اپنی سی کوشش کرتے رہے، والد محترم سیٹھ محمد خلیل رحمہ اللہ بھی دیگر اعیان جماعت کے ساتھ بڑی کوششیں کی۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر قائم کی گئی اور وقتاً فوقتاً آل

مہاراشٹر میٹنگیں بھی ہوتی رہیں اور صوبائی سطح کے اجلاس بھی ہوتے رہے۔ لیکن جماعت پر ایک جمود طاری رہا، جماعت کو متحرک کرنے کی کوششیں اتنی بارآور نہیں ہوئیں ،جیسا کہ ہمارے اکابر چاہتے تھے۔

اتر پردیش سے نقل مکانی کر کے آئے ہوئے علماء نے اپنے ذاتی کاروبار سے منسلک ہو کر اپنے آپ کو صرف مقامی مساجد میں خطبہ جمعہ تک محدود کر لیا تھا۔ والد محترم کے زمانے میں اور ان کے بعد کے کچھ برسوں تک فیضی عبدالقیوم صاحب نے بڑی محنت اور مشکل اسفار کی صعوبتیں برداشت کر کے جو چند جماعتیں تھیں انہیں رابطے میں رکھنے کا کام انجام دیا۔ اور بلا معاوضہ اپنی خدمات کو فرض عین سمجھتے ہوئے ادا کیا۔

جامعہ محمدیہ منصورہ سے فراغت کے بعد مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ جماعت سے منسلک ہوئے اور زائد از تیس سال انھوں نے اخلاص سے اور ہر طرح کی قربانی دے کر جماعت کو متحرک کرنے کا کارنامہ انجام دیا، اور یہ موقع ہے کہ ان کی ہمہ جہت کارکردگی کا تذکرہ کر کے تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر دیا جائے ان کے حاسدین اور مخالفین بھی کچھ کم نہ تھے کہ جو ان کی محنتوں کو اپنی جھولی میں ڈالنے میں ذرا بھی اللہ کا ڈر نہیں محسوس کرتے تھے۔

۱۔ **خطبات جمعہ** : شاذ و نادر ہی خطبۂ جمعہ دینے سے محروم رہتے تھے، وگرنہ مالیگاؤں اور مہاراشٹر کی بیشتر مساجد اہل حدیث میں خطبۂ جمعہ کے لئے لمبے لمبے سفر کی صعوبتیں بخوشی برداشت کر کے اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔ کہ جماعت میں بیداری پیدا ہو، اور ساتھ ہی ساتھ جماعت کے حالات اور جماعت کی تنظیم کے مسائل پر گفتگو کر کے انھیں حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۲۔ **دعوتی و تبلیغی اسفار** :صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی شاید ہی کوئی اکائی اور جمعیت ہو جہاں وہ بغرض خطبۂ جمعہ اور جمعیت کی تنظیم کے لئے سفر نہ کیا ہو۔ اور

ان کے یہاں اجلاس اور پروگرام کرنے میں ان کی رہنمائی نہ کی ہو، جب کہ ان کے شروعات کے دنوں میں آج کل کے جیسے سفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔

۳۔مقامی جمعیات کے انتخاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اور صوبائی مجلس شوریٰ کے قیام میں ان کی رہنمائی کرنا اور صوبائی انتخابی میٹنگ کا انعقاد کرنا۔

۴۔صوبائی سطح کے اجلاس اور کانفرنسوں کا انعقاد کرنا اور اس کے لئے پورے صوبے کا دورہ کرکے لوگوں میں جوش پیدا کرنا،عوام اور علمائے کرام کی حاضری کو یقینی بنانا، پوسٹرس وغیرہ اور خصوصی دعوت نامے پورے مہاراشٹر میں روانہ کرنا اراکین شوریٰ اور جماعت کی مقتدر شخصیات سے رابطہ میں رہنا، اسٹیج Managementاور علماء کی ترتیب کا نظم کرنا، بعدہٗ اجلاس کی رپورٹ تیار کرنا اور اخبارات میں عام کرنا۔

۵۔منہج سلف کی ترویج واشاعت کے لئے پندرہ روزہ اخبار اسلاف جاری کرنا۔

۶۔فقہی مسائل کے حل کے لئے مجلس علماء اہل حدیث کا قیام کیا گیا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی پہلے صدر اور مولانا فضل الرحمٰن محمدی پہلے ناظم منتخب کئے گئے۔

۷۔ائمہ اور دعاۃ کے لئے تربیتی پروگرام کا انعقاد۔

۸۔دارالقضاء کے لئے میٹنگ کا انعقاد کرنا۔

۹۔آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی شوریٰ کی میٹنگوں میں جماعت کی نمائندگی کرنا۔

۱۰۔کل جماعتی تنظیم مالیگاؤں کی سرگرمیوں میں مشغول رہنا اور اس کے لئے ترجمان اور Statesman کی ذمہ داری نبھانا، بم بلاسٹ میں پھنسائے گئے اشخاص کی مدد کے لئے کل جماعتی وفود میں شریک رہنا، علاوہ دیگر ملی تنظیموں کے پروگرام میں جماعت کی نمائندگی کرنا۔

۱۱۔تفسیر احسن البیان اردو سے مراٹھی ترجمہ میں راقم (ڈاکٹر سعید احمد فیضی) اور رشید پٹھان سر کے ساتھ کم وبیش تین سال تک باقاعدگی سے اس کی جانچ اور تصحیح کا کام انجام

دینا۔

۱۲۔مہاراشٹر کی مقامی جمعیات کے پروگرامس کی ترتیب اور انعقاد، گائڈنس اور بذات خود شریک ہوکر کامیابی سے ہمکنار کرنا، اور مہاراشٹر کے باہر پروگراموں میں بھی نمائندگی کرنا۔

۱۳۔دہلی میں منعقد پروگرام، خاص طور سے تدریب کے پروگرامس میں شرکت اور بعض اوقات نظامت کے فرائض انجام دینا۔

۱۴۔مصیبت اور آفات کے ہنگامی مواقع پر مہاراشٹر سے ریلیف جمع کرنے کی مہم انجام دینا اور ریلیف متاثرہ علاقوں تک پہنچانا۔

۱۵۔ملک بھر سے آنے والے مدارس ومساجد کے سفراء کے لئے توصیات جاری کرنا۔

۱۶۔بیت المال کے فنڈ کے لئے مہاراشٹر میں ماہ رمضان میں دورے کرنا۔

اور کیا کیا یاد کیا جائے اور کیا کیا لکھا جائے، ان کی پوری جماعتی زندگی ایثار و قربانی سے عبارت ہے۔اور انہیں جماعت اہل حدیث کا معمار نہ کہا جائے تو یہ ان کے حق میں ناانصافی ہوگی یہ ضرور ہے کہ دیگر ارکان جماعت ونوجوانان اہل حدیث ان کے شانہ بشانہ رہے اور انہیں سیٹھ محمد خلیل فیضی خاندان کی سرپرستی حاصل رہی۔

ان کو جماعت میں ایک عزت اور ایک مقام حاصل تھا، پوری جماعت اہل حدیث مہاراشٹر ان سے واقف ہے، مگر جہاں اتنی محبت اور کام ہوتا ہے ثمر آور درخت پر پتھر مارنے والے بھی رہتے ہی ہیں، میں نے جو سرخی لگائی ہے The Unsung Hero کہ وہ ان پر صادق آتی ہے کہ ان حاسدین خوش نوا کی بدخواہی نے بہت سے اہل حدیث افراد کو ان سے بدظن کئے رکھا، اور ان کی خدمات کا وہ اعتراف نہیں ہوا۔اور وہ پذیرائی نہیں ہوئی جو کہ ان کا حق تھا۔یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ان کے لئے رہا کہ انہیں صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے ناظم اعلیٰ کا عہدہ ملا، شروع دنوں کے پریشان کن حالات کے بعد عام

اہل حدیث عوام کو حقائق کا پتہ چلا، اور جمعیت پھر سے متحد ہو کر اپنی نشاطات کی طرف سر گرم ہوگئی، مگر یہ اللہ کی مشیت ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ ہم سے جدا ہو گئے اور ہم ایک ایسے امتحان میں ڈال دیئے گئے کہ مولانا فضل الرحمٰن محمدی رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چل کر جماعت کو صحیح راہ پر لگا کر اپنے فرائض امر ونواہی کو ادا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ غفور الرحیم سے دعا ہے کہ ان کے سیئات کو حسنات سے بدل دے اور ان کے حسنات کو قبولیت عطا فرما کر ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب القبر سے بچائے اور عذاب النار سے بچائے انہیں انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جمع کرے۔ ان کے ورثہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انہیں بھی ان کی طرح دین کا کام ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔

اور آخر میں یہ کہ ان کے ساتھ کام کرنے میں ان سے معاملات میں ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

والسلام

(ڈاکٹر) سعید احمد فیضی

۸/۱ اکتوبر ۲۰۲۱ء بروز جمعہ

۞۞۞

مختصر حالات زندگی

ڈاکٹر محمد ایوب صاحب

(بشن پور ٹنٹنواں پچپڑوا)

(تاریخ وفات: ۹/دسمبر ۲۰۲۰ء)

نام و نسب: محمد ایوب بن محمد رفیق بن محمد حنیف بن نرہو بن قائم

پیدائش:

۱۹۷۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی اور ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مکتب میں حاصل کی بعد ازاں مڈل اسکول میں داخلہ لیا اور مڈل تک ہی اسکولی تعلیم لی، لیکن خارجی مطالعہ کا انتہائی ستھرا ذوق رکھتے تھے، چنانچہ کتابوں کے مطالعہ مسلسل کرتے رہے جس کی وجہ سے دینی و دنیاوی علوم میں گہرائی پیدا کر لی، مرحوم کے اساتذہ میں ماسٹر عبدالعزیز مرحوم ماسٹر جمیل احمد مرحوم شامل ہیں۔

ممبئی کو اپنا مسکن بنایا اور اخبار سے وابستہ ہوئے، اس وقت کے معروف اردو اخبار راشٹریہ سہارا ممبئی میں ایک مدت تک نامہ نگاری اور کالم نگاری کا فریضہ انجام دیتے رہے، اخباری وابستگی کی وجہ سے مرحوم میں سیاسی ذوق پیدا ہو گیا، چنانچہ ممبئی سے وطن واپسی کے بعد مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہوئے آخری ایام میں آپ مشہور سیاسی جماعت کانگریس کے بلاک صدر کے عہدے پر فائز تھے۔

مرحوم عمدہ مقرر تھے، زبان و بیان میں جادو اور سحر تھا اس لئے مختلف موقعوں پر سیاسی جماعتوں کے اسٹیج پر نمایاں مقام ملتا رہا۔

ڈاکٹر محمد ایوب مرحوم دینی اعتبار سے سلفی منہج رکھتے تھے پورا علاقہ اور گاؤں غالی بدعتیوں کا ہے باوجود اس کے ڈاکٹر صاحب کتاب و سنت کی شمع روشن رکھے ہوئے تھے۔

آپ کا عزم وحوصلہ مثالی تھا۔

۱۹۹۶ء میں موصوف کائنات بیگم سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گذاری۔

وفات:

مرحوم نے اپنے عمر کی اڑتالیس بہاریں ہی دیکھی تھی کہ پیغام اجل آپہونچا، مختصر علالت کے بعد ۹/دسمبر ۲۰۲۰ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، لکھنؤ میڈیکل کالج میں شام ۴/بجے انتقال ہوا، اور دوسرے دن آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔ علاقے کے موحدین کی ایک بڑی جماعت نے نماز جنازہ ادا کی۔ انا لله وانا اليه راجعون.

عطاء اللہ سلفی

منکاپور

✿✿✿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے احوال واقعی

ازقلم: فضیلۃ الدکتور الشیخ سید سعید عابدی ازہری رحفظہ اللہ

(تاریخ پیدائش: ۱۹۴۰ء)

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں — بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں
اس خانۂ ہستی سے گذر جاؤں گا بےلوث — سایہ ہوں فقط نقش بہ دیوار نہیں ہوں
وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے — الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں

(اکبرالہ آبادی)

کوئی ۵۸ ربرس وطن سے دور مصری دارالحکومت قاہرہ اور سعودی شہر جدہ میں گذارنے کے بعد، جب میں نے بدرجہ مجبوری وطن واپسی کا ارادہ کیا، تو ایک انجانا سا خوف دل میں ابھرنے لگا، کیونکہ والدین اور بھائی بہنوں میں سے سب اس دار فانی سے دار بقا کوچ کر چکے تھے اور یہاں ایسا کوئی باقی نہیں بچا تھا، جو میری نظر اور خیال میں میرا بوجھ اٹھا سکے، مگر واپسی بھی ضروری تھی، اس لئے کہ سعودی ریڈیو کے شعبۂ اردو میں بحیثیت مترجم، مقرر اور اناؤنسر ۴۷ ربرس کام کرنے کے بعد ملازمت سے سبکدوش (RETIRED) ہو چکا تھا اور سعودی قانون کے مطابق وہاں مجھے قیام کرنے کا کوئی معمولی سا بھی حق نہیں رہ گیا تھا، بلکہ میں وہاں کے معاشرہ میں اسی طرح اجنبی بن چکا تھا، جس طرح وہاں کی سرزمین میں پہلا قدم رکھنے کے دن اجنبی تھا، موقع کی مناسبت سے یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''عرب قومیت'' کا جاہلی نعرہ لگایا تو مصری صدر جمال عبدالناصر نے تھا لیکن اس پر عمل سب سے زیادہ سرزمین اسلام میں ہو رہا تھا، اور اس ملک میں جہاں سے یہ ''ملعون'' نعرہ بلند ہوا تھا وہاں اس کا معمولی

سا بھی اثر نہیں تھا اور سرکاری اور عوامی کسی بھی سطح پر غیر ملکی طلباء کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا، مجھے نہیں یاد ہے کہ قاہرہ میں اپنے دس سالہ قیام کے دوران کبھی بھی اور کسی ایک جگہ بھی مجھ سے شناختی کارڈ یا پروانۂ اقامت (RESIDENTIAL PERMISSION) مانگا گیا ہو، اور جب تک مصری شہریوں کا سعودی عرب اور خلیج کے ملکوں سے زیادہ ربط وضبط نہیں ہوا تھا، مصری باشندے غیر ملکیوں، خاص طور پر برصغیر کے طلباؑ کو عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھتے رہے، لیکن جب ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد پٹرول کے نرخ میں غیر معمولی اضافہ کے نتیجے میں سعودی عرب اور خلیج کے دوسرے ملکوں میں تعمیر وترقی کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا اور مصری شہریوں نے بسلسلۂ روزگار بڑی تعداد میں ان ملکوں کا رخ کیا اور برصغیر کے مقیم باشندوں کے ساتھ ان ملکوں میں امتیازی سلوک کا مشاہدہ کیا تو غیروں کے ساتھ ان کا حسن سلوک بداخلاقی اور تحقیر وتذلیل میں تبدیل ہو گیا، جس میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

سعودی عرب میں مزید قیام میں دوسری بڑی رکاوٹ یہ آن پڑی تھی کہ رفیقۂ حیات میرا ساتھ چھوڑ کر اپنے خالق کے پاس جا چکی تھیں اور بچوں میں ایک کے سوا دوسرے سعودی عرب سے باہر مختلف ملکوں میں بسلسلۂ روزگار مقیم تھے اور تعطیلات میں بھی مجھ سے ملاقات کی غرض سے ان کا سعودی عرب آنا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ سعودی عرب میں آنے کے لئے ویزے کا حصول بڑا پُر مشقت اور گراں بار تھا، ان کے پاس جانا تو آسان تھا مگر اس طرح میں کتابوں اور لکھنے پڑھنے سے محروم ہو جاتا، جس کا متحمل میں کسی بھی صورت میں نہیں ہو سکتا تھا، چار و ناچار، دوست احباب کے مشوروں سے یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ وطن واپس آجاؤں، مگر سوال یہ تھا کہ میرے بھتیجوں اور بھانجوں میں کون ایسے بوڑھے کو اپنے پاس رکھنے پر تیار ہوگا، جس کے پاس اگر کوئی سرمایہ ہے تو صرف کتابوں کا سرمایہ ہے، رہا سیم وزر تو اس سے بالکل تہی دست ہوں، یہ صحیح ہے کہ میرے

بھتیجوں اور بھانجوں میں ایک ذات ایسی بھی ہے کہ جس کو میری ذات سے محبت ہے میری جیب سے نہیں، اور خود میرے دل کی گہرائیوں میں اس کی جگہ ہے اور وہ ذات میرے عزیز ترین بھانجے عزیزی طفیل احمد سلمہ کی ذات ہے، جن سے مجھے بے پناہ محبت بھی ہے اور یہ یقین کامل بھی ہے کہ ان کے پاس رہ کر مجھے معمولی سی بھی تکلیف نہیں ہوگی، خود میرے بچوں خاص طور پر انس سلمہ نے سعودی سرزمین چھوڑنے سے چند دن پہلے تاکیداً مجھ سے کہا تھا کہ ''بابا طفیل بھائی کے پاس رہنا انہی کے پاس آپ کو آرام ملے گا اور آپ اطمینان وسکون سے ان کے پاس لکھنے پڑھنے کا کام کر سکتے ہیں، انس سلمہ نے مجھ سے یہ بات اس وجہ سے کہی تھی کہ وہ بار بار مجھ سے طفیل سلمہ کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ انس سلمہ نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا وہ سو فیصد ''حق'' اور میرے احساس کے عین مطابق تھا، لیکن یہ بھی درست تھا کہ میں اتنی ساری کتابوں کے ساتھ کسی ایسے رہائشی مکان میں نہیں رہ سکتا تھا، جس میں بہت سارے بچے بھی رہتے ہوں، لکھنے پڑھنے کے لئے علمی ماحول بھی ضروری ہوتا ہے، اور ایسی فضا کسی درسگاہ میں ہی مل سکتی ہے۔

میرے جو دوست احباب میری طرز زندگی سے واقف تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ میں اپنی ساری کتابوں کے ساتھ وطن واپس آؤں گا، انھوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ میں ممبئی کے مرکز الامام البخاری میں منتقل ہو جاؤں، چنانچہ میں نے مرکز الامام البخاری کے ناظم اور مہتمم مولانا عبید الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ سے اس مسئلہ میں بذریعہ فون بات بھی کر لی تھی اور وہ اپنے مرکز میں میرے قیام پر راضی بھی ہو گئے تھے اور جدہ میں مقیم میرے دوست احباب سے جب اس کا ذکر آیا تو انھوں نے اس کا استحسان کیا اور میں مرکز الامام البخاری کے پتہ پر اپنی کتابیں بھیجنے کی تیاری کرنے لگا۔

لیکن جب ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ میں حدیث کے پروفیسر اور میرے بہت بڑے محسن ڈاکٹر وصی اللہ حفظہ اللہ کو میرے مخلص بھائی شیخ عزیر شمس حفظہ اللہ سے

اتفاقاً میرے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے مجھ سے رجوع کئے بغیر امونا، اٹوا میں واقع ندوۃ السنہ اور الفاروق کے ناظم اعلیٰ، لائق صد احترام و توقیر مولانا شبیر احمد مدنی حفظہ اللہ سے الفاروق میں میرے قیام کی بات پکی کرلی، پھر بذریعہ فون مجھ سے فرمایا کہ ''ممبئی یا کسی شہر میں قیام کرنے کا خیال ذہن سے نکالو اور جا کر الفاروق میں قیام کرو'' اس کے بعد مولانا شبیر مدنی صاحب حفظہ اللہ نے بھی از راہ کرم مجھ سے رابطہ کیا اور الفاروق میں میرے قیام پر اپنی رضامندی کی نوید سنائی، مجھ جیسے کم حیثیت اور کم علم پر ان دو بڑی شخصیتوں کی اس کرم فرمائی پر میں دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ڈاکٹر وصی اللہ مدنی، مولانا شبیر احمد مدنی اور شیخ عزیر شمس مدنی حفظہم اللہ کو اپنے فضل خاص سے نوازے اور ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)

ممبئی یا دلی یا کسی شہر میں قیام کے مقابلے میں الفاروق میں قیام میں اطمینان وسکون کے ساتھ دوسرا نہایت بڑا فائدہ یہ نظر آیا کہ اس طرح میں اپنے عزیز ترین بھانجہ عزیزم طفیل سلمہ کے قریب رہوں گا، جو اٹوا سے قریب ہی ایک گاؤں ''سمرا'' میں سکونت پذیر ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ میں نے الفاروق ہی کے ایک ذمہ دار جناب حاجی مبارک حفظہ اللہ کے نام پر کارگو کے ذریعہ اپنی تمام کتابیں بھجوا دیں اور ۲۱/جنوری ۲۰۲۰ء کی صبح ۵/بجے جدہ کے شاہ عبدالعزیز انٹرنیشنل ایئر پورٹ کے لئے نہایت جذباتی اور دل گرفتگی کی حالت میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ گھر سے روانہ ہوا اور ایر پورٹ کی پارکنگ میں اپنے بیٹے ایمن سلمہ کی کار سے باہر نکلا اور اس کے ہاتھ پکڑے بوجھل قدموں کے ساتھ ایر پورٹ کی بلڈنگ کی طرف روانہ ہوا، اس وقت وہ حسین منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا جب ۴۷ برس قبل ''ہم دونوں'' جدہ کے ایک چھوٹے سے ایر پورٹ پر ہنستے ہوئے طیارہ سے اترے تھے اور دلوں میں ارمانوں کی ایک دنیا بسائے ہوئے تھے، مگر آج دل میں

ایک انجانا سا خوف بسا ہوا تھا، اس طرح کا خوف جو یکم جنوری ۱۹۶۴ء کی صبح ممبئی کی بندرگاہ میں لنگر انداز جہاز میں داخل ہوتے وقت دل میں بسا ہوا تھا، جو مصری بندرگاہ ''پورٹ سعید'' کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔

چار بجے شام سعودی طیارہ نے لکھنؤ کے انٹرنیشنل ایرپورٹ پر لینڈنگ کی اور ساڑھے چار بجے میں ایرپورٹ سے باہر نکلا تو باہر اپنے پیارے بھائی رحمہ اللہ کے بیٹے عزیزم احمد سعید سلمہ، اپنے بڑے بھائی کے بیٹے عزیزی سید قطب سلمہ اپنے نواسے عزیزی محمد اسحاق سلمہ اپنی چہیتی بھتیجی عزیزہ مسلمہ سلمہا، اس کی بیٹی اور شوہر کو اپنا منتظر پایا ان سب کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور دل اطمینان وسکون ہوگیا، مگر اسی کے ساتھ اپنے عزیز رشتہ داروں میں سے کسی اور کو نہ پا کر حیرت بھی ہوئی اور دکھ بھی ہوا، خاص طور پر اپنے ایک دوسرے بھتیجے عزیزی بدرالدجی، ان کی بیوی، جو میرے عزیز ترین بھانجے عزیزی طفیل احمد سلمہ کی بیٹی ہے اور ان کے دونوں ننھے اور چاند سے بیٹوں، فواد اور معاذ سلمہا ان کو نہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجب بھی ہوا اور صدمہ بھی جبکہ ان کا قیام لکھنؤ ہی میں، ایرپورٹ کے پاس ہے، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ عزیزی احمد سعید سلمہ نے ان سے میری آمد کی خبر کو صیغۂ راز میں رکھا تھا اور وہ چاہتے بھی نہیں تھے کہ جو لوگ مجھے لینے آئے تھے ان کے علاوہ اور بھی کوئی آئے؟

کانپور میں میری ایک بھتیجی بھی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ سکونت پذیر ہے اور ماشاء اللہ خوشحال بھی ہے اور اس کو اور اس کے بچوں کو میری آمد کا علم تھا، مگر ان میں سے قصداً کوئی ایرپورٹ پر نہیں آیا، بعد میں اس کے رویہ سے یہ واضح ہوا کہ میرا مقام و مرتبہ اس سے بہت فروتر تھا کہ وہ یا اس کا کوئی لڑکا مجھے خوش آمدید کہنے کے لئے ایرپورٹ آنے کی زحمت کرے، یاد رہے کہ وہ اور میرے حق میں اس کے رویہ کے مشابہ رویہ اپنانے والوں کی عیش وعشرت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے بعد میرا بھی کچھ حصہ تھا

اور کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

پڑھی نماز جنازہ ہماری غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

احمد سعید سلمہ نے لکھنؤ سے نوگڈھ جانے والی ٹرین میں چار نشستیں بک کرا رکھی تھیں اوپر جہاں سامان رکھا جاتا ہے تین اور نیچے ایک اور جب ''ڈبہ'' میں داخل ہوئے تو نیچے کی سیٹ پر ایک اور صاحب قابض تھے، جن کا ایک پاؤں ٹوٹا ہوا تھا اور اس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا، اس لئے چارو ناچار مجھے سامان کی طرح اوپر اٹھا کر رکھا گیا اور میں کوئی سات گھنٹے سر جھکائے بیٹھا رہا، اس بڑھاپے میں اس طرح بیٹھے رہنے سے میری جو کیفیت ہوئی ہوگی قارئین کرام اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

بذریعہ ٹرین اس سفر میں مجھے سب سے زیادہ تکلیف جس چیز سے ہوئی وہ اس شدید سردی میں پانچ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک ریلوے اسٹیشن پر کھلے آسمان کے نیچے انتظار کی تکلیف تھی یہاں میں اپنے قارئین کرام کے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہوں کہ عزیزی طفیل احمد سلمہ نے اپنے بوڑھے ماموں کو لکھنؤ سے آرام وراحت کے ساتھ لانے کے لئے اپنی لکژری گاڑی بھیجنے کی پیش کش کی تھی، جو ٹھکرادی گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔ ورنہ اگر میں طفیل سلمہ کی گاڑی سے پانچ بجے لکھنؤ سے روانہ ہوتا تو دس گیارہ بجے نہایت آرام سے نوگڈھ پہنچ جاتا مگر مشیت الٰہی یہی تھی کہ خود مشقت اٹھا کر میں ان لوگوں کی تکلیفوں کا بھی کچھ اندازہ کروں، جو لمبی لمبی مسافتیں پیدل طے کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے عزیزوں کے ساتھ نوگڈھ پہنچ گیا اور چند منٹ پیدل چل کر اپنے عزیز ترین بھائی اور مربی کے گھر پہنچ گیا جن کے وجود سے تو وہ خالی تھا، البتہ اس میں میرے بھائی کی سانسوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی، اس کے فوراً بعد ناشتہ اور چائے آئی اور میں نے ناشتہ کیا اور گرم گرم چائے پی کر جسمانی اور روحانی دونوں

طرح کی گرمی حاصل کی۔

یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ۲۵/گھنٹوں کے بعد یہ پہلا ناشتہ اور چائے تھی، کیونکہ ۲۱/جنوری کی صبح ۵/بجے میں نے تین بسکٹ (RUSK) کھائے تھے اور چائے پی تھی اس کے بعد ۲۲/جنوری کی صبح ۶/بجے تک میرا منھ اور معدہ کھانے اور پانی کی قسم کی کسی چیز سے آشنا نہیں ہوا تھا بایں ہمہ میں ہر طرح کی نقاہت اور کمزوری کے احساس سے پاک تھا، اگر میں صوفی ہوتا تو میرے عقیدت منداس کو میری کرامت کہتے اور بتاتے اور پھر اس میں مزید سو کرامتیں اپنی طرف سے گھڑ کر، میرا منقبت نامہ تیار کر کے لوگوں میں پھیلا دیتے۔

احمد سعید سلمہ کا گھر نوگڈھ ریلوے اسٹیشن کے جنوبی حصہ میں واقع ہے، جس کو گبر ہوا کہتے ہیں، یہ جگہ کافی نشیبی اور مرطوب (HUMID) ہے اور موسم سرما میں وہاں کی سردی دوسری جگہوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہوتی ہے اس طرح کی سردی سے میں جدہ میں اپنے ۴۷/سالہ قیام کے درمیان دوچار نہیں ہوا تھا اور اندیشہ تھا کہ میں جوڑوں کے دائمی عارضہ میں مبتلا ہو چکا ہوں، لہذا میں نے اپنے دوسرے بھتیجہ کے گھر میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا، جو ریلوے اسٹیشن کے شمال میں اونچی جگہ واقع ہے اور اس میں صبح و شام دھوپ بھی داخل ہوتی ہے۔

احمد سعید سلمہ کے گھر سے سید قطب سلمہ کے گھر میں منتقلی کے فیصلہ کا ایک دوسرا محرک یہ بنا کہ احمد سعید اور ان کے چھوٹے بھائی کی بیویاں میری ''محرم'' نہیں تھیں، بلا شبہ احمد سعید کی بڑی بیٹی عزیزہ شفا سلمہا میری پوتی ہونے کے ناطے میری محرم تھی، لیکن ایک تو وہ ابھی کم عمر ہے دوسرے وہ طالبہ ہے اس لئے وہ میری خدمات کے قابل نہیں تھی۔

اس کے برعکس سید قطب سلمہ کی بیوی میری بھانجی ہے اور اس کی بیٹیاں اس کی

طرف سے میری نواسیاں اور سید کی طرف سے میری پوتیاں ہیں اس طرح وہ بحکم الٰہی ''وبنات الاخ وبنات الاخت'' میری بیٹیاں ہیں اوران کو''حرمت ابدی'' حاصل ہے اوران کے درمیان میرا وجود ایک باپ کے وجود کے مانند ہے۔

انہی اسباب کے تحت احمد سعید سلمہ کے گھر میں نو دن قیام کرنے کے بعد میں سید قطب کے گھر میں منتقل ہوگیا۔

اس نقطہ پر ایک اہم واقعہ کا ذکر بیحد ضروری ہے، جس نے میرے اوپر گہرا اثر ڈالا، اوپر میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ میں ۲۲/جنوری کی صبح ۶/بجے عزیزی احمد سلمہ کے گھر میں داخل ہوا اور ۲۳/جنوری کی صبح ۷،۸ بجے بچوں نے مجھے بتایا کہ ایک بزرگ آپ سے ملنے آئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد ایک معزز بزرگ پرنور چہرے اور تبسم کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور نہایت پیارے انداز میں مسکراتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فرمایا، میں نے سلام کا جواب تو دے دیا، مگر اس سوچ میں غرق رہا کہ ایک ایسی شخصیت نے جس کی وضع قطع اور طرز گفتگو، ہر چیز سے اس کی عظمت آشکارا ہے، مجھ جیسے کم حیثیت اور کم علم کو شرف ملاقات بخشنے کا ارادہ کیوں اور کیسے کرلیا؟ اسی ادھیڑ بن میں، میں نے عرض کردیا: آپ کی تعریف، فرمایا شبیر احمد، ان کا یہ فرمان سننا تھا کہ حافظہ کے پردے پر اپنے محسن اور بہی خواہ پروفیسر ڈاکٹر وصی اللہ حفظہ اللہ کے حقیقت پر مبنی وہ کلمات ابھر کر ظاہر ہوگئے، جو انھوں نے ''الفاروق'' میں قیام کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت مولانا شبیر احمد حفظہ اللہ واطال بقاءہ بالخیر کے حق میں فرمائے تھے، میں بوجہ ارتباک اس وقت کوئی''بامعنی'' بات زبان سے ادا کرنے سے تو قاصر تھا، البتہ یقین کی یہ ٹھنڈک ضرور محسوس کررہا تھا کہ جس درسگاہ کی نظامت اور اہتمام ایسے فرشتہ صفت انسان کے ہاتھ میں ہو، ان شاء اللہ اس میں میرا قیام خوشگوار اور نفع بخش ہوگا۔

میں نے ان سطروں میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ دراصل میرے دل کی آواز ہے، یہاں یہ عرض کردوں کہ مولانا محترم کی آمد پر فرحاں وشاداں ہونے کے باوجود میں یہی چاہتا تھا کہ وہ زیادہ دیر میرے پاس بیٹھنے کی زحمت نہ اٹھائیں، کیونکہ میں مزید شرمسار ہونے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا اور ہوا بھی یہ کہ گراں قدر مہمان واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوگئے اس وقت میرے پاس ان کی نذر کرنے کے لئے کوئی قابل قدر چیز نہیں تھی، البتہ میں اپنے ساتھ اپنی کتاب ''صحیح بخاری ایک جامع ہدایت نامہ'' کا ایک نسخہ لیتا آیا تھا اور وہی مولانا کی نذر کردیا اور وہ چلے گئے اور مجھے بیحد متاثر کر گئے۔

عزیز سید سلمہ کے گھر میں اپنی بیٹیوں کے درمیان کوئی ڈیڑھ ماہ رہا، جہاں سے میں نے ۲۲رفروری کو اپنے نواسے عزیزی محمد اسحاق سلمہ کے ساتھ مئوناتھ بھنجن کا سفر کیا، جہاں میں نے اپنے دیرینہ عزیز ترین دوستوں، جامعہ عالیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا مظہر ازہری اور لندن میں مقیم ڈاکٹر عبدالعلی ازہری اور ان کے چھوٹے بھائی عزیزی عبدالحئی مدنی سے ملاقات کی، افسوس کہ عبدالحئی چند ماہ قبل ''کرونا'' کی لپیٹ میں آکر وفات پا گئے۔**اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.**

نوگڈھ میں اتنی مدت تک قیام کا سبب یہ بنا کہ عزیزی طفیل سلمہ اپنی نظر میں مناسب میری قیام گاہ کا انتظام کررہے تھے اور جب وہ تیار ہوگئی تو ان کی خواہش اور طلب پر مارچ ۲۰۲۱ء کی کسی تاریخ کو سمرا منتقل ہوا، جہاں صرف ایک ہفتہ گزرا تھا کہ ''کرونا'' کے پھیلاؤ کو روکنے کے نام پر ''تالا بندی'' کا اعلان کردیا گیا، اس طرح جو جہاں تھا وہیں محبوس ہوگیا، اگر میرے پاس میری کتابیں ہوتیں تو اس تالا بندی سے میرے اوپر کوئی اثر نہ پڑتا، واضح رہے کہ جدہ سے اپنی واپسی سے چند دن قبل میں نے اپنی ساری کتابیں بذریعہ کارگو ''الفاروق'' کے پتہ پر بھیج دی تھیں اور وسائل حمل ونقل کے موقوف ہوجانے کے باعث میں اپنی اس ''متاع بے بہا'' کے انجام سے بے خبر تھا اور

جدہ میں مقیم اور جدہ ریڈیو سے وابستہ اپنے دوست احباب سے گزارش کرتا رہتا تھا کہ وہ کارگو کمپنی سے رابطہ کر کے میری کتابوں کے بارے میں کچھ معلوم کریں، مگران کا جواب ہوتا کہ شہر میں سناٹا ہے اور تمام کمپنیوں میں تالے لگے ہوئے ہیں پھر بھی میرے ایک بھائی اور دوست عزیزی خالد سلمہ ہار نہیں مانے اور کمپنی کے ذمہ دار سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس نے سارے کاغذات چک کرنے کے بعد خالد سلمہ کو بتایا میری ساری کتابیں بسلامت دلی پہنچ گئی ہیں، اور جوں ہی ''لاک ڈاؤن'' اٹھے گا یہ کتابیں اپنے پتہ پر ارسال کر دی جائیں گی، اس خبر سے میرے جسم میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور میں نے اپنے بھائی خالد سلمہ کا شکریہ ادا کیا، اور ان کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

جدہ میں آخری آٹھ سالہ مدت قیام میں میں بے روزگار تھا اور بچے جو پیسے مجھے بھیجتے تھے، ان سے بآسانی میری گزر بسر تو ہو جاتی تھی، لیکن اگر میں کسی ہنگامی ضرورت کے لئے کچھ رقم پس انداز کرنا چاہتا بھی، تو اتنی رقم پس انداز نہیں کر سکتا تھا جو میری ساری کتابیں بھیجنے کے لئے کافی ہو سکے، لہذا میں نے اپنے بڑے بھتیجے عزیزی جاوید سلمہ کی بیٹی کے شوہر عزیزی مدثر سلمہ سے جو ''ابہا'' شہر میں شاہ خالد یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں بطور قرض دس ہزار ریال طلب کئے، جو انھوں نے اپنے کسی ساتھی سے اس شرط پر لے لئے کہ یہ رقم ہندوستان میں اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی جائے، اس رقم سے میں نے بحمد اللہ اپنی ساری کتابیں بذریعہ کارگو روانہ کر دیں۔

یہاں نوگڈھ میں میں بالکل تہی دست آیا تھا اور میرے بچے ہر روز مجھ سے رابطہ کر کے یہ اصرار کرتے تھے کہ کسی بینک میں اکاؤنٹ کھلوالوں تا کہ وہ میرے مصارف بھیجنا شروع کر دیں، مگر چونکہ مجھے سراپا اٹوا میں مستقل قیام کرنا تھا اس لئے اٹوا ہی کے کسی بینک میں اکاؤنٹ کھلوانا مناسب تھا، جبکہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں اپنے بھانجے طفیل سلمہ کے گھر میں یا الفاروق میں کب تک منتقل ہو سکوں گا، ادھر مجھے ہندوستانی

کرنسی میں دو لاکھ روپئے ادا بھی کرنے تھے، یہاں میرے بعض بھتیجے الحمد للہ کافی خوشحال اور متمول ہیں، اور ان کے "تمول" میں میرا بھی بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، بایں ہمہ کسی نے بھی یہ جانتے ہوئے کوئی پیش کش نہیں کی، بہر حال اللہ تعالیٰ نے نوگڈھ آنے سے چند دنوں بعد ہی مجھے سمرا جانے کا موقع فراہم کر دیا، جہاں میں نے طفیل سلمہ سے اپنی پریشانی کا ذکر کرنے کے بعد، ان سے اپنے قرض دہندہ کے اکاؤنٹ میں دو لاکھ منتقل کرنے کی درخواست کی اور انھوں نے دو تین دن میں یہ پوری رقم قرض دہندہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر کے میرے سر سے یہ بھاری بوجھ اتار دیا، فجزاہ اللہ خیرا، اور ہمارے عزیز مدثر سلمہ نے مجھے یہ اطلاع دے دی کہ ان کے ساتھی کے اکاؤنٹ میں ان کی مطلوبہ رقم جمع ہوگئی ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں اپنے بھتیجوں اور بھتیجیوں سے جو تعلق خاطر رکھا ہے وہ تعلق کسی وجہ سے بھانجوں اور بھانجیوں سے نہیں رکھ سکا ہوں، لیکن وطن واپسی کے بعد میرے بھتیجوں اور بھتیجیوں نے میری محبت کا جواب سرد مہری سے دیا، بلکہ بعض تو بذریعہ فون رابطہ کرنے کے روادار بھی نہیں ہیں، اس کے بالکل برعکس میرے بھانجوں اور بھانجیوں نے مجھ سے بے لوث محبت کا مظاہرہ کیا اور دل سے میری خدمت کی، یہی نہیں، بلکہ میری مرحوم بڑی بہن کے سب سے چھوٹے بیٹے عزیزی کلیم سلمہ کو، جو کافی دور گوا میں اپنے بیٹے فیضی سلمہ کے ساتھ رہتے ہیں فکر ہوئی اور فون کر کے مجھ سے پوچھا: آپ کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں، آپ کسی کا اکاؤنٹ نمبر بھیج دیجئے تا کہ میں آپ کو کچھ پیسے بھیج دوں، میں نے ان کے جذبۂ خیر کا شکریہ ادا کیا اور ان کو دعائیں دیں۔

میں سمرا میں اپنے عزیز ترین بھانجے طفیل سلمہ کے پاس گھر کے ایک فرد کی طرح، بلکہ "آمر وناہی" کی حیثیت سے رہنے لگا، اگر کوئی کمی تھی تو صرف کتابوں کی تھی، طفیل سلمہ نے اپنے اثر رسوخ سے اٹوا کے پنجاب نیشنل بینک میں میرا اکاؤنٹ بھی

کھلوادیا اور باہر سے میرے اکاؤنٹ میں پیسے بھی آنے لگے ویسے طفیل سلمہ کے گھر میں میری ساری ضرورتیں پوری ہورہی تھیں اور مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں تھی، اور میں نے اپنی بیکاری کا یہ حل نکال لیا تھا کہ میں اپنے بچوں کو قرآن پڑھانے لگا تھا اور خود قرآن کی تلاوت اور اس میں غور و تدبر میں زیادہ وقت صرف کرنے لگا تھا اس طرح میرے اطمینان وسکون میں اضافہ ہوگیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے کئی ماہ کے بعد ''تالا بندی'' کالعدم ہوئی اور اس کے چند دنوں بعد ہی طفیل سلمہ نے فون کرکے یہ پر مسرت خبر دی کہ میری کتابوں کے کوئی گیارہ کارٹون پہنچ گئے ہیں، اس کے بعد میں نے مولانا شبیر صاحب حفظہ اللہ سے رابطہ کرکے اس خبر کی تصدیق چاہی تو فرمایا کہ یہ خبر صحیح ہے اور کتابوں کے گیارہ کارٹون وصول کئے جاچکے ہیں، اس سے مجھے جو خوشی ہوئی اس کی تعبیر کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، اس کے چند ہی دنوں بعد مزید کتابیں بھی آگئیں، مولانا محترم نے کتابیں رکھنے کے لئے آرڈر دے کر دس خوبصورت الماریاں بنوالی تھیں، جن میں ان کتابوں کو نہایت قرینے سے لگادیا گیا، جن کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور میں اپنی اس قیمتی متاع کی عدم موجودگی سے جس کرب میں مبتلا تھا وہ فرحت وشادمانی میں تبدیل ہوگیا، اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا گویا مجھے ایک بہت بڑا خزانہ مل گیا ہے۔

لیکن میں سرامیں عزیزم طفیل سلمہ کے گھر سے فوراً الفاروق منتقل نہیں ہوا کیونکہ ایسا کرنا ان کے لئے اور ان کے اہل خانہ کے لئے ایک بڑا صدمہ ہوتا، پھر جب میں الفاروق میں آنے بھی لگا تو اس طرح کہ صبح نو دس بجے یہاں آجاتا اور مغرب سے کچھ پہلے سرا واپس چلا جاتا، میں اپنی خدمت کے لئے اپنے ایک نواسے عبدالشکور کو بھی اپنے ساتھ رکھتا تھا، یادرہے کہ ابھی الفاروق میں تعلیم نہیں شروع ہوئی تھی، دو ڈھائی ماہ بعد جب اور اساتذہ آگئے تو میں یہاں قیام کرنے لگا، جو میرے لئے اور طفیل سلمہ اور ان کے

اہل خانہ کے لئے بڑا صبر آزما تھا، مگر چونکہ سعودی عرب سے وطن واپسی کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ میں یہاں سے کچھ علمی کام کروں گا، ورنہ رہنے کو تو میں اپنے بیٹے انس سلمہ کے ساتھ ترکی میں یا اپنے چھوٹے بیٹے خالد کے ساتھ سنگا پور میں، یا باری باری دونوں کے پاس رہ سکتا تھا، اس لئے اپنے عزیزوں کی اس جدائی کو بادل ناخواستہ برداشت کر رہا ہوں اور اللہ کے فضل وتوفیق سے الفاروق میں میرا یہ قیام کسی حد تک بامقصد ہے اور پڑھنے لکھنے کا کام بھی کسی حد تک جاری ہے۔

ویسے بھی میں ایک گمنام آدمی ہوں اور تعلیم سے فراغت کے بعد سے میں ریڈیو سے منسلک رہا ہوں اور اپنی طویل ریڈیائی خدمات کے صلے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئی لاکھوں کی تعداد میں میرے سامعین ہیں، اور خدمت حدیث کے میدان میں میری چند مؤلفات بھی علمائے حدیث اور دینی علوم سے شغف رکھنے والوں کے حلقوں میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، بایں ہمہ ایک تو اپنے مزاج، دوسرے اپنے کام کی نزاکت کی وجہ سے میں نے اپنے آپ کو لوگوں سے الگ تھلک رکھا ہے اور کبھی بھی ''مجلسی'' انسان نہیں بن پایا۔

یہاں سمرا میں عزیز طفیل احمد سلمہ کے گھر میں اور پھر الفاروق میں اپنی منتقلی کے بعد بھی میں لوگوں سے خلط ملط نہیں رکھتا، البتہ گاہے بگاہے دور اور قریب کے اہل علم اور بعض طلباء اپنے قدوم میمون سے میری عزت افزائی کرتے رہتے ہیں، اس تناظر میں جب لائق صد احترام مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ نے مجھ کو شرفِ کلام سے نوازا تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ مجھ جیسے ہیچ مداں کی عزت افزائی سے آپ جیسے صاحب قلم اور عظمت وشہرت کے مالک کو کیا ملے گا، اور جب آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنے حالات زندگی یا ''سوانح'' قلم بند کروں، جس کو وہ اپنے گراں قدر اور مقبول سلسلہ: کاروان سلف کے کسی حصہ میں شامل کریں گے تو میں نے معذرت کی کہ میری جھولی میں

ایسا کچھ بھی نہیں ہے، جس کی نمائش کی جسارت کروں، مگر وہ نہیں مانے اور میرے دل میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ میں اپنی سیاہ بختی کے کچھ واقعات سے ان کے خوبصورت سلسلہ کے کچھ اوراق سیاہ کروں اس طرح اس سلسلہ کا حسن مزید نکھر جائے۔

میری پیدائش کونڈرا گرانٹ میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں ''مہووا'' میں ہوئی، جو اس وقت ضلع بستی کے تابع رہا ہوگا، اور اس وقت سدھارتھ نگر ضلع کے تابع ہے، میں کس وقت عدم سے عالم وجود میں آیا یہ مجھے معلوم نہیں اور اس بارے میں صحیح معلومات رکھنے والوں میں سے کوئی بھی بقید حیات نہیں ہے، البتہ قرائن کی روشنی میں میری تاریخ پیدائش ۱۹۴۰ء یا ۱۹۴۱ء میں ہونی چاہئے، میری ڈگریوں میں میری تاریخ پیدائش جو ۱۸/جون ۱۹۴۵ء درج ہے تو یہ فرضی ہے اور شہر فیض آباد کے مشہور قصبہ ٹانڈہ کے مدرسہ کنز العلوم میں قرائن سے متعین کی گئی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے، جب میں اپنے عزیز ترین پیارے بھائی مولانا سید عبدالودود رحمہ اللہ کی انگلی پکڑے ہوئے جولائی ۱۹۵۵ء میں پہلی بار کنز العلوم میں داخل ہوا تھا، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

میرے والد گرامی رحمہ اللہ کا نام ولقب سید عابد علی متوفی ۱۹۶۶ء ہے، جو ایک جید عالم، حاذق طبیب اور صلاح و تقوی سے موصوف ''داعی توحید'' تھے، یوں تو ان کی ساری زندگی دعوت دین کے لئے وقف تھی، مگر ان کی دعوتی زندگی اس توحید کے احیاء پر مرکوز تھی، جس کی دعوت دینے کے لئے اللہ تعالی نے اس زمین پر اپنے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تھے۔

میرے خاندان میں علم کی روشنی ''بابا'' ہی کے ذریعہ داخل ہوئی، بلکہ اگر میں یہ عرض کروں کہ میری جائے پیدائش مہووا اور اس کے گرد و پیش کے علاقوں، اور پھر انتری اور اس کے قرب و جوار میں ''علم دین'' کی شمع پہلی بار بابا ہی نے روشن کی تھی، اور پھر

آہستہ آہستہ یہ روشنی اتنی پھیلی کہ اللہ کی زمین کے ایک بہت بڑے رقبہ کو منور کرگئی، ایک بار میرے ایک بھتیجہ عزیزی بدرالدجی سلمہ نے انتری کے ایک عظیم انسان اور بہت بڑے عالم عبدالحنان رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ سے بابا کے بارے میں آپ کے تاثرات پوچھے تو فرمایا! مولانا عابد علی کی آمد سے قبل ہم لوگ کچھ نہیں تھے"۔

ہمارے خاندان کے سب سے پہلے عالم بھی "بابا" ہی تھے، اور خود اپنے داخلی جذبہ سے انھوں نے حصول علم کی راہ میں قدم رکھا، ہمارا خاندان بیحد غریب تھا، غربت ہی اس خاندان کی شناخت ہے ہمارے گراں قدر ماموں، مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ نے جو صلاح وتقویٰ اور علم توحید کی نہایت بلند چوٹی پر فائز تھے اور اپنی حق گوئی اور شان استغنا میں بے تاج بادشاہ تھے، مجھ سے اس وقت جب قاہرہ جانے سے پہلے ان سے شرف ملاقات حاصل کرنے اور ان سے دعائیں لینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اس وقت مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بیٹا! اس خاندان کی پہچان تونگری نہں فقیری ہے، اگر اس خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ میں مال ودولت دیکھو یا دیکھو کہ وہ سیم وزر کے حصول کے لئے کوشاں ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس خاندان میں اجنبی ہے۔

پھر فرمایا: بیٹا! میرے پاس روپے پیسے نہیں ہیں کہ میں تمہیں کچھ دوں، البتہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا رہوں گا کہ وہ علم کی روشنی سے تمہارا دل منور کردے اور تمہیں اپنے دین کا داعی بنائے۔

ہمارے بابا اپنے فقر وغربت کے باوجود حصول علم کی راہ میں گامزن رہے وہ علم ومعرفت میں کسی بلندی تک پہنچے مجھے اس کا علم نہیں ہے، ویسے بھی میں اس وقت عمر کی اس منزل میں تھا کہ نہ تو علم وفضل کی قدر وقیمت سے واقف ہی تھا اور نہ ہی میری نظر میں اس کی کوئی قدر وقیمت ہی تھی اور میری فطرت ایسی ہے کہ بڑا ہونے پر بھی میں آباء واجداد کی عظمتوں کی کھوج نہیں لگاتا، کیونکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہر انسان اپنے عقیدہ وعمل

سے پہچانا جاتا ہے، اگر اس کا عقیدہ وعمل اچھا ہے تو وہ دنیا وآخرت میں اچھا شمار ہوگا اور اگر اس کا عقیدہ وعمل برا ہے تو اس کے آباء واجداد کے فضائل ومناقب اس کا قد اونچا نہیں کرسکتے اور آخرت میں ہر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اکیلا ہی پیش کیا جائے گا ''وکلھم اتیه یوم القیامة فردا''۔

لیکن دوسروں کی زبانی یہ سنا ہے کہ بابا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی تھی وہ کتنی مدت اس میں رہے اور کونسی سند حاصل کی اس کے بارے میں میرے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے، البتہ بابا کی کتابوں میں، میں نے دیوان الحماسہ کا اس کی عربی شرح کے ساتھ ایک ایسا نسخہ دیکھا تھا، جو مولانا خلیل العرب نے ان کو ہدیہ کیا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے اس پر بابا کے نام خلیل العرب کے اہداء کی عبارت دیکھی ہے اور جس زمانہ میں ندوۃ العلماء میں بابا کے زیر تعلیم ہونے کی بات مشہور ہے، اس زمانہ میں مولانا خلیل العرب لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی ادب کے پروفیسر تھے۔

خلیل العرب سے بابا کے تعلق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خلیل العرب کے چھوٹے بھائی جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے محمد العرب، انھوں نے بابا سے نحو کی تعلیم حاصل کی تھی اور خلیل العرب ہی نے اپنے بھائی محمد کو بابا کی شاگردی میں دیا تھا یہ مجھے اس خط سے معلوم ہوا تھا جو محمد العرب نے بھوپال سے، جہاں وہ سکونت پذیر تھے بابا کو لکھا تھا یہ خط اردو میں تھا اور محمد العرب نے بابا کو استاذ محترم سے مخاطب کیا تھا اور لکھا تھا کہ میں سخت بیمار ہوں اور مجھے آپ کو دیکھنے اور آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے مگر بیماری کی وجہ سے معذور ہوں اور اگر آپ ہی یہاں تشریف لانے کی زحمت فرمائیں تو میں شکر گذار رہوں گا، یہ خط پاتے ہی بابا بھوپال گئے تھے اور وہاں ایک ماہ قیام کیا تھا، محمد العرب نے بابا کو ایک اونی چادر دی تھی جو تھی تو پرانی، مگر خوبصورت تھی اور ایک سال بعد جب میں قاہرہ جانے کی نیت سے بمبئی روانہ ہوا تو بابا سے وہ چادر لے لی تھی جو میرے ساتھ قاہرہ گئی۔

ان یقینی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ:
۱۔ندوۃ العلماء میں بابا کے زیر تعلیم رہنے کی کچھ اصلیت ہے۔
۲۔عربی ادب اور علم نحو میں بابا اس مقام پر تھے کہ شیخ العرب والعجم نے اپنے بھائی کی تعلیم کے لئے ان کا انتخاب کیا۔
۳۔ بابا تعلیم دینے کی اہلیت کے ساتھ مشفق اور مہربان معلم تھے کہ ان کے ایک شاگرد نے اپنی شدید علالت کے وقت ان کو یاد کیا اور ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، اور اپنے پاس ایک ماہ رکھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں ان تین باتوں کی وضاحت کردینا مناسب خیال کرتا ہوں جن کا ذکر محترم ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی حفظہ اللہ نے اپنے مضمون ''مولانا عابد علی رحمہ اللہ'' میں کیا ہے، اور وہ حسب ذیل ہیں:
۱۔ بابا ایک سال تک مہوا سے انتری آ جا کر تعلیم دیتے رہے، کچھ دنوں کے اندر انتری بازار میں آپ کی اچھی مقدار میں آراضی ہوگئی اور گھر ہوگیا۔
۲۔آپ نے ایک مرتبہ حج کرنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی، دوبارہ اس کا پروگرام بنایا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے بعض رکاوٹوں کی وجہ سے نہ جا سکے، جس کا غلط اثر ذہن پر پڑا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا دماغ فیل ہوگیا، جنون کی کیفیت پیدا ہوگئی ....۔
۳۔آپ کو قریب سے دیکھنے والے ایک آدمی کا تاثر ہے کہ علم وعمل دونوں اعتبار سے آپ کا درجہ مولانا ممتاز علی سے اعلیٰ تھا، اگر ہم اس بیان کو مبالغہ پر محمول کریں تو بھی عبادت و ریاضت اور زہد واتقا کے سلسلے میں آپ کی غیر معمولی شخصیت صاف نظر آتی ہے۔ [۱]

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ: کچھ دنوں کے اندر انتری بازار میں آپ کی اچھی خاصی آراضی ہو گئی اور گھر ہوگیا، اس عبارت سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ انتری میں بغرض تعلیم ودعوت

---
[۱] کاروان سلف ج۴ص:۹۴، ۹۵

آمد و رفت کے نتیجہ میں بابا کو یہ زرعی زمین اور گھر بنانے کی جگہ مل گئی ہوگی، یہ میں اس وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ ایسے متعدد اشخاص گزرے ہیں، جنہوں نے تعلیم کے نام پر مدارس کھولے اور پھر ان کے نام پر ملنے والے چندوں اور عطیات سے زمینیں خرید لیں اور رہائشی مکانات بنوا لئے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ انتری منتقل ہونے سے پہلے ہی کسی راجہ کو بابا سے عقیدت تھی یہ راجہ میری بڑی بہن کی شادی میں شریک ہوا تھا، یہ شادی مہووا ہی میں ہوئی تھی، اس راجہ کے دولڑکے تھے، جن کو بابا نے عربی اور فارسی پڑھائی تھی، اس زمانے میں اردو زبان میں مہا بھارت ہندو شرفا میں بھی قابل ستائش تھی اور اردو زبان میں سب سے زیادہ عربی اور فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں بنا بریں ہندو شرفا اپنے لڑکوں کو عربی اور فارسی کی تعلیم دلواتے تھے۔

ان دونوں شہزادوں کو میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا کچا محل انتری گنجہڑا کے درمیان ایک جگہ واقع ہے اور شاید اب بھی ہو۔

جب انتری میں ہمارے گھر میں چوروں نے دیوار کے نیچے نقب بنا کر چوری کی تھی اور روپے پیسوں کے ساتھ تمام قیمتی اور بے قیمت ہر چیز چرا لے گئے تھے، اس وقت ایک شہزادہ آیا تھا اور بابا سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ ان کو کسی پر شبہہ ہے جس کو طلب کر کے وہ پوچھ گچھ کرے تو بابا نے جواب دیا تھا کہ ان کو اس چوری میں بعض لوگوں کے ملوث ہونے کا شبہہ تو ہے مگر وہ ان کا نام نہیں بتا سکتے کیونکہ اس کا بھی امکان ہے کہ وہ بے قصور ہوں اور ان کو ناحق سزا مل جائے، اس طرح عنداللہ وہ مسئول ہوں گے، یاد رہے کہ اس چوری نے بابا کو بالکل کنگال کر کے رکھ دیا تھا۔

انتری کا پورا علاقہ راجہ کو ہندوستان پر قابض برطانیہ کی ''سامراجی'' حکومت سے جاگیر میں ملا تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ بابا مہووا سے انتری منتقل ہونا چاہتے

ہیں تو اس نے خود ان کو زمین کی پیش کش کی، جس کا جواب بابا نے یہ دیا تھا کہ میں اللہ والا ہوں اور اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں زمین وغیرہ لیکر کیا کروں گا اس پر راجہ نے ان سے ایسا سوال کر دیا جس پر انھوں نے اس کی پیشکش قبول کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی، اس نے کہا تھا کہ: کیا آپ کے بچے بھی اللہ والے ہوں گے، ان کو اپنے بعد دوسروں کا دست نگر نہ بنائے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے، مگر بیان میرا اپنا ہے۔

(۲) دوسری بات کی وضاحت یہ ہے: بابا نے اپنا پہلا حج شاید ۱۹۳۰ء میں کیا تھا، اس زمانے میں پورا حجاز شاہ عبدالعزیز کے کنٹرول میں نہیں آیا تھا، اور اللہ کے گھر کے مہمانوں کو بدؤں کی طرف سے ہر لحہ خطرات لاحق رہتے تھے، شریف مکہ بدؤوں کے ان جرائم میں اس اعتبار سے شریک تھا کہ وہ بدؤں کی اس حرام کمائی سے اپنا حصہ وصول کرتا تھا اس طرح ان کو اس کی حمایت حاصل تھی۔

بدؤوں نے اپنی اس لوٹ مار سے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پرُخطر بنا رکھا تھا اور نہتے حجاج مدینہ کی زیارت سے محروم تھے اور مناسک حج کی دائیگی کے بعد اپنے ملکوں کو واپس ہو جاتے تھے، یہ صحیح ہے کہ اعمال حج میں زیارت مدینہ داخل نہیں تھی، پھر بھی عازم حج ارض مقدس کا قصد کرتے وقت دل میں یہ ارمان بھی رکھتا تھا کہ وہ اپنے رسول ﷺ کے شہر کی زیارت بھی کرے گا اور مسجد نبوی میں کچھ نمازیں بھی پڑھے گا، یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی ایک نماز، مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ادا کی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے [1]

یہ حدیث صحیح ہے، رہی وہ روایت جو لوگوں میں بہت مشہور ہے اور جس کا ترجمہ ہے: جو میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے اور اس میں اس کی کوئی نماز نہ چھوٹے تو اس کے

[1] مسند احمد: ۴۶۴۶، ۵۱۵۳، مسلم ۱۳۹۵، ابن ماجہ: ۱۴۰۵، عبدالرزاق: ۹۱۳۷ وغیرہ

لئے دوزخ سے چھٹکارا اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے پاک ہو جائے گا۔ [1] تو یہ روایت صحیح نہیں ہے اس کے بالمقابل وہ حدیث حسن ہے، جس کا ترجمہ ہے: جو اللہ کے لئے چالیس دن جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ ہر نماز میں اس کو تکبیر تحریمہ مل جائے تو اس کے لئے دوزخ سے اور نفاق سے چھٹکارا لکھ دیا جائے گا۔ [2] لیکن صوفیا اور ان کے ہم مشرب لوگوں میں، نیز عوام میں ضعیف روایت زیادہ مشہور ہے اور سعودیہ عربیہ کی انتظامیہ بھی حجاج کو مدینہ میں آٹھ دن قیام کا موقع دیتی ہے، تاکہ وہ مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرسکیں۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ بابا اپنے پہلے حج میں زیارت مدینہ سے محروم رہے جس کا غم ان کو اس وقت تک رہا، جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسرا حج کرنے کی توفیق نہ دے دی، اور اس دوسرے حج میں انھوں نے مدینہ میں ۱۲/دن قیام کیا تھا، جس کی خبر انھوں نے مکہ سے اپنے تحریر کردہ مکتوب میں مجھے دی تھی، اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ محترم ڈاکٹر نیپالی نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''بابا حکومت کی طرف سے بعض رکاوٹوں کی وجہ سے دوسرے حج پر نہ جاسکے، صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح محترم نیپالی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ بابا کے ذہنی توازن کے بگڑنے کا سبب حج کے پروگرام میں ناکامی تھی، تو عرض ہے یہ بات بھی مبنی برحقیقت نہیں ہے، اگرچہ خود ہمارے خاندان میں بھی کچھ لوگوں نے کسی خاص مقصد سے اس بات کو خوب پھیلایا تھا، جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ آج بھی اس کے قائل ہیں کہ حج کی درخواست مسترد ہوجانے کی وجہ سے بابا کا ذہنی توازن بگڑا تھا، جبکہ بابا نے مکہ مکرمہ سے یکم ذی الحجہ کو مجھے قاہرہ میں جو مکتوب بھیجا تھا، اس میں نہایت صریح لفظوں میں یہ تحریر

---

[1] مسند امام احمد: ۱۲۵۸۳، الاوسط للطبرانی: ۵۴۴۰۔

[2] ترمذی: ۲۴۱۔

فرمایا تھا کہ بعض خانگی معاملات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے صحت وعافیت سے سرفراز فرمایا کہ میں حج کے لئے یہاں آ گیا، بابا نے اپنے مکتوب میں اس امر کی جانب اشارہ تک نہیں کیا ہے کہ ان کے کاغذات حج واپس آ گئے تھے، امر واقعہ یہ ہے میرے مربی اور پیارے بھائی کو بابا کی نظروں سے گرانے کے لئے ان کی نسبت سے بابا کو ایسی خوفناک، مگر جھوٹی خبر دی گئی تھی جس کا اس بڑھاپے میں ان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ وہ اپنا توازن کھو بیٹھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو بچالیا۔

۳۔محترم ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی نے تیسری جو بات لکھی ہے کہ ''آپ کو قریب سے دیکھنے والے ایک آدمی کا تاثر ہے کہ علم وعمل دونوں اعتبار سے آپ کا درجہ مولانا ممتاز علی سے اعلیٰ تھا۔ تو یہ حقیقت ہے مبالغہ نہیں ہے، البتہ ذرا تفصیل طلب ہے:

جہاں تک علم وفضل کا تعلق ہے تو بلا شبہ بابا کو ماموں پر برتری حاصل تھی اور ماموں رحمہ اللہ کو اس کا احساس تھا۔

رہا تقوی تو اس میں بابا اور ماموں دونوں نہایت اعلی مقام پر فائز تھے، البتہ دونوں کی طرز زندگی ایک دوسرے سے مختلف تھی، جو لوگ فقیرانہ زندگی کو معیار صلاح وتقوی مانتے ہیں ان کے نقطۂ نظر سے ماموں صلاح وتقوی میں بابا سے بلند مقام پر فائز تھے، کیونکہ ان کی زندگی سراپا فقیرانہ تھی وہ ہمیشہ سے ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھتے اور سوتے تھے، جس گھر میں ان کی رہائش تھی اس کی چھت چھپر کی تھی جو سورج کی شعاعوں سے بھی محفوظ نہیں رکھتی تھی اور بارش کے پانی سے بھی نہیں اور ان کا کھانا بھی نہایت معمولی ہوتا تھا اور سد رمق کے لئے کافی ہوتا تھا اور عام لوگوں سے خلط ملط بھی نہیں ہوتے تھے یہ دراصل صوفیا کی طرز زندگی ہے، جو اگر مجبوری اور وسائل وذرائع کے فقدان کے نتیجہ میں ہو تو مقبول ہے اور اگر قصد وارادہ سے ہو تو معیوب ہے اور ماموں نے یہ طرز

زندگی بدرجہ مجبوری اختیار کر رکھی تھی، کیونکہ وہ آسودہ حالی کے وسائل وذرائع کے مالک نہیں تھے، اوران کے حصول کے نہ خواہاں تھے اور نہ اس کے لئے کبھی کوئی سعی ہی کی تھی۔

بابا ایک داعی تھے، انھوں نے اپنی ساری توانائی اوراپنی ساری صلاحیت دین توحید کے فروغ اور نشر واشاعت کے لئے وقف کر رکھی تھی وہ بہترین روغن احمر، روغن آملا اور بعض نہایت مجرب اور کامیاب دوائیں بناتے تھے اور یہ سب لیکر نکلتے اور جہاں جہاں ان کوفروخت کرنے کے لئے جاتے وہاں وہاں توحید کی دعوت بھی دیتے میں اس وقت چھوٹا سا بچہ تھا اوران کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہوا چلتا، راستہ بھر مجھے بعض دعائیں یاد کراتے ہوئے، انتری سے شہرت گڈھ تک پیدل چلتے، وہاں سے ٹرین کے ذریعہ وہاں جاتے جہاں کا ارادہ کر کے نکلتے، میں ان کے ساتھ ایسی جگہ بھی گیا ہوں جہاں ان کی بڑی عزت وتکریم کی جاتی اوران کی تقریریں سن کر لوگ روتے اور ایسی جگہ بھی گیا ہوں جہاں ان کے ساتھ بڑا برا برتاؤ کیا جاتا اوران کا تیل اور دوائیں بھی لوگ نہ خریدتے، مگر وہ کبیدہ خاطر نہ ہوتے، میرے بابا بڑھاپے میں بھی بڑے طاقتور تھے مگر اپنی طاقت کبھی باطل کے لئے استعمال نہیں کی وہ حق کے سپاہی تھے اورحق ہی کی سربلندی کے لئے اپنی طاقت استعمال کی، میرے پیارے بابا نہ جانے کیوں ہر وقت میرا ہاتھ پکڑے رہتے، عام طور پر وہ عشاء کی نماز کے بعد وعظ فرماتے یا تقریر کرتے، کہیں تو ان سے تقریر کی فرمائش کی جاتی اور کہیں وہ خود لوگوں کو مخاطب بناتے ہوئے ان کو وعظ ونصیحت اور تقریر کرتے وقت کسی چارپائی پر مجھے سلانے کے بجائے اپنے پاس مجھے سلا لیتے، جیسے ان کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کوئی مجھے اچک نہ لے جائے، میں خوبصورت بھی نہیں تھا کہ متاع بے بہا سمجھ کر کوئی مجھے اٹھا لے جائے گا، مگر مکہ مکرمہ سے جو آخری خط بابا نے مجھے لکھا تھا اس میں یہی بات دھرائی ہے کہ میرے لخت جگر میری آخری تمنا ہے کہ میں تم کو دیکھ لوں اور تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں۔

بابا مقدور بھر اچھا کھاتے بھی تھے اور اچھا پہنتے بھی اور لوگوں سے خلط ملط بھی رکھتے تھے میں نے ان کے ساتھ جو زندگی گذاری ہے وہ شعوری نہیں ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا ہے وہی بیان کر رہا ہوں، ان کی نماز میں بڑا اطمینان وسکون ہوتا، بار ہا ایسا ہوا کہ ٹرین کی آمد قریب ہے اور اسی وقت نماز کا وقت ہو گیا اور بابا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اسٹیشن پر جو لوگ ہیں وہ پلیٹ فارم پر آ گئے اور بابا اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں اور میں ان کا سر ہلا رہا ہوں: بابا گاڑی آ رہی ہے، مگر بابا پورے اطمینان سے نماز پڑھے جا رہے ہیں اور نماز پوری کرنے کے بعد داہنے ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے، بائیں ہاتھ سے سامان اٹھاتے ہیں اور اطمینان وسکون سے ڈبہ میں داخل ہو جاتے ہیں، اگر سیٹ پر جگہ ہے تو مجھے اپنی داہنی جانب بیٹھا کر خود بیٹھ جاتے ہیں، ورنہ خود بیٹھ کر مجھے اپنی رانوں پر بیٹھا لیتے ہیں اور گاڑی سیٹی دیتی ہے، اگر وہ صوفی ہوتے تو ان کے مرید اس کو کرامت کہتے۔

بابا ہر وقت خاموش رہتے تھے، پنجوقتہ نمازیں قریب کی مسجد میں ادا فرماتے اور جمعہ جامع مسجد میں جو سجدہ گاہ ہونے کے ساتھ درسگاہ بھی تھی، جس کا نام بحر العلوم تھا اور انہی کا قائم کردہ تھا یہ مسجد گھر سے کچھ فاصلے پر تھی، بابا مسجد جاتے ہوئے صرف سامنے دیکھتے دائیں بائیں نہیں دیکھتے، عام طور پر لوگ ان کو دور ہی سے دیکھ کر راستہ سے ہٹ جاتے۔

مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی ادا کرتے اور مؤذن اذان دیتا اور بابا خطبہ شروع کر دیتے ان کی موجودگی میں کوئی اور خطبہ نہیں دیتا جمعہ کے دن نہا کر اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرنے کے بعد کوئی کتاب دیکھتے اور چار منٹ پڑھ کر کتاب رکھ دیتے اور مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے بعد میں جب کتابوں کے نام پڑھنے کے قابل ہوا تو دیکھا کہ بابا جب کتاب جمعہ کے دن چار منٹ پڑھ کر مسجد کی

طرف روانہ ہوتے وہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح ہے۔

بابا ہمیشہ سفید کرتا اور لنگی پہنتے تھے، جس کی زمین سفید ہوتی وہ کپڑے بہت صاف پہنتے تھے اور اپنے کپڑے خود دھوتے اور کپڑے دھونے کے لئے سنلائٹ اور نہانے کے لئے لائف بوائے استعمال کرتے تھے، بارہا وہ مجھے دریا پر لیجاتے اور خوب رگڑ رگڑ کر مجھے لائف بوائے صابن سے نہلاتے۔

بابا قرآن پاک حروف کے صحیح نطق کے ساتھ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے، اس زمانہ میں علماء بھی صحت کے ساتھ قرآن نہیں پڑھتے تھے اسی وجہ سے بابا کسی کو نماز میں امامت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

فجر کی نماز میں بابا ہمیشہ لمبی تلاوت کرتے ان کی آواز بڑی خوبصورت اور پرتاثیر تھی، تہجد کی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے ان کا زاروقطار اور ہچکیوں کے ساتھ رونا مجھ جیسے چھوٹے بچے کو بھی رلا دیتا، میں کبھی کبھار ان کے ساتھ سوتا یا ان کے قریب ہی دوسری چارپائی پر، میرے ذہن میں بار بار یہ سوال ابھرتا کہ بابا جو کبھی نہیں روتے، تہجد کی نماز میں اتنا کیوں روتے ہیں، بہت بعد میں جب عربی زبان سمجھنے لگا اور سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پڑھا کہ ہمارے پیارے نبی فداہ ابی وامی ﷺ بھی تہجد کی نماز میں بہت روتے تھے، اس وقت بابا کے رونے کا راز میری سمجھ میں آ گیا۔

یہ میرے بابا کے شب وروز اور ان کی دعوتی زندگی کی چند جھلکیاں تھیں، جو میں نے اس طرح بیان کر دیں، جس طرح میں نے ان کا مشاہدہ کیا تھا، قارئین کرام سے عرض گزار ہوں کہ وہ صلاح وتقوی کی میزان میں انھیں تول کر ان کا وزن معلوم کریں۔

ہم سب چار بھائی تھے اور تین بہنیں، بھائیوں میں میں سب سے چھوٹا ہوں اور بہنوں میں دو مجھ سے بڑی اور ایک مجھ سے چھوٹی تھی، میرے تمام بھائی اور بہن اللہ غفور رحیم کے ذمہ ہیں۔

میرے بڑے بھائی کا نام عبدالمعبود تھا، دوسرے بھائی، منجھلے کا نام عبدالودود اور تیسرے بھائی کا نام سعود تھا، جو مجھ سے دو سال یا کچھ کم بڑے رہے ہوں گے، اس مضمون میں ان شاء اللہ اپنے دو بھائیوں کا ذکر کروں گا بڑے بھائی کا ذکر ''بھیا'' سے اور منجھلے کا ذکر ''بابو'' سے کروں گا۔

میرے دونوں بڑے بھائی تعلیم یافتہ تھے اور تیسرے زیادہ تعلیم نہیں حاصل کر سکے تھے اور کھیتی باڑی سے وابستہ تھے، وہ ''ٹی بی'' کے مریض تھے اور غربت کے باعث ان کا خاطر خواہ علاج نہیں ہو سکا تھا۔

بھیا کی تعلیم کتنی تھی مجھے اس کا علم نہیں، البتہ یہ معلوم ہے کہ بھیا اور بابو دونوں دلی کے مشہور مدرسہ ''رحمانیہ'' میں پڑھنے کے لئے گئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ملک کی تقسیم کا فیصلہ ہو چکا تھا اور انگریز یہاں سے جانے کے لئے بوریا بستر باندھ رہے تھے پورا ملک فسادات کی لپیٹ میں آ چکا تھا اور مسلمانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا جا رہا تھا، جس کے نتیجے میں ہمارے یہ دونوں بھائی اور ان کی طرح بے شمار طلباء دلی میں پھنس گئے تھے۔

میرے ذہن میں انتری واپسی کے وقت بھیا کی تو کوئی تصویر محفوظ نہیں ہے، لیکن میں نے اس وقت بابو کو جس حالت میں دیکھا تھا وہ ذہن کے پردہ پر محفوظ ہے، سر کے بڑھے ہوئے پراگندہ بال، بدن پر نہایت گندے کپڑے اور چہرے پر پریشانیوں کے آثار، اس عمر میں صرف میرے سر کی آنکھیں کام کر رہی تھیں، رہیں دل و دماغ کی آنکھیں تو وہ بے نور تھیں۔

واپسی کے کچھ دنوں بعد بھیا بغرض تعلیم فیض آباد کے مشہور قصبہ ٹانڈہ کے مدرسہ ''کنز العلوم'' چلے گئے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء میں جب میں بابو کی انگلی پکڑے ہوئے کنز العلوم کے بڑے اور شاندار گیٹ سے اندر داخل ہو رہا تھا تو میں نے

گیٹ کی بائیں طرف دیوار پر نہایت خوبصورت اور بڑے حروف میں ''کنز العلوم'' لکھا ہوا دیکھا تھا اور بابو نے بتایا تھا یہ بھیا نے لکھا ہے۔

کنز العلوم ایک حنفی مدرسہ ہے، اس میں فقہ حنفی کی ہدایہ اور نور الانوار، نحو میں کافیہ اور شرح جامی اور علم المعانی اور البیان میں مفتاح العلوم تک تعلیم ہوتی تھی، بھیا نے اس میں کس مرحلے تک تعلیم حاصل کی تھی مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔

بعد میں اسی مدرسہ میں بابو نے بھی تعلیم حاصل کی تھی، اس وقت اس کا عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے الحاق ہوگیا تھا اور بابو نے اس بورڈ سے ''عالم'' کی سند حاصل کی تھی، یہ ''فاضل'' سے ایک درجہ کم تھا اور فاضل مذکورہ بورڈ کا سب سے اعلیٰ درجہ تھا۔

بابو ذہانت اور علم کے شوق میں بھیا پر برتری رکھتے تھے اور مکتب ہی کے مرحلہ سے اول آتے تھے، اس کی وجہ سے بھیا ان سے جلتے تھے اور بعد میں ان کی جلن بابو کی تحقیر اور تذلیل میں تبدیل ہوگئی اور تا عمر باقی رہی اور ''بھابھی'' نے اس کو ہوا دینے میں زبردست کردار ادا کیا، بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ بطور ابتلا اور آزمائش ایسی صلاحیتیں عطا کردیتا ہے کہ وہ بلا کسی قصور دوسرے لوگوں کو ایذائیں دیتے ہیں اور ان کو اپنی خواہشات کی راہ میں رکاوٹ تصور کرکے ان کے درپۓ آزار بن جاتے ہیں، اس کی مثال برادران یوسف علیہ الصلوۃ السلام کا وہ بغض وکینہ ہے، جو ان کو اپنے چھوٹے اور چاند سے بھائی سے تھا اور ان کی نظر میں اس معصوم کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اپنی پاکیزہ خصلتوں کے باعث اپنے عظیم باپ کو محبوب تھا'' اذ قالوا ليوسف وأخوه أحب الى أبينا منا و نحن عصبة ان أبانا لفي ضلال مبين ''ذرا اس وقت کو یاد کرو جب انھوں نے کہا تھا'' درحقیقت یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہے، جبکہ ہم ایک جتھا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے باپ کھلی ہوئی غلطی پر ہیں۔(یوسف:۸)

کنز العلوم سے واپس ہونے کے بعد کسی وقت دونوں بھائیوں کی شادیاں

ایک ہی دن ہوئیں، دونوں کی ہونے والی بیویاں آپس میں ایک دوسرے کی چچازاد بہنیں تھیں اور بھیا کی ہونے والی بیوی، میری بڑی بھابھی، بھیا کی چچازاد اور بابو کی ہونے والی بیوی ان کی اور ہم سب کی خالہ زاد اور چچازاد بہن تھی۔

بھیا نے شادی سے ایک دن پہلے اپنے چھوٹے بھائی سے جو امتیازی سلوک کیا وہ یہ کہ بابا نے ان کو اپنے لئے اور بابو کے لئے جوتے خریدنے کے لئے جو پیسے دیئے تھے وہ ان سے اپنے لئے تو ایک شاندار اور قیمتی بوٹ اور بابو کے لئے ایک معمولی سے کچھ اچھی سینڈل خرید لائے اس بوٹ اور سینڈل کو میں نے آج سے کوئی ستر برس پہلے دیکھا تھا مگر آج تک ان کی شکلیں میرے ذہن کے پردہ پر نقش ہیں اور اپنے سینڈل دیکھ کر بابو کے چہرے پر، کرب کی جو علامتیں ابھری تھیں ان کو میں آج تک نہیں بھلا سکا ہوں۔

بابو کی یہ بیوی حسن صورت اور حسن سیرت کی پیکر تھیں وہ اپنی ماں کے گھر سے نکل کر اپنی خالہ کے گھر آ گئی تھیں اس طرح یہ نیا گھر بھی انہی کا گھر تھا، ان کی معصوم مسکراہٹیں ان کی مسرت وشادمانی اور مجھ سے ان کا محبت آمیز برتاؤ یہ سب ناقابل نسیان ہے لیکن اس ناپائدار اور فانی دنیا میں اچھی چیزوں کی عمر بہت کم ہوتی ہیں اور عائشہ بھابھی بھی جب ہمارے گھر سے اپنے میکے گئیں تو پھر واپس نہیں آئیں، چند دن ''ہیضہ'' میں مبتلا رہ کر سب کو داغ مفارقت دے گئیں۔

عائشہ بھابھی کی المناک موت کے وقت بابو تلاش روزگار کے سلسلے میں بمبئی میں تھے، وہیں ان کو بیوی کی موت کی خبر ملی تو ان کا اطمینان وسکون جاتا رہا اور ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی، بیکار بھی تھے، بے ارادی میں مشہور شاعر مجروح سلطان پوری کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مدرسہ کنز العلوم کے حوالہ سے اپنا تعارف کرایا اور تلاشِ روزگار کے سلسلے میں ان سے تعاون کی درخواست کی، مجروح کنز العلوم کے پڑھے ہوئے تھے، بابو سے بڑے اخلاق سے پیش آئے اور کہا کہ میں فلمی دنیا سے وابستہ ہوں

اور یہ نہیں چاہتا کہ اس عمر میں تم اس گندی فضا سے اپنے آپ کو ملوث کرو، اور فلمی دنیا سے باہر کی دنیا کے لوگوں سے میری واقفیت بہت محدود ہے، ہاں اگر تمہیں شعر وشاعری سے کوئی دلچسپی ہے اور تم فلمی گانے لکھ سکتے ہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، بابو نے کہا مجھے شعر وشاعری سے کچھ لگاؤ ہے، آپ مجھے کوئی موضوع دیجئے تو میں اس کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کروں گا، مجروح نے اسی وقت کسی بننے والی فلم کے کسی پلاٹ کو سمجھا کر کہا کہ اسی پر کوئی غزل نما گانا لکھ کر لاؤ تو میں اس کو دیکھ کر رائے دے سکتا ہوں، میں یہ عرض کردوں کہ بابو کو اردو ادب کا بڑا استھرا ذوق تھا اور شعر فہمی اور شعر گوئی دونوں سے متصف تھے ضرورت تھی تو ان کو ''جلا دینے کی'' رات کو مجروح صاحب کے بتائے ہوئے ''پلاٹ'' طبع آزمائی کی اور ایک ''غزل نما'' گانا لکھ کر دوسرے دن جا کر ان کو دکھایا مجروح نے ان کا گانا دیکھ کر برجستہ کہا! تم تو شاعر ہو' پھر بابو کے لکھے ہوئے گانے میں کچھ اصلاح کردی اور کہا کہ اسی روشنی میں وہ گانا دوبارہ لکھ کر لاؤ، بابو وہاں واپس چلے گئے جہاں ان کا قیام تھا، بابو بتاتے تھے کہ رات آئی اور میں نے سوچا کہ مجروح صاحب کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق گانے کے ''بول'' لکھوں، یکا یک میرے سامنے کنز العلوم میں اپنی تعلیمی زندگی کے مناظر، اپنا خاندانی پس منظر، اسلام کے ایک سچے داعی کی حیثیت سے بابا کی تصویر اور نہ جانے کیا کیا چیزیں ایک ایک کر کے ظاہر ہونے لگیں اور گانا لکھنے کا خیال مجھے ڈراونا نظر آنے لگا، میں نے رات کسی طرح کاٹی اور صبح ہوتے ہی ساتھیوں کو اطلاع دیئے بغیر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑا، وہاں دلی کا ٹکٹ خریدا اور وہاں پہنچ کر کوئی مناسب مدرسہ تلاش کرنے لگا، ایک جگہ ایک عمارت کے دروازے پر ایک بورڈ نظر آیا جس پر لکھا تھا ''مدرسہ عبدالرب'' اندر گیا، جو صاحب نظر آئے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انھوں نے چند سوال کئے اور ان کا جواب سن کر مجھے مدرسہ کے آخری سال میں داخل کرلیا، بابو نے بتایا کہ مدرسہ میں قیام کا معقول انتظام تھا اور اساتذہ

ذی علم اور با اخلاق تھے۔

بابو نے مدرسہ عبدالرب کے آخری درجہ کا سالانہ امتحان ممتاز نمبرات سے پاس کرلیا اوران کو جو ''رمزی'' انعامات ملے، ان میں ''علم القراءات'' کے موضوع پر ایک کتاب بھی تھی جو اردو میں تھی اور نہایت اعلی طباعت سے مزین تھی، رہی اس کی علمی قدر و قیمت تو اس کے ادراک سے میں قاصر تھا۔

دلی سے واپس آنے کے بعد بابا نے بابو کی شادی کردی، میری بھابھی بھی بمشکل ایک سال تک زندہ رہ کر وفات پا گئیں اور بابو اس مصرع کے مصداق بن گئے ؎

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

بابو بجھ سے گئے تھے ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے، عربی مدارس میں تعلیمی سال ختم ہونے کو تھا پھر بھی کنز العلوم میں اپنے استاذ مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ کو خط لکھا، جس میں اپنے حالات لکھنے کے بعد کنز العلوم میں اپنی تعلیم پوری کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، ساتھ ہی تاخیر سے خط لکھنے پر معذرت بھی کردی، مولانا نے فوراً ان کو جواب لکھا وہ کچھ اس طرح کا تھا ''فوراً آجاؤ کنز العلوم کا دروازہ تمہارے خاندان کے ہر فرد کے لئے سال کے بارہ مہینے کھلا ہوا ہے'' مگر بابو نے اپنے استاذ کو دوبارہ لکھا کہ رمضان کے بعد جب شوال میں نیا سال شروع ہوگا تو میں آجاؤں گا، مولانا نے اس کی تصویب فرمادی۔

بھیا تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخل ہوچکے تھے۔

رہا میں تو بابا نے تین یا ساڑھے تین سال قبل مجھے بحر العلوم سے ملحق مکتب میں داخل کردیا، جہاں میں نے درجہ اول پاس کرلیا تھا اور درجہ دوم میں پڑھ رہا تھا، بابا نے مجھے درمیان ہی میں مکتب سے اٹھالیا تھا اور خود ہی مجھے قرآن حفظ کرانا شروع کردیا تھا، جبکہ میں بمشکل قرآن پاک پڑھ سکتا تھا اور وہ بھی اردو کی دوسری کتاب کی مدد سے، کیونکہ اردو اور عربی کے حروف ایک ہیں، صرف اردو کے چند حروف زیادہ ہیں، ویسے بابا مجھے

قرآن پاک زبانی یاد کراتے تھے۔

واضح رہے کہ میں نے اردو صرف ڈیڑھ سال پڑھی ہے اور اردو کی دوسری کتاب پڑھ رہا تھا کہ بابا نے مکتب سے اٹھالیا تھا، پھر کسی سے یہ زبان سیکھنے کا موقع نہیں ملا، میں جو اردو لکھتا یا بولتا ہوں وہ پہلے درجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے پھر اپنے ذاتی مطالعہ سے سیکھی ہے، دوسرے لفظوں میں مکتب کے درجہ دوم میں اردو پڑھانے والے معلم کے بعد پھر کسی معلم نے مجھے اردو نہیں پڑھائی، بایں ہمہ مکتب سے اٹھائے جانے کے کوئی آٹھ سال بعد میں نے جامعہ اردو علی گڈھ کی سب سے اعلیٰ سند ''ادیب کامل'' حاصل کی اور ٹانڈہ کے ڈگری کالج میں پڑھنے والے بعض طلباء کو ادیب کامل سے نیچے کی ڈگری ''ادیب ماہر'' کے امتحان کی تیاری کرائی ہے۔

اردو کی دوسری کتاب میں ایک مضمون کا عنوان تھا ''جامعہ ازہر'' نیچے درج تھا'' مصر میں ایک قدیم یونیورسٹی جامعہ ازہر ہے، جس کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ ہے اور اس میں پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

جب میں نے یہ پڑھا تھا اس وقت میرا ذہن اس یونیورسٹی کی عظمت کے ادراک سے قاصر تھا، پھر بھی میرے چھوٹے سے دل کے کسی کونے میں اس عظیم درس گاہ میں پڑھنے کی خواہش ابھری تھی، جو درحقیقت اس عمر میں ایک ناقابل تعبیر خواب سے عبارت تھی، مگر خالق کائنات نے ہندوستان اور مصر کے درمیان طویل مسافت کو اپنی قدرت کاملہ سے سمیٹ دیا اور مجھے وہاں پہنچادیا۔

بابا نے مکتب سے اٹھالینے کے بعد خود مجھے قرآن یاد کرانا شروع کردیا، شاید انہی دنوں میں بھیا نے ''تکمیل الطب کالج'' میں داخلہ لیا تھا، اور کوئی سال بھر بعد بابا نے بھیا کے ساتھ مجھے لکھنؤ بھیج دیا، تاکہ میں وہاں تحفیظ القرآن کے مشہور مدرسہ'' الفرقانیہ'' میں قرآن پاک حفظ کرسکوں، بھیا لے کر مجھے الفرقانیہ گئے، اس کے ناظم اعلیٰ

سے ملاقات کی جنہوں نے مجھے اپنے مدرسہ میں داخل کرلیا اور پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کردیا، اس مدرسہ کی جو چیز مجھے اب تک یاد ہے وہ یہ کہ ہمیں ہر روز صبح مدرسہ کے بانی مولانا عین القضاۃ کی پختہ قبر اور دو یا تین دوسری پختہ قبروں کے پاس باری باری قرآن خوانی کرنی پڑتی تھی، میں اس عمر میں شعوری توحید کا لذت آشنا تو نہ تھا، لیکن جس فطری توحید پر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا، دل کی آنکھوں میں اس کی روشنی موجود تھی، پھر بابا کی پاکیزگی کے شب وروز تو دیکھ بھی چکا تھا اور برت بھی چکا تھا اس لئے قبر پرستی دل میں جگہ نہ بنا سکی۔

بھیا کا مزاج، جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں، نہایت خشک، بلکہ سخت تھا اور اپنے اس مزاج کے باعث بچوں سے پیار ومحبت کے مفہوم سے نا آشنا تھے، حتی کہ میں جتنی مدت فرقانیہ میں زیر تعلیم رہا اس مدت میں، مجھے داخلہ دلانے کے بعد سے ایک بار بھی جا کر وہاں کے ذمہ داروں سے میرے تعلیمی کیریر کے بارے میں استفسار نہیں کیا، اور میں وہاں ایک یتیم بچہ کی طرح پڑھتا رہا، واضح رہے کہ بھیا بڑے خوش وضع (HAND SOME) تھے اور موثر شخصیت کے مالک تھے، جب پہلی بار وہ مجھے لے کر وہاں گئے تھے اور فرقانیہ کے ناظم سے ملے تھے تو وہ بہت متاثر ہوئے تھے اور فوراً مجھے پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ دے کر داخل کرلیا تھا۔

یہی نہیں بلکہ چھ سات ماہ کی جو مدت میں نے وہاں گزاری تھی، اس مدت میں ایک بار بھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے کتنا قرآن حفظ کیا ہے، مدرسہ کا ماحول کیسا ہے اور وہاں کے اساتذہ اور طلبا کا برتاؤ کیسا ہے؟ اور میں ان سے اس درجہ خوف زدہ رہتا تھا کہ ان کو کچھ بتانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔

یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں نے ڈاکٹر عبدالباری مرحوم کو وہاں دیکھا تھا اور ان کے کمرے میں جاتا رہتا تھا، مرحوم بھیا کے ہم جماعت تھے اور وہاں واقع مسجد

سے ملحق جو تین کمرے بنے ہوئے تھے ان میں سے پہلے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے تھے اور تیسرے کمرے میں بھیا اور درمیانی کمرے میں برڈپور کے علاقہ کے ایک اور صاحب تھے جو حکیم عبیداللہ مرحوم کے عزیز تھے۔

مجھے نہیں یاد ہے کہ ڈاکٹر عبدالباری نے مجھ سے کبھی بات کی ہو اور پوچھا ہو کہ میں کہاں اور کیا پڑھتا ہوں؟ یا تو یہ ان کا مزاج تھا یا وہ مجھ جیسے کم حیثیت بچہ سے بات چیت کو اپنی کسر شان تصور کرتے تھے، رہا میں تو اس سے بہت فروتر تھا کہ ان سے ہم کلام ہوں۔

یہاں میں یہ عرض کردوں کہ بھیا اور ڈاکٹر عبدالباری مرحوم نے طب کی تعلیم تو تکمیل الطب کالج میں حاصل کی تھی دوسرے لفظوں میں ''حکمت'' پڑھی تھی، لیکن اپنے نام سے پہلے ''حکیم'' کے بجائے ''ڈاکٹر'' لکھتے تھے، تو اس کا سبب یہ تھا کہ حکیم مولوی کے مترادف ہونے کی وجہ سے غیر مرغوب فیہ لقب بن چکا تھا، اور ''ڈاکٹر'' انگریزی اصطلاح ہونے کی وجہ سے ترقی پسندی کی علامت اور مطلوب ہوگیا تھا، جب کہ امر واقعہ کی رو سے انگریز ہمارے ملک کے غاصب اور ہمارے دین، ہماری ثقافت اور ہماری تہذیب کے دشمن ہونے کے ناطے ہمارے لئے قابل نفرت تھے، مگر چونکہ اپنے دین واخلاق اور ثقافت وتہذیب سے ہمارا تعلق کمزور ہوچکا تھا، اس لئے ہم احساس کمتری کے شکار تھے اور انگریزی زبان اور انگریزی ثقافت کی صورت میں ہمیں اپنی متاع گمشدہ نظر آرہی تھی۔

بہرحال بھیا کی تعطیلات میں گاؤں واپس آنے کے بعد میں دوبارہ لکھنؤ نہیں گیا۔

اوپر میں یہ عرض کررہا تھا کہ دوسری بھابھی کے انتقال کے بعد بابو کنز العلوم میں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کا فیصلہ کرچکے تھے اور مناسب وقت کا انتظار کررہے تھے اور جب وہ وقت آیا تو انھوں نے بابا سے نہایت عزت واحترام کے ساتھ عرض کیا کہ سعید کی

زندگی یہاں تباہ ہو رہی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھ اسے بھی لیتا جاؤں اور کنز العلوم میں داخل کرادوں، جہاں وہ قرآن پاک حفظ کرے گا، کنز العلوم ہمارے خاندان کی مادر علمی رہا ہے، وہیں میرے بڑے بہنوئی حکیم احمد حسن صبوحی رحمہ اللہ نے اس وقت تعلیم حاصل کی تھی جب میں ''عالم عدم'' میں تھا وہیں بھیا نے بھی پڑھا تھا، اور اب ہمارے پیارے بابو مجھے ساتھ لے کر اس میں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے آئے تھے، اس طرح بابا کنز العلوم اور اس کے اساتذہ سے غائبانہ واقفیت رکھتے تھے اور کنز العلوم کے صدر مدرس اور مہتمم مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ اور دوسرے اساتذہ بھی ہمارے بابا کو ایک بڑے عالم اور اسلام کے عظیم داعی کی حیثیت سے جانتے تھے اور ہمارے عظیم ماموں مولانا ممتاز علی اور مولانا علیم اللہ رحمہا اللہ کے درمیان ایک بار ٹانڈہ ہی میں ملاقات ہو چکی تھی۔

جولائی ۱۹۵۵ء میں بابو کا انگلی پکڑے ہوئے میں کنز العلوم کے بڑے گیٹ سے عصر کے بعد داخل ہوا، اساتذہ جا چکے تھے، مولانا وکیل الدین رحمہ اللہ جو کنز العلوم کے مفتی تھے، مدرسہ ہی میں رہتے تھے، شاید وہ اس وقت وہاں تھے، مگر ان کی سادگی نے مجھے ان کی طرف متوجہ نہیں کیا۔

دوسرے دن صبح بابو مجھے لے کر مولانا علیم الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ میں بابا سے سعید کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ لایا ہوں، کہ وہ یہاں حافظہ کرے گا، مگر میری خواہش ہے کہ یہاں اس کو فارسی کے شعبہ میں داخل کر دیا جائے جہاں وہ فارسی کے ساتھ اردو بھی پڑھے، اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا ''تم اپنے والد سے جو کہہ کر سعید کو یہاں لائے ہو، بنیادی طور پر وہی کرے گا، یعنی حافظہ اور اس کو حافظہ قاری صاحب نہیں کرائیں گے، میں کراؤں گا، اب اگر حافظہ کے بعد اس کے پاس وقت رہا تو مجھے اس کے فارسی پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کتنا قرآن یاد کیا ہے، پھر مجھے

کوئی سورت پڑھنے کو کہا، جو میں نے ان کو خوف آمیز لہجے میں سنادی، اس پر انھوں نے کوئی تبصرہ کئے بغیر بابو سے فرمایا ''اس کو فارسی کے استاذ کے پاس لے جاؤ اور ان سے اس کا تعارف کرادو، کل سے ان شاء اللہ وہ پہلے میرے پاس آئے گا، مجھ سے سبق لے گا اور پھر شعبۂ فارسی میں فارسی سیکھنا شروع کردے گا''۔

میں جب مولانا اور فارسی کے استاذ مولانا جمیل رحمہ اللہ کے پاس سے بابو کیساتھ کمرہ میں گیا، تو میں نے بابو سے کہا'' بابو میں مولانا سے نہیں پڑھوں گا، مجھے ان سے ڈر لگتا ہے، بابو نے فرمایا! مولانا بہت اچھے استاذ ہیں اور بچوں سے بہت محبت کرتے ہیں، اگر تم ان کے حکم پر چلو گے اور ان کا سبق خوب یاد کر کے جاؤ گے تو وہ تم سے بہت خوش ہوں گے، مولانا بچوں کو کبھی نہیں ڈانٹتے اور نہ خوف زدہ کرتے ہیں، اگر تم اپنا سبق خوب محنت کر کے یاد کرو گے تو وہ تم سے محبت کریں گے، تمہاری تعریف کریں گے اور تمہارا حوصلہ بڑھائیں گے، اب تم وہ آیتیں خوب یاد کرو جو مولانا تم کو یاد کرنے کے لئے دی ہیں۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، کنز العلوم حنفی مدرسہ تھا، اس کے سارے اساتذہ دیوبند سے فارغ تھے اور مولانا علیم اللہ مشہور دیوبندی عالم اور بزرگ مولانا حسین احمد مدنی کے ہم جماعت تھے، ان کو مولانا مدنی جیسی شہرت تو حاصل نہیں تھی، مگر اپنے علم وفضل اور اپنے صلاح وتقوی میں ان پر برتری حاصل تھی، مزید برآں کہ ان کی ذات تعصب مذہبی سے پاک تھی، سنت کے مثالی پیرو تھے، قرآن پاک کے جید حافظ تھے، ان کی اپنی مسجد تھی جس میں وہی امامت کرتے تھے، جو نماز اس کے اول وقت میں ادا کرتے، فجر کی نماز میں سنت کے مطابق طویل قرأت کرتے جمعہ کی فجر کی پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسرے رکعت میں سورہ دھر کی تلاوت پر دوام تھا۔

مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ کا تصوف سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا، نہ فکری ونظریاتی

اور نہ علمی وسکولی، وہ تبلیغی جماعت سے بھی کوئی وابستگی نہیں رکھتے تھے، وہ علمائے دیو بند اور تبلیغی جماعت کے مشائخ کا احترام تو کرتے تھے لیکن حنفیت اور تبلیغیت میں ان کے ہمنوا نہیں تھے، میں نے کنز العلوم میں اپنے زمانہ طالب علمی میں کئی بار مولانا مدنی کو وہاں دیکھا ہے، مولانا علیم اللہ ان کا اپنے ہم جماعت اور ایک بڑے عالم کی حیثیت سے خیر مقدم کرتے تھے، مگر ان کی آمد پر ''ہٹو بچو'' کی صدا نہیں لگتی تھی۔

کنز العلوم میں حنفی اور اہل حدیث طلبا مل جل کر رہتے تھے، لیکن وہاں مذہب ومسلک اور تقلید وعدم تقلید کے مسائل زیر بحث نہیں آتے تھے، اہلحدیث طلباء سنت کے مطابق نمازیں ادا کرتے تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں لگتی تھی، بلکہ میرے اس مضمون کے قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی اور تعجب بھی کہ کنز العلوم میں داخل ہونے کے چند ہی ماہ بعد مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ کے حکم پر جمعرات اور جمعہ کی نمازوں کی امامت میں ہی کراتا تھا، جبکہ اپنی عمر اور مسلک دونوں اعتبار سے علمائے احناف کے نزدیک میری امامت درست نہیں تھی یا ''مکروہ تحریمی'' تھی، لیکن مولانا کے نقطۂ نظر سے میں امامت کا اہل اس وجہ سے تھا کہ میں ان کی نظر میں اللہ کی کتاب صحت کے ساتھ پڑھتا تھا، جمعرات اور جمعہ کی خصوصیت کا سبب یہ تھا کہ ''قاری'' صاحب جمعرات کو ظہر کی نماز سے پہلے ہی اپنے گھر چلے جاتے تھے اور سنیچر کو صبح سات بجے واپس آتے تھے۔

قصبہ ٹانڈہ میں صرف ایک گھر اہل حدیث کا تھا اور وہ مشہور اہل حدیث عالم مولانا فضل الرحمٰن رحمہ اللہ کا گھر تھا، مولانا مرحوم کنز العلوم کے قیام ہی کے وقت سے اس میں حدیث پڑھاتے تھے اور جب میں وہاں پہنچا تھا تو وہ ضعف پیری کی وجہ سے کنز العلوم سے مستعفی ہو چکے تھے، ان کے بعد وہاں حدیث پڑھانے والا کوئی اور نہیں آیا۔

مدرسہ کی جو خاص مسجد ہے وہ بڑی خوبصورت ہے، اس کی دیواروں پر گول

دائرہ میں مسلک اہل حدیث کی مؤید حدیثیں خوبصورت خط میں لکھی ہوئی ہیں، یہ حدیثیں مولانا فضل الرحمٰن رحمہ اللہ نے اس وقت لکھی تھیں جب وہ کنز العلوم میں حدیث کے استاذ تھے۔

اپنے سابق سلسلۂ کلام کی طرف واپس آتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ حسب پروگرام اگلے دن میں نے مولانا علیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو وہ آیتیں سنادیں، جوانھوں نے یاد کرنے کے لئے دی تھیں اور پھر ان سے نیا سبق لے کر فارسی کے استاذ مولانا جمیل احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا اور ان سے فارسی کی پہلی کتاب کا سبق لیا، پھر فارسی افعال کی گردان کی کتاب ''آمدنامہ'' کا پہلا سبق لیا اور درجہ ہی میں اپنے ہم جماعت بچوں کے ساتھ سبق یاد کرتا رہا، مولانا جمیل احمد رحمہ اللہ بچوں کو بہت پیار ومحبت سے پڑھاتے تھے، وہ فارسی زبان کے ماہر تو تھے ہی، اردو زبان بھی بڑی خوبصورت لکھتے اور بولتے تھے اور بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق اسباق کا ترجمہ کرتے تھے، ان کا قیام ٹانڈہ ہی کے کسی محلے میں تھا ان سے جو کچھ پڑھتا، درجہ ہی میں بیٹھ کر اسے یاد کرلیتا۔

مدرسہ کنز العلوم میں تعلیم ایک ہی وقت میں صبح سات بجے سے ایک بجے ظہر کے وقت تک ہوتی تھی، احناف ظہر کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھتے ہیں اس طرح سردیوں میں ظہر کی اذان ایک بجے کے قریب اور گرمیوں میں ڈیڑھ بجے ہوتی تھی، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد بچے دوپہر کا کھانا کھاتے اور عصر تک سوتے اور آرام کرتے اور عصر کے بعد اس دن کے اسباق یاد کرتے جس کا سلسلہ مغرب تک جاری رہتا۔

کنز العلوم کے مفتی اور استاذِ فقہ مولانا وکیل الدین رحمہ اللہ مدرسہ ہی میں قیام فرماتے تھے اور جو کھانا ہم طلباء کھاتے تھے، وہی وہ بھی کھاتے تھے، مولانا رحمہ اللہ نہایت صالح اور پاکیزہ انسان تھے، درس گاہ سے باہر قدرے باوقار اور پر ہیبت رہتے، لیکن

درسگاہ میں بڑے باغ و بہار بن جاتے اور پڑھاتے وقت خود بھی ہنستے اور ہم طلباء کو بھی ہنساتے وہ نہایت سادہ زندگی گزارتے تھے اور گرمیوں میں ''صحن مدرسہ'' میں کسی بھی جگہ کھردری چارپائی ڈال کر اور سر کے نیچے معمولی تکیہ رکھ کر سو جاتے اور سر رکھتے ہی گہری نیند میں چلے جاتے وہ مدرسہ کا معمولی کھانا اس طرح کھاتے گویا لذیذ ترین کھانا ہے، اللہ کی نعمت کی یہ قدر دانی ان کے حسن قناعت کی علامت اور دلیل تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد میں بابو سے عربی پڑھتا، عربی نصاب تعلیم کے مطابق میں نے عربی کا آغاز ''میزان منشعب'' سے کیا اور جلد ہی اسے سمجھ کر یاد کر لیا، پھر نحو میر اور صرف میر اور پھر تیسیر المبتدی بابو ہی سے پڑھی، ان کتابوں کی تعلیم کی یہی ترتیب تھی یا کچھ اور، یاد نہیں، سالانہ امتحان شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق مارچ ۱۹۵۶ء میں، یعنی میرے پہلی فارسی شروع ہونے کے آٹھ ماہ بعد، اور میں نے جن کتابوں میں امتحان دیا وہ فارسی کی پہلی کتاب، آمد نامہ اور گلزار دبستان اور عربی میں میزان منشعب، صرف میر اور نحو میر اور تیسیر المبتدی، اور اللہ کے فضل و توفیق سے امتحان میں اول آیا، حفظ قرآن میں کوئی امتحان نہیں لیا گیا۔

تعطیلات میں بابو کے ساتھ گھر گیا، اور شعبان کے بقیہ ایام، پورا رمضان اور شوال کے کچھ دن گھر میں گذرے، اور رمضان میں، قرآن پاک کے حفظ کردہ پارے تراویح میں سنائے، عشاء کی فرض نماز پڑھانے کے بعد بابا پہلے آجاتے اور مجھے آگے بڑھا دیتے اور آٹھ رکعتوں میں ایک پارہ تلاوت کرتا، شاید اس وقت تک میں ۱۵/ پارے حفظ کر چکا تھا، مگر یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں کبھی جید حافظ قرآن نہ بن سکا، رہا قاری قرآن تو میں اس کی سرحد تک بھی نہیں پہنچ سکا، کیونکہ میں اس کی بنیادی صفت ''حسن صوت'' سے محروم تھا اور دوسروں کی نقل کر کے اس میں کچھ بہتری لا سکتا تھا، لیکن نقالی اور تقلید سے مجھے دلی نفرت تھی۔

شوال ۱۳۷۵ھ مطابق مئی ۱۹۵۶ء میں، کنزالعلوم میں میرا دوسرا سال تھا، اس سال میں نے انہی اساتذہ سے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، فارسی کے استاذ سے گلستاں اور بوستاں، فقہ کے استاذ مولانا وکیل الدین سے ''مالا بدمنہ'' اور بابو سے ہدایۃ النحو اور پنج گنج پڑھی اور سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب رہا اور حفظ قرآن حسب سابق مولانا علیم اللہ ہی کے زیر نگرانی کرتا رہا۔

تیسرا سال بھی شوال ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں شروع ہوا، جس میں میں نے مولانا جمیل سے انوار سہیلی اور سکندر نامہ کا کچھ حصہ پڑھا، فقہ کے استاذ سے قدوری اس سال میں باقاعدہ عربی شعبہ سے منسلک ہوگیا، اور بابو سے پڑھنے کے بجائے مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ کے لڑکے مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ سے اصول فقہ کی کتاب اصول الشاشی ،عربی کی کتاب ازہار العرب پڑھی اور مولانا وکیل الدین رحمہ اللہ سے تفسیر الجلالین کا کچھ حصہ پڑھا۔

اسی سال میں نے امتحانات عربی وفارسی (ARABICANDPERSIAN EXAMINATIONS) الہ آباد بورڈ سے ''مولوی'' کا فارم بھرا، جس کا امتحان فروری ۱۹۵۸ء مطابق رجب ۱۳۷۷ھ میں، الہ آباد میں ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے میں اس میں اول (FIRST DIVISION) رہا۔

مولوی کا امتحان میں نے کنزالعلوم میں فارسی کی پہلی کتاب اور آمدنامہ اور عربی کی پہلی کتاب ''میزان منشعب'' شروع کرنے کے صرف دو برس چھ ماہ بعد دیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وتوفیق سے مجھے اول درجہ سے سرفراز فرمایا۔

چوتھے سال ۱۹۵۸ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں فقہ میں شرح وقایہ، تفسیر میں ''نسفی'' اصول فقہ میں ''نورالانوار'' ادب وشعر میں ''متنبّی'' اور نفحة اليمن ''معانی وبیان میں'' تلخیص المفتاح ''اور نحو میں ''کافیہ'' پڑھی۔

اسی سال میں میں نے امتحانات عربی و فارسی، الہ آباد کے دوسرے امتحان ''عالم'' کے فارم پُر کئے، جس کا امتحان فروری ۱۹۵۹ء مطابق رجب ۱۳۷۸ھ میں ہوا اور اس میں درجہ دوم میں کامیاب رہا۔

جس سال میں نے ''مولوی'' کا امتحان دیا تھا، اسی سال بابو نے امتحانات عربی و فارسی کے سب سے اعلیٰ درجہ ''فاضل ادب'' کا امتحان دیا تھا، جس میں وہ اول آئے تھے اور امتحان دینے کے بعد ہی کنز العلوم سے گاؤں ''انتری بازار'' واپس چلے گئے تھے اور مجھے ٹانڈہ ہی کے اپنے چند احباب سے یہ کہہ کر حوالے کر گئے تھے کہ وہ میرا خیال رکھیں گے اور ہفتہ میں کم از کم ایک بار کنز العلوم آکر میری تعلیمی رفتار معلوم کرتے رہیں گے، بابو کے احباب پابندی سے میری دیکھ بھال کرتے تھے اور میرے مصارف کے لئے انھوں نے اپنے توسط سے ''دو ٹیوشن'' کا انتظام بھی کر دیا تھا، جس سے مجھے ماہانہ مبلغ آٹھ روپئے مل جاتے تھے، اور اس زمانہ میں میرے اخراجات کے لئے کافی ہو جاتے تھے۔

جس سال میں اور بابو کنز العلوم میں آئے تھے اس کے ایک سال بعد بابو انتری سے مولانا عبدالحمید شفیقی اور مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہما اللہ کو بھی کنز العلوم میں لائے تھے، کنز العلوم میں ان دونوں بزرگوں کا تعلیمی مرحلہ ان کی عملی زندگی، بلکہ ان کے افکار و رجحانات کا رخ بدلنے میں ایک اہم عنصر کا درجہ رکھتا ہے، اس کے بعد انتری اور قرب وجوار کے دوسرے گاؤں کے طلباء نے بھی کنز العلوم میں کسب فیض حاصل کیا تھا یاد رہے کہ مولانا عبدالحمید رحمہ اللہ میری چھوٹی بہن کے رضاعی بھائی تھے، کیونکہ اس نے مولانا کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کا دودھ پیا تھا۔

مولانا عبدالحمید اپنے نام کے آخر میں ''شفیقی'' جو لقب لگاتے تھے تو نام کے ساتھ یہ لقب لگانے کا خیال ان کے ذہن میں کنز العلوم کے زمانہ طالب علمی میں پیدا ہوا

تھا اور اس کا محرک ان کا یہ اعتقاد تھا کہ بابو یا میرے نام کے آخر میں جو لقب ’’عابدی‘‘ ہے اس کی نسبت بابا کے نام عابد علی کی طرف ہے، جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ لقب ’’عابدی‘‘ امام زید العابدین کی نسبت سے ہے، جن کا نام علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہے، کیونکہ نسبت عام طور پر قبیلے، خاندان یا خاندان کے دور کے کسی بزرگ کی طرف ہوتی ہے، باپ کی طرف نہیں ہوتی، اس طرح کے القاب اختیار کرنے کا رواج ۴۰۔۵۰ سال سے شروع ہوا ہے، بیٹے کے بعد ہی باپ کا ذکر آتا ہے اور دونوں کے درمیان ’’عطف بیان‘‘ ’’بن‘‘ یہ تعین کر دیتا ہے کہ اول الذکر ثانی الذکر کا بیٹا ہے یا ثانی الذکر اول الذکر کا باپ ہے، اس کے بعد بھی یائے نسبت کے ذریعہ باپ کی ’’ابوۃ‘‘ (FATHERHOOD) کی تاکید چہ معنی دارد؟

چونکہ میرے خاندان میں خصوصاً اور دوسرے خاندانوں میں عموماً اس بے معنی لقب کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے، اس لئے اس وضاحت کی ضرورت محسوس کی گئی۔

عالم اور فاضل کے درمیان دو سال کا گیپ لازمی تھا، اس لئے اپنے اساتذہ کے مشورے سے میں نے عالم کے بعد ’’منشی‘‘ کا امتحان دینے کا فیصلہ کیا، منشی میں ایک اختیاری مضمون حساب (ARITHMETIC) تھا جس کی جگہ ’’طب‘‘ کا مضمون لینے کا اختیار تھا، میں نے مکتب میں صرف ایک درجہ تک پڑھا تھا اور دوسرے درجہ میں گیا تھا کہ بابا نے مجھے مکتب سے اٹھا لیا تھا، اس طرح حساب سے میری واقفیت بہت معمولی تھی، کنز العلوم کے مکتب میں میڈل اسکول کے ایک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر صاحب تھے، جو علم الحساب میں ماہر تھے، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اختیاری مضمون میں طب کے بجائے حساب لے لو، میں تم کو اس میں ان شاء اللہ خوب تیار کر دوں گا، اور فعلاً انھوں نے مجھے حساب اس طرح پڑھایا اور مشق کرا دیا کہ مجھے یہ علم ’’منشی‘‘ کے معیار کے مطابق آ گیا۔

اس زمانے میں جون پور میں ایک نہایت ماہر اور حاذق حکیم تھے، جن کا اسم

گرامی منظور احمد تھا، اسی سال انھوں نے بھی منشی کا امتحان دینے کا فیصلہ کیا، جس کے لئے ان کا کسی ایسے مدرسہ سے تعلق ضروری تھا، جس کا امتحانات عربی و فارسی سے الحاق ہو، اس غرض کے لئے وہ کنز العلوم آ گئے اور وہیں سے منشی کا فارم بھرا، چونکہ وہ طب یونانی میں ماہر تھے اور طبابت میں بھی علاقے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، بنا بریں انھوں نے اختیاری مضمون حساب کے بجائے طب لیا، تاکہ ان کو زیادہ نمبرات مل جائیں، بہرحال جب امتحان دیا اختیاری مضمون میں انھوں نے طب یونانی لیا اور میں نے حساب، میں ان سے عمر اور علم دونوں میں بہت کمتر تھا، مگر جب نتیجہ نکلا تو میں سکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گیا اور وہ امتحان میں فیل ہو گئے اور جس مضمون میں فیل ہوئے وہ طب تھا۔

میں نے فروری ۱۹۶۱ء میں فاضل ادب کا امتحان دیا تھا اور جہاں تک مجھے یاد ہے ۱۹۶۰ء میں اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک عالمی پیمانے کی اسلامی یونیورسٹی کھلنے والی ہے، میرے دل میں ایسی عظیم درسگاہ میں اور وہ بھی **مدینة الرسول علیه الصلاة والسلام** میں پڑھنے کی خواہش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھولا کہ میں ایک تیسرے درجہ کے عربی اسکول کا طالب علم ہوں، مجھ جیسے کم حیثیت طالب علم کو اس جیسی عالمی یونیورسٹی میں علم حاصل کرنے کا موقع کہاں مل سکتا ہے، کنز العلوم کے اساتذہ میں بھی مجھے کوئی ایسا نہیں نظر آیا، جس سے میں اپنی خواہش بیان کرتا اور ان سے اس کی تکمیل کے لئے تعاون کی درخواست کرتا، پھر نہ معلوم کیوں، میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ میں مولانا مودودی رحمہ اللہ کو خط لکھوں اور ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کروں، چنانچہ میں نے مولانا کو خط لکھ دیا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں ان سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا، ایک ہفتہ میں مولانا کا جواب آ گیا، جس میں مولانا نے پہلے تو مجھے نہایت محبت آمیز سے علم دین کی اہمیت وضرورت سمجھائی، پھر لکھا کہ اس علم کے حصول کی بنیادی اور لازمی شرط نیت میں اخلاص اور پھر

عزم صادق ہے، اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ ''جامعہ اسلامیہ'' ابھی ایک منصوبہ ہے اور جب یہ منصوبہ عملی جامہ پہن لے اور اس میں داخلہ شروع ہوجائے تو اس کی خبر اخبارات میں آجائے گی، اس وقت مجھے لکھنا، میں ان شاءاللہ اپنے مقدور بھر تم کو اس میں داخلہ دلوانے کی کوشش کروں گا۔

منشی کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں ''فاضل ادب'' کی تیاری میں لگ گیا، جب بابو نے یہ امتحان دیا تھا، اس وقت فاضل ادب کے لئے مقررہ کتابیں کنز العلوم میں نہیں تھیں اور مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ نے اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعہ، جو مسلم یونیورسٹی میں پڑھتے تھے یونیورسٹی کی لائبریری سے عاریۃ وہ کتابیں منگوالی تھیں، لیکن میں بابو سے زیادہ خوش قسمت تھا کہ جب مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ ۱۹۵۹ء میں بغرض حج سعودی عرب گئے تھے، تو واپسی میں اپنے ساتھ فاضل کی ساری کتابیں لیتے آئے تھے، اس وقت فاضل کے نصاب میں جو کتابیں مقرر تھیں، وہ یہ تھیں:

(۱) البیان التبیین (۲) الامالی (۳) مغنی اللبیب (۴) الکامل (۵) ادب الکاتب (۶) نقد الشعر (۷) دیوان الحماسہ (۸) احسن ماسمعت۔

میری اپنی معلومات کے مطابق ہندوستان کے پہلے درجہ کے عربی مدارس کے نصاب میں بھی یہ کتابیں داخل نہیں تھیں تو پھر کنز العلوم جیسے تیسرے درجہ کے مدرسہ کے نصاب میں وہ کس طرح داخل ہوسکتی تھیں اور اب جبکہ یہ ساری کتابیں کنز العلوم میں آچکی تھیں تو اس میں انہیں پڑھانے والے اساتذہ کہاں سے لائے جاتے، پھر بھی کنز العلوم کے اساتذہ ہمت نہیں ہارے اور باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ہر ایک مناسب کتاب پڑھانے کی ذمہ داری اپنے اپنے سر لے اور جس استاذ سے میں جو کتاب پڑھوں، اپنے مقدور بھر ''جی جان'' سے اس کا مطالعہ کروں، پھر اپنے استاذ کی خدمت میں حاضر ہوں، اور ان کے تعاون سے اس کو سمجھنے کی کوشش کروں۔

کنز العلوم کے استاذ مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ عربی اور انگریزی دونوں کے ادیب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن بیان سے بھی خوب خوب نوازا تھا، انھوں نے جاحظ کی **البیان والتبیین**، ابن قتیبہ کی **ادب الکاتب**، ابن قدامہ کی **نقد الشعر** اور ابوتمام کی **دیوان الحماسہ** لے لی۔

مولانا وکیل الدین رحمہ اللہ نے ثعالبی کی **احسن ما سمعت** پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالی اور مولانا علیم اللہ رحمہ اللہ ابن ہشام کی **مغنی اللبیب** اور مبرد کی **الکامل** پڑھانے پر راضی ہوگئے، اب رہی ابوعلی قالی کی امالی تو چونکہ اس میں واقعات کے ضمن میں مختلف شعراء کے کلام منتخب نمونے جمع کئے گئے ہیں اور مصنف نے بیشتر اشعار کا مطلب خود بیان کردیا ہے، اس لئے اس کو قدرے آسان سمجھ کر میرے حوالہ کردیا گیا کہ میں خود غور وتدبر سے اس سے استفادہ کروں۔

فاضل ادب کے سارے سوالوں کے جواب عربی میں مطلوب تھے اور ایک پرچہ میں عربی میں کوئی مضمون لکھنا تھا۔

بہرحال ۱۹۶۱ء مطابق شعبان ۱۳۸۰ھ میں میں نے فاضل ادب کا امتحان دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔

اس طرح پانچ سال چھ مہینے میں میں نے عربی کی تعلیم مکمل کرلی۔

فاضل ادب کرلینے کے بعد میں کنز العلوم سے گھر واپس نہیں گیا اور وہیں رہ کر جامعہ اردو علی گڈھ کے آخری امتحان ادیب کامل کی تیاری کرنے لگا، یہ امتحان اسی سال نومبر ۱۹۶۱ء مطابق جمادی الاولی ۱۳۸۱ھ میں ہوا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ”سکنڈ ڈویژن“ میں کامیابی عطا کی۔

جب فاضل ادب کا امتحان دینے سے پہلے یا بعد میں جامعہ اسلامیہ میں غیر ملکی طلباء کے داخلہ کی خبر اخبار میں آگئی، تب میں نے فوراً مولانا مودودی کو خط لکھ کر ان کو ان

کا وعدہ یاد دلایا تو انھوں نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ وہ پاکستانی ہیں اور میں ہندوستانی، لہذا جامعہ اسلامیہ میں میرے داخلہ کے لئے ان کا سفارش کرنا میرے لئے سود مند ہونے کے بجائے نقصان دہ ہوسکتا ہے، اس لئے مولانا علی میاں کو خط لکھ کر ان سے جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں کے نام سفارشی خط طلب کرو، مولانا نے مجھے یہ بھی لکھا کہ میں علی میاں کے نام اپنے عریضہ میں یہ تصریح بھی کردوں کہ تم کو یہ مشورہ میں نے دیا ہے، چنانچہ میں نے مولانا علی میاں کے نام خط لکھا، جس میں میں نے جامعہ اسلامیہ میں داخلہ کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ان سے وہاں کے کسی اعلیٰ ذمہ دار کے نام سفارشی خط دینے کی درخواست کی اور اس میں یہ تصریح بھی کردی کہ مجھے ان کو یہ عریضہ بھیجنے کا مشورہ مولانا مودودی نے دیا ہے، مگر مولانا علی میاں ندوی نے میرے عریضہ کا کوئی جواب نہیں دیا، میں نے علی میاں کے جواب کا دس دن انتظار کرنے کے بعد ان کو دوسرا خط بھیجا اور اس کے جواب سے بھی محروم رہا، پھر تیسرا عریضہ ارسال کیا، جس کا ایک سطری جواب کسی اور صاحب نے یہ دیا ''مولانا بہت مصروف ہیں اور وہ آپ کا کام کرنے سے معذور ہیں'' یہ ہے ایک عابد وزاہد اور تاریخ دعوت وعزیمت کے مصنف اور اسلام اور سیاسی کشمکش'' لکھنے والے ایک ''دنیادار'' کے مابین فرق۔

یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی میں نے ہمت نہیں ہارا اور جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلر عالم ربانی شیخ الاسلام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کو براہ راست عریضہ ارسال کردیا، جس کا جواب ایک ہفتہ میں آگیا، شیخ موصوف نے میری درخواست داخلہ کے جواب میں پہلے تو میرے شوق علم پر مجھے دعائیں دیں، پھر تحریر فرمایا: جامعہ طلباء کی مطلوبہ تعداد پوری ہو جانے کے بعد داخلہ بند ہو چکا ہے، پھر بھی اگر تم دلی میں سعودی سفارتخانہ سے میرے اس مکتوب کی بنیاد پر ویزا حاصل کر کے اپنے خرچ پر یہاں آجاؤ تو میں تمہیں جامعہ میں داخلہ دیدوں گا، یہ خط پاتے ہی میں فوراً دلی روانہ ہوگیا اور وہاں سب

سے پہلے ریاض العلوم گیا، جس کے ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ بابا سے واقف تھے، میں نے ان کی اجازت سے مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرشید ازہری رحمہ اللہ کے ساتھ سعودی سفارت خانے کا رخ کیا اور سفارت خانے کے استقبالیہ (RECEPTION) کے ذمہ دار کو شیخ ابن باز کا مکتوب دیا، جسے لے کر وہ اندر گیا اور جلد ہی واپس آ کر مجھے یہ ٹکا سا جواب دیا: اس کی بنیاد پر ویزا نہیں مل سکتا۔

یہ جواب سن کر ہم سفارتخانہ سے واپس چل پڑے، راستہ میں میں نے عبدالرشید صاحب سے کہا کہ جب میں یہاں دلی آیا ہوں تو مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا، اس سے ایک برس قبل میں اعظم گڈھ میں ان سے مل چکا تھا عبدالرشید صاحب میری بات سن کر میرے ساتھ جماعت اسلامی کے دفتر جانے پر تیار ہو گئے اور ہم دونوں ایک ساتھ وہاں گئے جہاں امیر جماعت مولانا ابواللیث رحمہ اللہ موجود تھے، ان کی خدمت میں پہنچ کر میں نے اپنا تعارف کرایا، عبدالرشید صاحب کو وہ پہلے سے جانتے تھے، انھوں نے دریافت کیا کہ دلی کس غرض سے آنا ہوا ہے، اور جب میں نے تفصیلات بتائیں، تو فرمایا: جب جامعہ اسلامیہ میں داخلہ نہیں ہوا تو جامعہ ازہر کیوں نہیں چلے جاتے؟

میں نے عرض کیا کہ جب ایک نئی جامعہ میں داخلہ نہیں مل سکا، تو ازہر جیسی عالمی یونیورسٹی میں کس طرح داخلہ ہو سکتا ہے؟

فرمایا: اس کو مجھ پر چھوڑ دو اور اپنے گھر کا پتہ مجھے دے دو اور گھر واپس جاؤ، میں نے مولانا کو اپنا پتہ بتا کر اجازت چاہی اور ہم دونوں ریاض العلوم واپس پہنچے، جہاں سے میں نے اپنا سامان لیا اور وہاں سے ریلوے اسٹیشن کی راہ لی اور ٹرین سے گھر پہنچ گیا، اب میں ایک طرح سے فارغ ہو چکا تھا۔

دلی سے انتری بازار واپس پہنچنے کے صرف ایک ہفتہ بعد بریلی میں تعینات

ازہر کے نمائندہ شیخ عبدالتواب رحمہ اللہ کا مکتوب مجھے ملا، جس میں موصوف نے مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ انھوں نے میرا نام دلی میں اپنے سفارت خانہ کو بھیج دیا ہے، اس سلسلہ میں سفارت خانہ ازہر کے ادارہ سے رابطہ کر کے میرے داخلہ کی منظوری حاصل کرے گا، پھر میرے پتہ پر مکتوب بھیج کر مجھے مطلع کرے گا اور ضروری ہدایات دے گا۔

اب میں ایک گونہ فارغ ہو چکا تھا، ادھر شعبان میں یوسف پور کے مدرسہ دارالہدیٰ یا اس کے آس پاس کے کسی مدرسہ میں جلسہ ہوا اور بابا مجھے لے کر اس میں شریک ہوئے، اس اجلاس میں مولانا نذیر احمد املوی رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے، وہ بابا کو جانتے تھے، ایک دن عصرانہ میں بابا مجھے لے کر ان سے ملے اور فرمایا کہ میں سعید کو آپ کی خدمت میں دینا چاہتا ہوں، آپ جامعہ رحمانیہ میں داخل کر لیجئے، مولانا نے فرمایا: جب شوال میں جامعہ میں داخلہ شروع ہوگا، اس وقت آپ اس کو بھیج دیجئے گا، میں داخل کرلوں گا اس طرح میرا بنارس جانا طے ہوگیا اور گاؤں میں رمضان گزارنے کے بعد میں ۱۰ / یا ۱۵ / شوال کو بنارس روانہ ہوگیا اور جامعہ رحمانیہ میں مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ سے ملا اور آپ نے مجھے ہوسٹل میں داخلہ دے دیا، اور اگلے دن سے میں چند اور بچوں کے ساتھ وہاں پڑھنے لگا۔

بنارس روانہ ہونے سے قبل میں نے بریلی میں جامعہ ازہر کے نمائندہ شیخ عبدالتواب کو جامعہ رحمانیہ کا پتہ بھیج دیا تھا، ابھی رحمانیہ میں تعلیم شروع کرنے پر ایک ماہ سے کچھ کم ہی مدت گزری تھی کہ بعد از نماز عصر مجھے شیخ عبدالتواب رحمہ اللہ کا مکتوب بند لفافہ میں ملا، میں نے بیم ورجا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ لفافہ کھولا اور جلدی جلدی خط پڑھنے لگا، شیخ نے سلام وتحیات کے فوراً بعد جامعہ ازہر میں میرے داخلہ کی خبر دیتے ہوئے مجھے مبارکباد دی تھی اور لکھا تھا کہ دلی میں مصری سفارتخانہ سے جلدی ہی تمہیں داخلہ نامہ (ADDMISSION LETTER) مل جائے گا، اس طرح میں نے

بحر العلوم کے مکتب میں اردو کی دوسری میں ''جامعہ ازہر'' کے عنوان سے مختصر مضمون پڑھنے کے بعد عالم بیداری میں اپنے قد سے بڑا جو خواب دیکھا تھا اللہ کے فضل وکرم سے اس کی تعبیر ظاہر ہونے لگی تھی۔

اگلے دن اصول حدیث کا سبق تھا، جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نخبۃ الفکر کی صورت میں مولانا نذیر احمد خود پڑھاتے تھے، یاد رہے کہ کنز العلوم میں میں نے حدیث اور اصول حدیث کی کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی میں درسگاہ وقت سے کچھ پہلے پہنچ گیا، پھر ساتھی طلباء بھی آگئے اور ٹھیک وقت پر استاذ محترم بھی رونق افروز ہوگئے، ساتھیوں نے کتاب کھولی اور مولانا بھی اپنی کتاب کھولنے والے تھے کہ میں نے مولانا کی طرف شیخ عبدالتواب کا خط بڑھادیا، خط پڑھنے کے بعد مولانا نہایت مسرت آمیز تبسم کے ساتھ مبارکباد دی اور فرمایا اب یہاں پڑھ کر کیا کروگے جاؤ سفر کی تیاری کرو، انھوں نے مجھے دعائیں دیں اور کچھ نصیحتیں بھی کیں۔

بنارس سے انتری جانے سے قبل مجھے ایک اور عظیم انسان سے ملنا تھا اور اس کی دعائیں لینی تھیں یہ عظیم انسان مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ تھے جن سے ملاقات کا مناسب وقت بعد از مغرب تھا، جامعہ رحمانیہ سے کچھ فاصلہ پر کسی مدرسہ میں غالبا مدرسہ سعیدیہ میں پڑھاتے تھے۔

میں اپنی عمر اور علم وفضل میں مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ سے بہت فروتر اور کمتر تھا، مولانا موصوف کا تعلق بھی میرے گاؤں انتری ہی سے تھا، واضح لفظوں میں وہ میرے بابا کے شاگرد مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ میں عمر میں مولانا محترم سے بہت چھوٹا تھا، بچپن میں ان کو دیکھا تو تھا لیکن ان سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل نہیں تھا، جب پڑھنے کے قابل ہوا اور بابو کے ساتھ کنز العلوم چلا گیا، تو اس وقت وہ بھی بغرض تعلیم شاید انتری سے باہر ہی تھے، میں نے جو کچھ پڑھا کنز العلوم ہی میں

پڑھا، جو ایک حنفی مدرسہ تھا جب کہ مولانا رحمہ اللہ نے پہلے درجہ کے اہل حدیث مدرسوں میں تعلیم حاصل کی تھی، وہ فطری طور پر بہت کم گو تھے اور مجلسوں سے بھی دور رہتے تھے۔

اوپر یہ ذکر آ چکا ہے اور کاروان سلف کے سوانح نگاروں کے افادات میں بھی ایسی تصریحات موجود ہیں کہ انتری اور اس کے قرب وجوار کی بستیوں میں عقیدہ وعمل میں جو ہمہ جہتی اصلاحات ہوئیں اور علم کی جو روشنی پھیلی اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے بعد بابا کی مخلصانہ اور انتھک جد وجہد بھی کارفرما رہی ہے، بلکہ یہ جد وجہد بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل وتوفیق سے وجود پذیر ہوئی تھی اور بابا کی قائم کردہ درسگاہ بحر العلوم سے جو در اصل ایک مسجد سے عبارت تھی ایسے مخلص علماء اور فضلاء نکلے جنہوں نے شرعی علوم پھیلانے اور توحید کا پرچم بلند کرنے کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اسی انتری میں جس کے چند مخلص اہل حق بابا کو وہاں لائے تھے، بابا اور ان کی اولاد کے درمیان، جو بابا کے شاگرد تھے اختلافات نے سر نکالا اور دیکھتے دیکھتے شدت اختیار کر گئے اور بابا کے مخالفین نے ایک محاذ بنالیا، جس میں بدقسمتی سے بابا کے قریب ترین تلامذہ بھی شامل ہو گئے جن میں سے ایک مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ تھے، جبکہ ان کے والد ماجد نبی احمد رحمہ اللہ ان اہل صلاح وتقویٰ میں سے ایک تھے، جن کی دعوت پر بابا نے انتری کو اپنی جائے سکونت بنائی تھی۔

بابا کے خلاف اس محاذ اور جتھے سے بابا کے صرف ایک شاگرد مولانا سمیع اللہ رحمہ اللہ الگ رہے اور بابا کی آخری سانس تک بابا کی حمایت ونصرت پر ڈٹے رہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مولانا سمیع اللہ کو علم کے ساتھ نمایاں جسمانی طاقت سے بھی نوازا تھا، اس لئے بابا کو جسمانی اذیت دینے کی ہمت کسی میں نہیں ہوئی۔

مگر صد آفریں ہے اس عظیم انسان کو، جس کا نام عبد الحنان ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ انھوں نے ان ناگفتہ بہ حالت میں بھی ہمارے گھر سے اپنا ناتا نہ توڑا، حالانکہ اس

وقت وہ نوجوان تھے اوران کا خون گرم تھا اور رسم ورواج اور عادات وروایات کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اپنے والد ماجد کا ساتھ دیتے ،لیکن اس عمر میں بھی انھوں نے حق کا ساتھ دیا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ ہمارے گھر آتے اور میرے بھائیوں سے نہایت خوشگوار فضا میں گفتگو کرتے ،جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، یہ ان کی عظمت اور بلندیٔ کردار کی ایسی صفت تھی جس سے قرون مفضلہ کے ائمہ ہی موصوف تھے۔

جامعہ ازہر میں داخلہ سے متعلق میں نے اپنی تگ ودوشروع کی تو گاؤں میں یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ سعید کا ازہر میں داخلہ ہوگیا ہے اور اس نے پاسپورٹ کی درخواست بھی دیدی ہے،تو گاؤں میں بابا کے مختلف گروپ میں کھلبلی مچ گئی، اور لوگ جل بھن گئے ، انہی دنوں نوگڈھ کے قریب کے ایک گاؤں کے ایک ذی علم نے جن کا نام بھی سعید تھا حج کی درخواست دی ، جو بدقسمتی سے مسترد ہوگئی، اب کیا تھا، مخالف گروپ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہ تحقیق کئے بغیر کہ وہ سعید کون ہے لوگ بغلیں بجانے لگے، بعد میں جب ان کو معلوم ہوا کہ جن کی درخواست مسترد ہوئی ہے، وہ سعید بن عابد علی نہیں ، کوئی اور سعید ہے،تو ان کی خوشی غم اور ماتم میں تبدیل ہوگئی۔

اس موقع پر بھی مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ نے ایک مثالی اور منفرد کردار کا مظاہرہ کیا اور میرے مساعی میں کامیابی کے لئے دعائیں کیں۔

اسی وجہ سے جب مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ نے شیخ عبدالتواب مصری رحمہ اللہ کا خط پڑھ کر مجھے درس چھوڑ کر گاؤں جانے کا حکم دیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں برادر محترم عبدالحنان رحمہ اللہ کو اطلاع دیئے اور ان سے مشورہ کئے بغیر بنارس سے نہیں جاؤں گا، چنانچہ جب مغرب کی نماز کا وقت قریب آیا تو میں تیار ہوکر وہاں گیا جہاں وہ درس دیتے تھے اور مغرب کی نماز کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو شیخ عبدالتواب کا خط دیا، مولانا نے خط پڑھنے کے بعد انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور مجھے مبارکباد

اور دعائیں دینے کے بعد فرمایا: اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ کل صبح کی ٹرین سے چلا جاؤں گا۔

فرمایا کل کیوں آج ہی کیوں نہیں؟

عرض کیا: میں تیار ہو کر نہیں آیا ہوں اور کپڑے اور دوسرا سامان جامعہ میں بکس میں بند ہے۔ فرمایا اسی وقت بدن کے انہی کپڑوں میں ریلوے اسٹیشن کا رخ کرو، فلاں وقت ٹرین سے روانہ ہو جاؤ، جب میں گاؤں آؤں گا تو اپنے ساتھ تمہارا سارا سامان لیتا آؤں گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے ان کی اپنے پاس سے مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

برادر محترم مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ کے حکم پر میں جامعہ رحمانیہ میں اپنا سارا سامان چھوڑ کر وہیں مدرسہ سعیدیہ سے سیدھے اسٹیشن گیا اور پہلی ٹرین سے بنارس سے تتری بازار نوگڈھ پہنچ گیا، جہاں بھیا رہتے تھے، اپنے گاؤں انتری جانے کے بجائے تتری اس لئے گیا کہ اگرچہ بھیا کو میری تعلیمی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں تھی، بایں ہمہ وہ پاسپورٹ کے حصول کے لئے کاغذات وغیرہ داخل کرنے میں اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ میری مدد کر سکتے تھے، اور جب انھوں نے اپنے جاننے والے بعض ذی اثر لوگوں سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ پاسپورٹ کا فارم پُر کر کے اور اس پر کسی سرکاری عہدیدار کی دستخط کرا لینے کے بعد مناسب رقم کے اسٹیمپ پیپر پر ضمانت نامہ کے ساتھ پیش کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں پہلا قدم پاسپورٹ فارم کا حصول اور پھر اس کو پُر کرنا ہے، یہ پاسپورٹ فارم لکھنؤ میں پاسپورٹ کے دفتر سے مل سکے گا، یہ سب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب اس وقت میرے پاس نہیں تھا، واضح رہے کہ اس زمانے ۔۱۹۶۳ء۔ میں

ہندوستان سے باہر جانے والے شاذونادر ہی ہوتے تھے اور شمالی بستی کے جس علاقے میں ہمارے بودوباش تھی وہاں سے کسی شخص کے باہر جانے کا علم ہمیں بالکل نہیں تھا، غوروخوض اور بعض دوست احباب کے مشورہ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ٹانڈہ کے ایک صاحب گورکھپور یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں ان سے اس سلسلہ میں کوئی مدد مل سکتی ہے، تلاش بسیار کے بعد جب ان کے نام کا علم ہوا تو یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ وہ جناب عبدالباری شبنم سبحانی ہیں، جن سے میں کنزالعلوم میں اپنے زمانہ طالب علمی سے واقف ہوں، پھر کیا تھا، گورکھپور میں ان کی جائے قیام کا پتہ معلوم کر کے ان کی خدمت میں پہنچ گیا، مجھے دیکھ کر وہ بڑے خوش ہوئے، موصوف مولانا حسین احمد مدنی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ شبنم سبحانی صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ میں لکھنؤ جاؤں اور وہاں کے ایک ذی اثر شخص سے ملوں، جن کا نام، م، نسیم ہے، سبحانی نے مجھے ان کا پتہ بھی دیا اور کہا کہ وہ پاسپورٹ کا فارم حاصل کر کے اسے پُر کر دیں گے اور یہ طریقہ بھی بتادیں گے کہ یہ فارم کس طرح جمع کرانا ہے۔

اب دوسرا جو مسئلہ سینہ تان کر سامنے کھڑا ہوا وہ پیسوں کا مسئلہ تھا، جس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا، اور پیسوں کا انتظام صرف میرا وہ پیارا بھائی ہی کر سکتا تھا، جن کا نام عبدالودود عابدی تھا اور سابقہ صفحات میں جس کا ذکر بابو کے لقب سے بار بار آچکا ہے۔

بابو ان دنوں ڈومریا گنج کے قریب ایک گاؤں ''مانادئی، مینہوا'' کے ایک مکتب میں پچاس روپیہ ماہوار پر پڑھاتے تھے، جس کو وہاں کے ایک نہایت دیندار اور خداترس بزرگ حاجی حکیم اللہ صوبیدار رحمہ اللہ نے قائم کر رکھا تھا، ان کے بیٹے عباس اور ان کے چھوٹے بھائی جناب حاجی محمد حدیث صوبیدار رحمہ اللہ کا ذکر خیر ان شاء اللہ بعد میں آئیگا، جو بمبئی میں قیام پذیر تھے۔

بابو نے حاجی حکیم اللہ صاحب سے اپنی پیشگی تنخواہ مبلغ پچاس روپیہ لے کر مجھے

دے دیئے اور میں تتری واپس آکر وہاں سے لکھنؤ روانہ ہوگیا، جہاں م نسیم صاحب سے ملا، ان سے اپنی ضروریات کا ذکر کیا، اور انھوں نے فوراً پاسپورٹ کا فارم نکالا اور مجھ سے معلومات لے کر اسے پُر کر دیا اور مجھے چند ہدایات دے کر تتری واپس ہونے کی اجازت دے دی، موصوف کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔

لکھنؤ سے براہ راست تتری میں بھیا کے پاس پہنچا جہاں اتفاق سے بڑھنی کے قریب ایک گاؤں بیر ہوا کے جناب برکت اللہ خان آگئے اور پھر بھیا کے ایک دوست اور ساتھی حکیم عبید اللہ صاحب نے مجھے اکیلے لے جا کر فرمایا کہ برکت اللہ خاں صاحب کے ساتھ لگ جاؤ وہ سارا کام کروا دیں گے، مگر ان کے وعدوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے ہمیشہ ان کے ساتھ لگے رہنا، اور جہاں بھی وہ جائیں ان کا ساتھ نہ چھوڑنا، اس طرح جب شام کو وہ بھیا کے پاس سے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ لگ گیا، بھیا نے اور حکیم عبید اللہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو سعید کا کام کرانا ہے، ہم دونوں ایک رکشہ میں روانہ ہوئے اور اسٹیشن پہنچ کر انھوں نے بڑھنی کے دو ٹکٹ لئے اور جب ٹرین آئی تو اس کے رکتے ہی ہم دونوں اس میں سوار ہونے کے لئے آگے بڑھے اور جس ڈبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اس سے ایک صاحب باہر نکلے، جو برکت اللہ صاحب کے شناسا تھے، دونوں میں سلام و دعا کے بعد بات ہونے لگی، میں نے کئی بار کہا کہ برکت صاحب ٹرین چلی جائے گی، مگر دونوں میں بات چیت جاری رہی یہاں تک کہ ٹرین چلی گئی اور ہم دونوں بھیا کے پاس واپس پہنچ گئے بھیا اور حکیم صاحب دونوں ہنسنے لگے اور حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا: میں نے تم سے جو کہا تھا وہ سچ ثابت ہوگیا کہ نہیں؟

بہر حال برکت صاحب نے رات وہیں گزاری اور صبح ہم دونوں ایک ساتھ دوسری ٹرین سے بڑھنی گئے اور بڑھنی سے بیر ہوا پیدل گئے۔

برکت اللہ خاں صاحب نہایت خدا ترس اور صالح انسان تھے، مگر دنیوی

معاملات میں صاحب عزم نہیں تھے، جس کی وجہ سے ایک دن کا کام ایک مہینہ اور ایک مہینہ کا کام کئی مہینوں میں انجام پاتا تھا اور جیسا کہ حکیم عبید اللہ نے مجھے یہ تاکید کی تھی کہ میں برکت اللہ صاحب کے ساتھ برابر لگا رہوں، میں ان کے گھر میں جم کر رہ گیا اس طرح مکمل پانچ ماہ کی مدت وہاں گزاری تب جا کر پاسپورٹ کے کاغذات نوگڈھ تحصیل میں داخل ہو سکے، بہر حال نومبر ۱۹۶۳ء میں مجھے پاسپورٹ مل گیا اور یہ بھی بائی پوسٹ نہیں، بلکہ لکھنؤ جا کر، ریجنل پاسپورٹ آفس سے بذات خود حاصل کیا۔

پاسپورٹ حاصل کرنے کے بعد میں مانا دیئی گیا اور بابو کو پاسپورٹ دکھایا تو انھوں نے بمبئی میں اپنے دوست چودھری عباس کو خط لکھا اور ان کو بتایا کہ سعید کو پاسپورٹ مل گیا ہے، عباس صاحب نے بابو کے نام اپنے جوابی خط میں لکھا کہ سعید کو بمبئی بھیج دیجئے۔

مانا دیئی کے محترم حاجی حکیم اللہ صاحب رحمہ اللہ کا ذکر خیر اوپر آچکا ہے، مینہوا میں انہی کے قائم کردہ مکتب میں بابو پڑھاتے تھے، جبکہ ان کے قیام وطعام کا انتظام مانا دیئی میں حاجی صاحب کے گھر میں، گھر کے ایک فرد کی طرح تھا، ایک ملازم کی طرح نہیں اس سے حاجی صاحب رحمہ اللہ کے بلندئ کردار کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے، مانا دیئی گاؤں میں مسلمانوں کے صرف چار گھر تھے، اس لئے اس میں کوئی مسجد نہیں تھی، مسجد اس کے قریب ہی ایک دوسرے گاؤں مینہوا میں تھی اور حاجی صاحب اور بابو مینہوا ہی جا کر عام نمازیں اور نماز جمعہ اس مسجد میں پڑھتے تھے اور جب تک بابو وہاں رہے وہی وہاں نماز میں امامت کرتے تھے اور جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔

بابو کے دوست چودھری عباس مرحوم حاجی حکیم اللہ صوبیدار کے بڑے بیٹے تھے اور بمبئی میں اپنے چچا محترم حاجی محمد حدیث صوبیدار رحمہ اللہ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، یہ سب اللہ کے ذمہ ہو چکے ہیں۔ رحمھم

الله رحمة واسعة۔

دسمبر ۱۹۶۳ء کی کسی تاریخ کو میرا بمبئی جانا طے ہوگیا، شہرت گڈھ سے بمبئی تک ٹرین کا کرایہ ۲۲؍روپئے تھا، بابا ''**کن فی الدنیا کأنک غریب او عابر سبیل**'' کی زندہ مثال تھے، بھیا اگر چہ طبیب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفاء دے رکھی تھی، مگر ان کی سخت مزاجی نے مریضوں کو ہمیشہ ان کے مطب سے دور رکھا اور بابو پچاس روپئے ماہوار پر پڑھاتے تھے، اور ان کی تنخواہ گزشتہ کئی ماہ سے میں خرچ کر رہا تھا، اس تناظر میں ۲۲؍روپیہ کی فراہمی وقت کا اہم مسئلہ تھی، بہر حال اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے اور وہ اپنے بندوں کو آزماتا تو ضرور ہے لیکن ان سے کنارہ کش نہیں ہوتا، اس نے اپنے فضل وکرم سے اس نازک وقت میں بابو کے لئے یہ بھاری رقم فراہم کردی، انھوں نے ٹکٹ خریدا، دو ایک روپیہ مجھے دیا ہوگا، پھر ٹرین آئی، بوڑھے باپ اور بڑے بھائی نے آنسوؤں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا، بابو نے ضبط سے کام لیا، ان کی زبان تو خاموش تھی، مگر ان کی نگاہیں مجھ سے کہہ رہی تھیں، بابو! بڑے ارمانوں کے ساتھ تم کو رخصت کررہا ہوں، بابو! علم کی دولت کے ساتھ اس طرح واپس آنا کہ اسلام کی سربلندی کے لئے درکار وسائل وذرائع سے مالا مال اور لیس ہو، خدا حافظ۔

ٹرین چل پڑی، بمبئی کا سفر بہت لمبا تھا، کئی بار ٹرین بدلنی پڑی، بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے سلامتی کے ساتھ بمبئی کے اسٹیشن پر ٹرین سے اترا، رکشہ یا یکہ سے یاد نہیں محترم حاجی محمد حدیث رحمہ اللہ کی دکان کے پاس پہنچ گیا، عباس بھائی وہاں موجود تھے، انھوں نے تنزی میں بھیا کے پاس مجھے دیکھا تھا، فوراً پہچان لیا، حاجی صاحب نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کیا، ایسا لگا کہ انتظار کررہے تھے عصر کے بعد کا وقت تھا شاید شعبان کی ۳۰؍تاریخ تھی، اگلا دن یکم رمضان تھا، دوکان کے پاس ہی ڈرائیور کے ساتھ کار کھڑی تھی، محترم حاجی صاحب کے اشارے پر عباس بھائی کے ساتھ کار میں

سوار ہو کر گھر پہنچا اس وقت وہاں دو۱۲، ۱۴/سال کے بچے تھے اور ایک ۱۸ یا ۱۹/سال کا نوجوان، جن کا نام عزیز اللہ سلمہ تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے بخیر و عافیت ہیں، ان سے بذریعہ فون بات چیت ہوتی ہے، لیکن ابھی تک ان سے شرف ملاقات نہیں حاصل کر سکا ہوں، سب نے نہایت اپنائیت اور محبت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

رات کھانا کھانے کے بعد ہم سب کار ہی سے شہر گھومنے نکلے، ماہ رمضان کی پہلی رات تھی، ہجری کلینڈر میں رات دن سے پہلے آتی ہے۔ سعودی عرب اور مصر کی طرح بمبئی میں بھی رمضان کی رات بڑی بارونق ہوتی ہے۔

رات گئے واپسی ہوئی، فوراً سو گئے، محترم حاجی صاحب رحمہ اللہ کے سب لڑکے عباس بھائی سمیت زمین پر سوئے، میرے لئے چارپائی کا انتظام تھا، جس پر بہترین اور آرام دہ بستر تھا، حاجی صاحب کے چھوٹے بچوں میں سے ایک بچہ بھی میرے ساتھ چارپائی پر ہی سویا، سحری سے قبل حاجی صاحب نے سب کو جگایا اور مجھ سے فرمایا: اس وقت تازہ تازہ پانی آرہا ہے جا کر نہا لیجئے، میں نہا دھو کر تر و تازہ ہوگیا، پھر سب نے نہایت لذیذ اور متنوع قسم کی سحری کھائی اور فجر تک جاگتے رہے، فجر کی اذان ہوئی جس کے تھوڑی دیر بعد فجر ادا کی گئی پھر سب سو گئے تقریباً ۸/بجے اٹھے اور پھر حاجی صاحب کے ساتھ ہی کار سے ان کی دوکان پر گئے، وہاں کچھ وقت گذارا، تمام بچے اسکول اور کالج چلے گئے، محترم حاجی صاحب نے عباس بھائی سے فرمایا کہ ''مولانا'' کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور بمبئی کی سیر کرادو، لیجئے ایک ۱۹، ۲۰ برس کے نوجوان کو مولانا کا لقب بھی مل گیا، یاد رہے کہ کنز العلوم میں میرے مشفق استاذ مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ از راہ محبت مجھے حافظ جی کہتے تھے، پھر مدرسہ کے سارے طلباء بھی مجھے حافظ جی کہنے لگے، اپنے گاؤں میں میں بہت پہلے سے حافظ جی تھا لیکن میں کبھی مولانا بھی کہا جاؤں گا، مجھے اس کی امید مطلقاً نہیں تھی اور نہ یہ لقب مجھ پر جچتا ہی تھا، یہ تو محترم حاجی محمد حدیث رحمہ اللہ کی ذرہ نوازی

تھی، جو انھوں نے مجھ جیسے کمتر کو اس حیثیت سے بڑا لقب دے دیا، اللہ تعالیٰ ان کے حسن نیت کی بہترین جزا انھیں عنایت کرے آمین۔

عصر کے بعد مغرب تک کا وقت گھر پر ہی تلاوت قرآن میں گزارا، مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے حاجی صاحب بھی آ گئے، پھر افطار کی تیاری شروع ہو گئی اور دسترخوان بچھا جس پر انواع واقسام کے کھانے سجا دیئے گئے، اذان مغرب بلند ہوئی اور سب نے پرتکلف افطاری کی، حاجی صاحب نے ازراہ کرم یہ سب کچھ کیا تھا، جس کا میں مستحق قطعا نہیں تھا، پھر یہ روز کا معمول بن گیا، حاجی صاحب میری محبت میں اور حسنِ نیت سے یہ سب کچھ کر رہے تھے، جب کہ میرا مقام ومرتبہ اس سے بہت فروتر تھا۔

میں نے بمبئی میں محترم حاجی محمد حدیث رحمہ اللہ کے دولت کدے پر پورا رمضان مبارک گذارا اور ٹھیک عید کے دن صبح ۷ ؍بجے گھر سے جانب بندرگاہ روانہ ہوا، جہاں ایک فرانسیسی جہاز لنگر انداز تھا، عباس بھائی مجھے لے کر بندرگاہ گئے تھے اور امیگریشن کی کارروائی کے دوران میرے ساتھ رہے اور جہاز کے دروازے پر مجھے سینے سے لگا کر اور دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا۔

رمضان کے مہینے میں دن کے وقت عباس بھائی مجھے کبھی کبھار کار سے اور کبھی بمبئی کی دومنزلہ بسوں سے بمبئی کا ہر علاقہ دکھاتے رہے، اس کے علاوہ بمبئی میں میرے گاؤں کے جو لوگ برسر روزگار تھے، ایک ایک کر کے ان سے مجھے ملواتے بھی رہے۔

رات کو وہ مجھے نماز عشاء سے پہلے کسی بڑی مسجد لے جاتے اور ہم وہاں عشاء اور تراویح کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے، ایک رات ہم دونوں میاں محمد زکریا کی مسجد میں گئے، مسجد زکریا صاحب بمبئی کے مشہور تاجر تھے، جب مسجد کے اندر گئے تو اچانک ازہر کے نمائندہ شیخ عبدالتواب رحمہ اللہ مل گئے، وہ بھی مصر جانے کے لئے بمبئی میں قیام پذیر تھے، مگر وہ اس جہاز سے نہیں جا رہے تھے، جس سے مجھے جانا تھا، شیخ مجھے دیکھ کر بہت خوش

ہوئے، وہ مذکورہ مسجد میں نماز تراویح پڑھاتے تھے، مصری لب ولہجہ میں ان کی خوبصورت تلاوت نے اس مسجد کے اردگرد کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا، معلوم رہے کہ ازہر سے ملحقہ مکاتب میں حفظ قرآن لازمی مضمون ہے، اس طرح ازہر سے ''بی اے'' کرنے تک ہر طالب علم قرآن کا حافظ ہو جاتا ہے۔

بمبئی سے مصری بندرگاہ پورٹ سعید جانے والے جہاز میں میرے ایک اور ساتھی بھی تھے، جن کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے تھا وہ بھی رمضان بھر ممبئی میں مقیم رہے، پھر بھی چاہتے ہوئے ان سے ملاقات جہاز میں داخل ہونے پر ہوئی ان کو بھی میری ہی کیبن میں جگہ ملی تھی ان کا نام طفیل احمد تھا، قاہرہ سے نکلنے سے پہلے ہی ہم دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے، پھر جدہ سعودی عرب میں دوبارہ ایک ساتھ ہو گئے اور میری بہن کی لڑکی سے ان کا نکاح ہو جانے سے ہم دونوں میں رشتہ داری بھی ہوگئی، ان کا ایک لڑکا بحرین میں ملازم ہے عزیزم طفیل احمد عرصہ ہوا وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

بمبئی سے مصر تک کے تمام مصارفِ سفر محترم حاجی محمد حدیث رحمہ اللہ نے برداشت کئے تھے ان کے حکم سے عباس بھائی نے جہاز کا ٹکٹ خریدا اور میرے کرتے بنوائے اور سفر کے مصارف کے لئے سو روپے دیئے جو ۱۹۶۴ء میں ایک بڑی رقم تھی، جہاز میں داخل ہونے سے پہلے ۴۳ روپئے کے بدلے زرمبادلہ امریکی ڈالر یا برطانوی اسٹرلنگ پونڈ کی شکل میں دیا جاتا تھا یہ رقم بھی عباس نے ادا کی تھی۔

حاجی صاحب محترم نے یہ سب کچھ نہایت خاموشی اور پوشیدہ طریقہ سے کیا، جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو اور پھر عباس بھائی کو رہا، کسی اور کو محسوس تک نہیں ہوا، محترم حاجی صاحب رحمہ اللہ عباس بھائی، عزیز اللہ سلمہ اور دوسرے چھوٹے بھائیوں نے پورے ایک ماہ تک جس محبت کی فضا میں مجھے رکھا، اور میرے ساتھ جس حسن اخلاق اور جس عزت واحترام کا مظاہرہ کیا اس سے بظاہر ایسا لگتا تھا کہ میں ان کے پاس رہ کر ان پر

کوئی احسان کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ محترم حاجی صاحب رحمہ اللہ، محترم عباس بھائی اور ان کے مرحوم دونوں چھوٹے بھائیوں کو حسن جزا سے سرفراز فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی نیکیوں میں اضافہ کرے اور عزیزم عزیز اللہ سلمہ کی عمر دراز کرے، ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، ان کے کاروبار میں برکت دے، ان کے لئے رزق حلال کے دروازے کھلے رکھے، ان کے اہل وعیال کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے اور دنیا و آخرت میں دونوں کی بھلائیوں سے ان کو ہمکنار کرے۔ انه سميع مجيب.

ہمارا جہاز بہت بڑا اور نہایت آرام دہ تھا، وہ صبح دس بجے اپنی منزل کی جانب روانہ ہوا، دودنوں کے بعد صبح آٹھ بجے ایک جگہ رک گیا، معلوم ہوا کہ یہ جیبوٹی کی بندرگاہ ہے، یہاں جہاز تین گھنٹہ رکے گا، اس وقت فرانس کا جیبوٹی پر قبضہ تھا، ہم دونوں نے جہاز میں بیٹھے رہنے کے بجائے جیبوٹی شہر دیکھنے کا فیصلہ کیا اور جہاز سے نکل کر ایک ٹیکسی روکی اور شہر کی جانب روانہ ہوگئے۔ جو بندرگاہ سے زیادہ دور نہیں تھا، چھوٹا سا شہر تھا اور شہر کے باشندے مفلوک الحال لگ رہے تھے، ہم لوگ ٹیکسی سے ایک جگہ اتر گئے اور پان کی دکان تلاش کرنے لگے ایک صاحب نظر آئے جو شکل سے ہندوستانی لگ رہے تھے، میں نے ان کو سلام کیا اور اردو میں پوچھا کہ کیا آپ ہندوستان کے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، میں نے عرض کیا! کیا یہاں پان کی دوکان ہے، جہاں پان کے ساتھ کچھ ہلکی پھلکی کھانے کی چیزیں بھی ہوں؟ فرمایا یہ چیزیں مل جائیں گی، لیکن آپ لوگ یہاں نئے ہیں میرے ساتھ میرے گھر چلئے اور وہاں کھانا بھی کھائیے اور پان بھی، معلوم رہے کہ جیبوٹی اور اس سے متصل صومال دونوں کی ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے، ہمارے ان میزبان نے اپنا نام کیا بتایا تھا، یاد نہیں رہا، ہم ان کے ساتھ ان کے گھر گئے، وہاں آرام کیا، کھایا، بعدہ ان کرم فرما کے ہاتھوں کا بہترین پان بھی کھایا اور ساتھ کچھ لیتا بھی آیا، جس نے راستہ میں کام دیا۔ فجزاه الله خيرا.

جیبوٹی سے جب جہاز چلا تو مصری بندرگاہ پورٹ سعید پہنچ کر ہی رکا وہ وہاں رات تقریباً گیارہ بجے پہنچا تھا، شیخ عبدالتواب نے ہمارے ساتھ اپنا بہت سارا سامان کر دیا تھا اور ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان میں کیا کیا چیزیں ہیں، لہذا ہم خائف تھے ،پورٹ سعید پہنچ کر جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی ہمارے کیبن میں ایک نہایت خوب رو اور خوش پوشاک پولیس افسر اپنے دو ماتحت سپاہیوں کے ساتھ داخل ہوئے اور اپنے ماتحتوں کو شیخ عبدالتواب کے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا ان کو کھولو، میں نے فوراً ان سے عرض کیا کہ ہم جامعہ ازہر کے طلبا ہیں ، یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے ماتحتوں کو سامان کھولنے سے روک دیا اور ہم لوگوں کو مخاطب کر کے " **اھلا و سھلا مرحبا** '' کہا اور کیبن سے چلے گئے ،اسی وقت شیخ عبدالتواب کے دولڑکے کیبن میں آگئے اپنا تعارف کرایا اور ہماری اجازت سے سارا سامان لے کر جانے لگے اور ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا، بندرگاہ کے قریب ایک ہوٹل تھا،اس میں ہمیں لے گئے اور کاؤنٹر پر موجود ذمہ دار سے کچھ کہا اور اس نے ہمیں ایک کمرے میں پہنچا دیا، ہم تھکے ہوئے تھے فوراسو گئے، صبح اٹھے نماز پڑھی، جس کے بعد چائے آگئی جس کے ساتھ کچھ کھانے کی بھی چیزیں تھیں،تقریباً دس بجے شیخ عبدالتواب کے وہی دونوں لڑکے آگئے، ہم تیار بیٹھے تھے وہ ہمیں ایک ٹیکسی سے ریلوے اسٹیشن لے گئے، جہاں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ہمیں ٹرین میں سوار کر دیا جو قاہرہ جانے والی تھی۔

ٹرین خالی تھی ،جس ڈبے میں ہم داخل ہوئے تھے،اس میں پہلے سے ایک فوجی افسر بیٹھے تھے ہم نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے مسکراتے ہوئے ہمارے سلاموں کا جواب دیا،ہم دونوں پاجامہ اور شیروانی میں ملبوس ہونے کی وجہ سے ''اعجوبہ'' لگ رہے تھے،اس لئے ہم نے ان کو ان کے ورطۂ حیرت سے نکالنے کے لئے کہا: **نحن من الهند جئنا هنا لندرس في جامعة الازهر** ،اس پر انھوں نے فرمایا: **اهلا وسهلا مرحبا**

فی القاهره.

قاہرہ تک ہمارا سفر زیادہ تر خاموشی ہی میں گذرا، سردی بہت شدید تھی، جب قاہرہ قریب آ گیا تو ان فوجی افسر نے ہم سے فرمایا کہ وہ قاہرہ سے آگے جائیں گے اور ٹرین قاہرہ میں دو گھنٹہ رکے گی، ہماری بات چیت جاری تھی کہ قاہرہ آ گیا اور جب ہم ٹرین سے اترنے لگے، تو ہمارے ساتھ موصوف بھی اتر گئے اور اشارہ کیا کہ ہم ان کے ساتھ رہیں، اسٹیشن سے باہر نکل کر انھوں نے ایک ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا، وہ آئی اور انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا: ان کو مدينة البعوث الاسلامية پہنچا دو۔

تقریباً آدھے گھنٹہ میں ہماری ٹیکسی مدینۃ البعوث الاسلامیہ کے صدر دروازہ پر رکی اس کے پاس جو بلڈنگ تھی اس کا نمبر ۱۴ تھا اور اسی کی دوسری منزل پر رفیق محترم مولانا مظہر احسن اعظمی حفظہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ سکونت پذیر تھے۔ مظہر صاحب سے میں ہندوستان ہی سے واقف تھا، ۱۹۵۹ء میں وہ مدرسہ فیض عام مئو کے چند طلباء کے ساتھ کنز العلوم پڑھنے گئے، وہ مجھ سے سینئر تھے کنز العلوم میں ان سے جو تعلق تھا وہ ماشاءاللہ تا حال نہایت حسن وخوبی سے قائم ہے، اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ وہ ہمارے یہ تعلقات قائم رکھے (آمین)

رہے ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ، جو ۱۰/اکتوبر کو لندن میں اپنے محبان کو عموماً اور مجھے اور برادر محترم مظہر صاحب حفظہ اللہ کو خصوصاً داغ مفارقت دے گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خطاؤں سے درگذر فرمائے، ان کی نیکیوں میں اضافہ فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

میں ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ سے ہندوستان میں واقف نہیں تھا، البتہ شاید جس دن میں بریلی میں مقیم شیخ عبدالتواب مصری سے مل کر واپس بریلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تھا، اسی وقت وہ بھی شیخ عبدالتواب سے ملاقات کی غرض سے ان کی قیام گاہ پہنچے تھے

جہاں شیخ نے ان سے میرا تذکرہ کیا تھا اور جب وہ ان کے پاس سے اسٹیشن واپس پہنچے تھے اور دہلی جانے والی ٹرین میں سوار ہوئے تھے تو اتفاق سے ان کو اسی ڈبہ میں جگہ ملی تھی، جس میں میں پہلے سے موجود تھا، ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو ضرور تھا، مگر بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

لیکن قاہرہ میں ان سے جو تعلق قائم ہوا اٹھاون برس تک قائم رہا تا آنکہ موت نے ہمارے درمیان دیوار کھڑی کر دی، اللہ غفور رحیم ہمیں جنت الفردوس میں بھی ساتھ رکھے۔

برادر محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن رحمہ اللہ مظہر صاحب کے ساتھ ہی قاہرہ پہنچے تھے، ان سے بھی میں ہندوستان میں واقف نہیں تھا، وہ **مدینة البعوث الاسلامیه** کی بلڈنگ نمبر ۹ میں رہتے تھے۔

ڈاکٹر مقتدی حسن رحمہ اللہ ہم چاروں میں اپنی عمر اور علم وفضل میں افضلیت رکھتے تھے اور ہم اس کی رعایت کرتے تھے، میں جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، بابو نے میری جس طرح تربیت کی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے میرا جو مزاج بنایا ہے ان سب کا تقاضا تھا کہ میں اپنی انفرادیت کی اور علامہ اقبال کی زبان میں اپنی ''خودی'' کی حفاظت بھی کروں اور ہر صاحب فضل کے فضل و مرتبہ کی رعایت ملحوظ رکھوں، جس کی دلیل پیارے نبی فداہ ابی وامی ﷺ کی حدیث پاک میں بھی موجود ہے: **لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا** ''ہم میں سے وہ نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے۔ (ترمذی:۱۹۱۹)

قاہرہ بہت رنگین اور بیحد خوبصورت شہر ہے، اس شہر میں جہاں بننے کا وافر سامان تھا وہیں اس میں بگڑنے اور عقیدہ ومسلک میں صحیح راہ سے منحرف ہونے کے بھی بہت سارے اسباب تھے۔

ڈاکٹر مقتدی حسن، ڈاکٹر عبدالعلی، اور برادر محترم مظہر صاحبان اعلیٰ عربی

مدرسوں سے فارغ التحصیل تھے، جن میں انہوں نے چوٹی کے علمائے اہل حدیث سے تعلیم وتربیت پائی تھی۔

رہا میں، تو جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، تو میری تعلیم ایک تیسرے درجہ کے عربی اسکول میں تین حنفی اساتذہ سے ہوئی تھی، البتہ ان کے علاوہ میری ابتدائی تعلیم و تربیت میرے بابو کے ہاتھوں ہوئی تھی، جو میرے اندر نہ جانے کیوں اپنے پاکیزہ اور صالح خوابوں کی تعبیر پا رہے تھے، پھر میں ایک عظیم انسان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، جس کی پوری زندگی اور اس کی صلاحیتیں اور توانائیاں دین توحید کے احیاء اور شرک و بدعت کی بیخ کنی پر مرکوز تھیں، اور وہ مجھے اعلیٰ درجہ کا حافظ وقاری بنانا چاہتے تھے، میں کسی نہ کسی درجہ کا حافظ تو بن گیا، مگر قاری بننے کے قریب بھی نہ جاسکا، کیونکہ اس کی بنیادی صفت، حسن صوت سے محروم تھا، البتہ عظیم باپ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو محبت تھی، اس کا کچھ حصہ اس کے کمتر بیٹے کو بھی حاصل ہو گیا، جو بعد میں اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث کی محبت کی طرف لے گیا اور اللہ کے فضل وتوفیق سے میرے ناتواں ہاتھوں سے ایک ایسی ضخیم کتاب وجود پذیر ہوگئی، جس میں میں نے دلائل و براہین کی زبان میں یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن وحدیث سے ماخوذ شرعی احکام اپنے درجہ و مقام میں یکساں ہیں، اس لئے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق اطاعت اللہ اور اطاعت رسول یکساں درجہ میں فرض ہے۔

قاہرہ میں بہت سے اصحاب جبہ و دستار کے بیٹے اس کی رنگینیوں میں کھو گئے، لیکن ہم رفقاء اربعہ کو اللہ نے اپنے کرم سے بچالیا۔

ہم میں سب سے اعلیٰ مقام ڈاکٹر مقتدی حسن رحمہ اللہ کو حاصل تھا، اس لئے کہ وہ عمر و فضل میں سب سے ممتاز تھے ذہانت اور قوت حافظہ میں ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ نہ صرف ہم سے بلکہ ہزاروں اذکیا اور نوابغ سے بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے اخلاق و

کردار میں بھی نادر المثال تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے ان کو ہم سیاہ بختوں کے زمانے میں پیدا کر دیا تھا۔

برادرم مظہر صاحب سوجھ بوجھ اور حسن برتاؤ میں سب سے ممتاز تھے اور وہیں ، وہ مردم شناسی اور عفت و پاکیزگی میں نادر المثال ہیں، اگر ہم دیکھتے کہ برادرم حفظہ اللہ واقف کاروں میں کسی سے زیادہ ربط وضبط نہیں رکھتے ،تو ہم بھی اس سے زیادہ قریب نہ ہوتے۔

اس گروپ کے ان تینوں بزرگوں میں تسامح اور رواداری کی صفت غالب تھی اور میں تصادم کو پسند کرتا تھا، خاص طور پر جبکہ معاملہ ایسے شخص سے ہو، جو خود پسندی اور تکبر کا مریض ہو، دراصل ہم چاروں ہاتھ کی ۔ انگوٹھے کے علاوہ ۔ چاروں انگلیوں کے مانند جو اپنی خوبصورتی ، کارکردگی ، جسامت اور لمبائی میں اختلاف کے باوجود ایک دوسری سے نہایت مضبوط اور اٹوٹ تعلق رکھتی ہیں اور ہتھیلی کا حسن ان سب کی ایک ساتھ موجودگی پر موقوف ہے۔

ہم چاروں نے کسی خارجی دباؤ کے بغیر اپنی صوابدید سے کلیہ اصول الدین کے شعبۂ دعوت وارشاد کو اختیار کیا تھا، اس لئے کہ اس میں وہ تمام مضامین موجود تھے، جن کی ضرورت تھی ، ہم سب نے ایک ساتھ تعلیم شروع کی اور ایک ساتھ ’’ماسٹر‘‘ کیا۔

اثناء تعلیم ہی میں پہلے ڈاکٹر عبد العلی کو پھر ڈاکٹر مقتدی کو قاہرہ ریڈیو کے شعبہ اردو میں ملازمت مل گئی تھی اور اس کے بعد جب وہاں ہندی پروگرام شروع ہوا تو اس میں مظہر صاحب کو صدر شعبہ تعینات کر دیا گیا۔

ریڈیو سے وابستگی کے نتیجہ میں یہ تینوں ازہر سے کسی حد تک دور ہو گئے اور محاضرات میں شرکت کے مواقع بہت کم پاتے ، اس لئے کہ ہمارے شعبہ کے اساتذہ عصر کے بعد پڑھانے آتے تھے اور ریڈیو سے نشریات بھی اسی وقت شروع ہوتی تھیں۔

چونکہ میں ریڈیو سے غیر متعلق تھا، اس لئے باقاعدہ محاضرات میں شریک ہوتا اور یہ چیز میرے لئے بہت نفع بخش ثابت ہوئی۔ ''وعسى أن تكرهوا شيئاً وهو خير لكم''۔

ڈاکٹر مقتدیٰ مرحوم ۱۹۶۸ء میں مصر سے ہندوستان چلے گئے، اس طرح ہم تین رہ گئے، اور ان کے چلے جانے کے بعد ریڈیو میں ایک اناؤنسر کی جگہ خالی ہوگئی، جہاں امتحان کے بعد مجھے رکھ لیا گیا، میری تنخواہ ۲۵/ پونڈ ماہوار سے شروع ہوئی، جبکہ کچھ پرانے اناؤنسر کی تنخواہیں کئی سال کے تجربہ کے بعد بھی ۲۲/ پونڈ ماہوار تک پہنچی تھیں، اس پر انھوں نے غیر ملکی پروگراموں کے نگراں SUPER VISOR سے احتجاج کیا، انھوں نے ان کو جواب دیا کہ: میں سال ڈیڑھ سال سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خبروں، تبصروں اور دوسرے ثقافتی پروگراموں کے ترجمے سعید سے کراتے ہو اور ادھر ادھر گھومتے ہو اور جب نشریات کا وقت آتا ہے، تو سعید کا ترجمہ پڑھ دیتے ہو اور تنخواہ اپنی جیب میں رکھ لیتے ہو اور اس خود فریبی میں مبتلا رہتے ہو کہ تم بہت چالاک ہو اور سعید بے وقوف ہے، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس طرح سعید ترجمہ کی مشق کر رہا ہے، جو اس کے لئے تمہارے کھیل کود اور مٹر گشت سے زیادہ مفید ہے اور وہ تمہاری تنخواہوں سے بڑی تنخواہ کا مستحق ہے، اور صرف ایک سال بعد میری تنخواہ ۲۵/ پونڈ ماہوار سے بڑھا کر ۳۲/ پونڈ ماہوار کردی گئی۔'' ان الله لا يضيع اجر المحسنين''۔

ڈاکٹر مقتدی رحمہ اللہ کے ہندوستان واپس جانے کے کوئی دو سال بعد مظہر صاحب بھی سعودی عرب چلے گئے وہاں ان کو ایک ثانوی اسکول میں تدریس کی ملازمت مل گئی تھی، واضح رہے کہ اس وقت ہم تینوں مدينة البعوث الاسلامیہ چھوڑ کر ایک فلیٹ میں رہ رہے تھے اور مظہر صاحب کے سفر کر جانے کے بعد ہم صرف دو رہ گئے۔

ماسٹر کر لینے کے بعد ہم چاروں میں سے صرف میں نے ڈاکٹریٹ کے لئے

رجسٹریشن کرایا تھا، میرے رسالہ Thesis کا موضوع تھا''**حمید الدین الفراھی ، حیاته و منهجه في التفسير**'' رسالہ مکمل ہو جانے کے بعد میں جس آزمائش سے دو چار ہوا اس کو سمجھنے کے لئے چند سال پیچھے جانا پڑے گا۔

جن دنوں ہم چاروں احباب ازہر میں پڑھ رہے تھے اور ابھی ہم نے تعلیمی سفر شروع کیا تھا، انہی دنوں ایک خان بہادر پشاور یونیورسٹی سے ازہر میں ڈاکٹریٹ کرنے آئے تھے، ان کے رسالہ کا عنوان کیا تھا، یہ تو معلوم نہیں، البتہ یہ معلوم ہے کہ ان کا موضوع فرنگی محل لکھنؤ کے مشہور عالم عبدالحئی لکھنوی کی علمی اور فقہی زندگی کا مطالعہ تھا میں خان صاحب کے نام کا ذکر نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ وہ وفات پا چکے ہیں، یہاں یہ بتاتا چلوں کہ جامعہ ازہر کے اساتذہ میں مذہبی تعصب بالکل نہیں تھا اور جو اس بیماری میں مبتلا تھے وہ شاذ و نادر بھی تھے اور ان کو اچھی نظروں سے دیکھا بھی نہیں جاتا تھا، انہی شواذ میں ایک عبدالوہاب عبداللطیف بھی تھے، جو خان صاحب موصوف کے رسالہ کے نگراں مقرر ہوئے تھے۔

خان صاحب خوش شکل بھی تھے اور خوشحال بھی، ازہر سے وظیفہ بھی پاتے تھے اور پشاور یونیورسٹی سے ان کی آدھی تنخواہ وہاں ان کے اکاؤنٹ میں آتی تھی اور اپنی فطرت کے اعتبار سے ان کی خواہش یہ بھی رہتی تھی کہ ان سے ملنے والے اس تواضع سے کچھ زیادہ تواضع کا مظاہرہ کریں، جس کی اجازت اسلامی شریعت نے دی ہے۔

یعنی ان سے جھک کر بھی ملیں اور اپنے چہروں پر وہ مصنوعی مسکراہٹ بھی طاری کر لیں جو تملق اور چاپلوسی کی غماز ہو، جہاں تک موصوف کی علمی صلاحیت کا تعلق ہے تو ان کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہاتھی کی دم کدھر ہوتی ہے اور ان کی پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی میرے ساتھیوں میں کسی صاحب فضل نے لکھا تھا، جس پر ان کو امتیازی نمبروں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔

ڈاکٹر مقتدی مرحوم جس عمارت میں سکونت پذیر تھے، اسی میں ان کے کمرے کے ایک کمرہ کے بعد میری رہائش تھی، اس عمارت کا نمبر ۹ تھا جو ۱۴ نمبر بلڈنگ سے، جس میں برادرم محترم مظہر صاحب اور ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ قیام پذیر تھے۔ قدرے فاصلہ پر تھی، چونکہ مظہر صاحب کافی زندہ دل تھے اور بیحد خلیق بھی اور ان کی یہ بلڈنگ صدر دروازہ کے بہت قریب تھی اس لئے ان کے کمرے میں ہندوستانی طلباء کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا، خان صاحب بھی جب باہر سے آتے تو وہاں سے ضرور گزرتے، ہم چاروں رفقاء دن اور رات میں کئی بار ملتے تھے اور ہماری جائے ملاقات بھی مظہر صاحب کی جائے رہائش ہی تھی، جہاں خان صاحب عموماً مل جایا کرتے تھے، میں ان سے اسلامی تواضع کے ساتھ ہی ملتا اور اپنے چہرے پر وہ مسکراہٹ بھی طاری کر لیتا، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ ان سے مل کر مجھے خوشی ہو رہی ہے، مگر موصوف اس اسلامی تواضع پر قانع نہیں تھے اور میں اس سے زیادہ پر قادر نہیں تھا، جس کی وجہ سے قاہرہ سے واپس جاتے ہوئے ان خان بہادر صاحب نے میرے طرز عمل کا ایسا بھیانک انتقام لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت میرے شامل حال نہ ہوتی تو ازہر سے میں خالی ہاتھ نکلتا اور میرے تعلیمی کیریر پر پانی پھر جاتا۔

اوپر میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ میرے مقالہ کا عنوان تھا ''**حمید الدین الفراهي، حیاته و منهجه في التفسیر**'' میرے قارئین میں سے بیشتر کو یہ بات معلوم ہوگی کہ مولانا فراہی رحمہ اللہ نے ''نظم قرآن'' پر بڑا زور دیا ہے، نظم قرآن سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح قرآن پاک کی سورتوں کی تمام آیتیں باہم مرتب و مربوط ہیں، اسی طرح اس کی سورتوں میں بھی ربط و نظم ہے، اصلاحی مکتبۂ تفسیر سے وابستگی رکھنے والوں نے اس مسئلہ کو اس انداز سے اچھالا گویا ''نظم قرآن'' کا خیال پیش کرنے والے پہلے آدمی مولانا فراہی تھے جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ علمائے اسلام میں عز بن عبدالسلام کے علاوہ کسی نے بھی نظم قرآن کی مخالفت نہیں کی ہے، فرق صرف یہ تھا کہ مفسرین میں سے بعض

نے اپنی تفسیروں میں اس نظم کی رعایت کی ہے اور دوسروں نے نہیں کی ہے، اس نظم کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مصحف کی ترتیب نزولی نہیں ہے، بلکہ وہ ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ ''لوح محفوظ'' میں موجود ہے اور صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ پر قرآن پاک کی جو آیتیں اور سورتیں دعوتی مرحلے میں نازل ہوتی تھیں، وہ ہر سال رمضان میں نبی کریم ﷺ اور جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام ایک دوسرے سے سنتے تھے اور ایک دوسرے کو سناتے تھے، احادیث میں اس کے لئے مدارسۃ اور معارضۃ کی تعبیریں استعمال ہوئی ہیں۔

اور جس سال رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، اس سال کے رمضان میں نبی کریم ﷺ اور جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کے قرآن کے سننے اور سنانے کا عمل دوبارہ ہوا ہے احادیث میں اس کا ذکر ''عرضۂ اخیرہ'' کے نام سے آیا ہے، اس وقت تک سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳، اور سورۂ نصر کے علاوہ پورا قرآن نازل ہو چکا تھا، اور مصحف عثمانی اسی ''عرضۂ اخیرہ'' کے مطابق ہے۔

اس موقع پر ایک نہایت اہم بات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اہل حدیثوں کے مدارس میں قرآن پاک کی سورتوں میں مصحف عثمانی کی ترتیب کی رعایت نہیں کی جاتی اور درسی کتابوں میں تیسویں پارہ کی سورتوں کی ترتیب بدل دی گئی ہے، یعنی یہ پارہ سورۂ نبا سے نہیں بلکہ سورۂ ناس سے شروع ہوتا ہے اور جو بچے اس پارہ کی سورتوں کی تلاوت مصحف عثمانی کے مطابق کرتے ہیں، قرآن کے معلمین ان کی سرزنش کرتے ہیں۔

بات مولانا فراہی کے نظریۂ ''نظم قرآن'' کی چل رہی تھی جس میں کچھ اور چیزیں زیر بحث آگئیں، تو اپنے موضوع پر واپس آتے ہوئے عرض ہے کہ مصادر اور مراجع کی کمی کے باعث مجھے مقالہ تیار کرنے کی راہ میں بڑی مشکلات اور دشواریوں کا

سامنا کرنا پڑا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے میں اس کے تکمیلی مرحلہ میں داخل ہوگیا کہ ایک دن ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ کا ازہر جانا ہوگیا، جہاں ان کی ملاقات شیخ عبدالوہاب عبداللطیف سے ہوگئی اور انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ مجھے وہ پیغام دیا کہ میں جلد از جلد ان سے ان کے دفتر میں ملوں، اس وقت وہ کلیہ اصول الدین کے وکیل (DEAN) تھے، میں فوراً ازہر گیا، اور جیسے ہی ان کے دفتر میں داخل ہوا، وہ مجھ پر برس پڑے اور کہا کہ فراہی تو ''بہائی'' تھا اور تم اس پر رسالہ لکھ رہے ہو، میں نے ادب سے عرض کیا کہ ہندوستان میں فراہی کے سخت ترین مخالفین نے بھی ان پر بدعقیدگی یا بہائی ہونے کا الزام نہیں لگایا ہے، یہ سن کر بھی وہ نرم پڑے اور کہا ''قد أخبرني ثقة بأنه بهائي و أنه لم يكن على عقيدة اهل السنة والجماعة۔

پھر فرمایا! تم اس کے بجائے اپنے رسالہ کے لئے کوئی اور موضوع چنو، ورنہ تم پر بھی بہائی ہونے کے الزام میں تم سے ماجستر (M.A.) کی ڈگری بھی واپس لے لی جائے گی، میں نے عرض کیا کہ میں اپنا رسالہ مکمل کر چکا ہوں اور نئے سرے سے کسی اور موضوع پر رسالہ لکھنا میرے لئے بہت پُر مشقت ہوگا۔

بولے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا! اگر میں فراہی کے صحیح عقیدہ ومسلک کے بارے میں کسی معتبر ہندوستانی عالم مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی کی کوئی تحریر پیش کردوں تو میرا مقالہ مقبول کرلیا جائے گا؟

کہا! سید سلیمان ندوی کا تزکیہ قابل قبول ہے۔

میں نے گھر واپس جانے کے بعد فوراً اپنے استاذ عبدالحسیب اصلاحی کو خط لکھ کر ان کو صورت حال سے مطلع کیا اور ان سے گذارش کی کہ مولانا فراہی کے بارے میں مولانا سید سلیمان ندوی کی کوئی تحریر بھیج دیں۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی رحمہ اللہ میرا عریضہ پاتے ہی اعظم گڈھ میں دارالمصنفین گئے اور معارف سے وہ طویل مضمون خود نقل کر کے مجھے بھیج دیا جو سید سلیمان ندوی نے مولانا فراہی کی وفات پر لکھا تھا۔

الحمد للہ یہ مضمون مجھے تین دن میں مل گیا اور میں نے رات جاگ کر اس کا ترجمہ کیا اور صبح اسے لکھ کر عبدالوہاب عبداللطیف کے پاس پہنچ گیا اور ان کی خدمت میں پیش کر دیا، اور انھوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا، ان کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا، مگر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے! اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ مقالہ خود تم نے نہیں لکھا ہے، بلکہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے، میں نے عرض کیا! کوئی ثبوت نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ یہ مضمون سید سلیمان ندوی کا تحریر کردہ ہے یہ کہہ کر میں اٹھ گیا اور دبی زبان سے ''أفوض امری الی الله'' کہتے ہوئے ان کے دفتر سے نکل گیا اور سیدھا گھر چلا گیا اور تین دن تک کہیں نہیں گیا، چوتھے دن رات کو اپنے استاذ اور رسالہ کے مشرف ڈاکٹر فتح اللہ بدران رحمہ اللہ کے گھر گیا، گھنٹی بجائی، دروازہ کھلا اور اندر گیا، شیخ کو سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دینے کے فوراً بعد فرمایا: ''البقية فی حیاتک'' باقی رہو، تمہاری عمر دراز ہو، عامی زبان میں درازیٔ عمر کی دعا، کسی کی موت کی خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

میں نے عرض کیا: میں سمجھا نہیں، فرمایا! شیخ عبدالوہاب عبداللطیف نے جس دن تمہیں دھمکی دی تھی، اسی دن کی رات ان کا انتقال ہو گیا، اب تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا، لوگ ڈر گئے ہیں۔ میں نے کہا: انا لله وانا اليه راجعون۔

موت تو لازمہ بشریت ہے، پھر بھی شیخ عبدالوہاب کی وفات کی خبر بڑی المناک تھی خان صاحب بہادر نے کسی قصور کے بغیر مجھ سے اتنا بھیانک انتقام لیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے میری مدد کی اور میری محنتوں کو رائگاں ہونے سے بچا لیا۔

ابھی میری آزمائش باقی تھی، میری ثابت قدمی یا اللہ تعالیٰ پر میرے ایمان کا امتحان ختم نہیں ہوا تھا، چند دنوں کے بعد میرے شیخ اور میرے رسالہ کے مشرف ڈاکٹر بدران رحمہ اللہ بھی تقریر کرتے ہوئے وفات پا گئے، رسالہ پر مناقشہ (VIVA) کی تاریخ طے پا چکی تھی مناقشہ کے تینوں ارکان میں سے کوئی میرا ہمدرد نہیں تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے امتحان میں مجھے کامیابی سے ہمکنار کیا، میری آزمائش کے ان حوصلہ شکن ایام کی کہانی ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ کے اس مضمون میں پڑھئے جو مرحوم نے برادر مکرم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن رحمہ اللہ کے بارے میں جامعہ عالیہ کے ترجمان ''افکار عالیہ'' کے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نمبر میں تحریر فرمائے تھے، ڈاکٹر صاحب ہم سب کے بزرگ مولانا مظہر حفظہ اللہ کی سعودی عرب روانگی کے وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''مظہر صاحب کی روانگی کے وقت یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ میرے ساتھ فلیٹ میں کون رہے گا حافظ سعید عابدی نے یہ ذمہ داری قبول کر لی وہ ہم لوگوں کے بعد قاہرہ پہنچے تھے، لیکن بہت جلد ہی ہمارے گروپ کے ممبر بن گئے، اور قاہرہ ریڈیو پر اردو پروگرام میں کام کرنے لگے، عابدی صاحب بہت ہی ملنسار، وفا شعار اور جرأت مند انسان ہیں، حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتے''۔

''..........عابدی صاحب کے ساتھ میں تین سال تک رہا، انہوں نے مجھے مظہر صاحب یا حافظ صاحب کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، سعید عابدی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہم سب سے پہلے ازہر سے پی ایچ ڈی کی، انھوں نے حمید الدین فراہی کے نظم قرآن سے متعلق نظریہ پر مقالہ لکھا اور کامیابی کے ساتھ اپنے خیالات کا دفاع کیا، اس سلسلے میں ان کو کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، مقالہ مکمل ہونے کے بعد اور مناقشہ سے پہلے ان کے مشرف شیخ فتح اللہ بدران کا انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے مشرف اور مددگار سے محروم ہو گئے، پھر اس کے بعد شیخ عبداللطیف دراز نے

جو کہ مناقشہ کمیٹی کے ممبر تھے ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن وہ بھی اچانک بیمار ہو کر بستر پر پڑ گئے، مصر میں مناقشہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اخباروں میں اعلان ہوتا ہے کہ فلاں موضوع پر فلاں طالب علم کے رسالہ کا مناقشہ ہوگا، اعلان عام ہوتا ہے اور ہر ایک کو دعوت دی جاتی ہے، رسالہ کا مشرف اور دو ممتحن بیٹھتے ہیں اور طالب علم سے سوال کرتے ہیں، مشرف عام طور پر طالب علم کی طرف سے بولتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے، حافظ سعید صاحب مشرف سے اور ایک خیر خواہ سے محروم ہو چکے تھے اور ان کا مددگار صرف اللہ تعالیٰ تھا، ممتحن نے اکیلا پا کر ان پر الٹے سیدھے سوالوں کی بوچھار کر دی، لیکن وہ مرد مجاہد ڈٹا رہا اور جہاں تک موضوع سے متعلق کوئی سوال تھا اس کا جواب دیا ایک ممتحن نابینا تھے، نابینا حضرات کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے، انھوں نے لمبی لمبی عبارتیں پڑھنی شروع کر دیں، مجمع سے ان کی تائید کی جاتی رہی، اور شیخ صاحب یہ خیال کئے بغیر کہ وہ ایک طالب علم کی چار سال کی محنتوں کا امتحان لے رہے ہیں، اپنی قابلیت کا مظاہرہ کرتے رہے، حافظ صاحب کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید ان کو فیل کر دیا جائے گا، لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کا عمل کبھی برباد نہیں کرتا، تین گھنٹے کے مناقشہ کے بعد جب ممتحن حضرات ہال سے کمرے میں واپس گئے تو ہم لوگوں کے دلوں سے دعا نکل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھی کو کامیاب کر دے، اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا سن لی، اور جب ممتحن حضرات واپس آئے تو انھوں نے یہ اعلان کیا کہ طالب علم کامیاب ہو گیا اور اس کا رسالہ ٹھیک ہے۔ (ص: ۴۱، ۴۲ شمارہ ۱۳۔ ۲۰۱۲ء)

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالعلی رحمہ اللہ کی نائجیریا کی احمد دبیلو یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے تقرری ہوگئی اور وہ قاہرہ سے چلے گئے اور میں فلیٹ میں اکیلا رہ گیا۔

۱۹۷۲ء میں ریڈیو سے تین ماہ کی چھٹی لے کر میں ہندوستان گیا، بابا ۱۹۶۶ء میں وفات پا چکے تھے اور والدہ ماجدہ باحیات تھیں۔

اس سفر میں میں نے اپنے چھوٹے ماموں اقبال حسین کے مدرسہ قاسم العلوم کے سالانہ امتحان کے اجلاس میں شرکت بھی کی ، اور بڑے ماموں ممتاز علی رحمہ اللہ کی خواہش اور حکم پر اجلاس میں عربی میں تقریر بھی کی ماموں بہت خوش ہوئے گویا ان کو اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی ، اس وقت پیارے ماموں کی بینائی جا چکی تھی ، اس طرح وہ مجھے دیکھنے کی حسرت لئے اس دنیا سے چلے گئے ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ۔

طویل چھٹی گزار کر میں قاہرہ واپس آ گیا اور ریڈیو پر کام شروع کر دیا تقریبا ایک سال سے کچھ زیادہ قاہرہ میں رہا اور اکتوبر ۱۹۷۳ء کی مصر اسرائیل جنگ کی خبریں نہایے جوش وخروش سے نشر کرتا رہا اور اس جنگ کے نتیجے میں مصری عوام اور حکام میں اسلام کی جانب جو غیر معمولی جھکاؤ رونما ہو گیا تھا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ریڈیو کے ذمہ داروں کے سامنے درس قرآن نشر کرنے کی تجویز رکھی جو فوراً منظور ہو گئی ، ریڈیو کے شعبۂ اردو کی نشریات کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہوتا تھا میں نے تلاوت کے فوراً بعد درس قرآن نشر کرنا شروع کر دیا اور گانے اور موسیقی کی نشریات بہت محدود کر دیں ، سامعین کے حلقوں میں میرے اس اقدام کی بڑی پذیرائی ہوئی ، درس قرآن میں خود تیار کرتا تھا ۔

اسی سال ریڈیو قاہرہ کے شعبۂ اردو میں ہمارے ساتھ کام کرنے والے ایک نئے رفیق جن کا تعلق حیدر آباد سے تھا اور جو عقیدہ رضا خوانی تھے مگر میری وجہ سے اپنے عقیدہ کا ترجمان کوئی پروگرام نشر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے ، میرے گھر آئے اور کہا کہ المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیہ (Supreme Council for Islamic Affairs) ایک کتاب کا اردو ترجمہ کرانا چاہتی ہے ، میں وہاں اتفاقاً گیا تھا اور ترجمہ کے لئے آپ کا نام دے دیا ہے ، کل صبح وہاں جا کر کتاب لے لیجئے ، میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا : آپ نے اپنی خدمات کیوں نہ پیش کر دیں ؟

بصراحت فرمایا: اس کا اردو ترجمہ کرنا میری قدرت سے باہر ہے، وہ ایک ضخیم کتاب ہے، اس کا موضوع تصوف ہے اور اسلوب فلسفیانہ ہے، واضح رہے کہ موصوف مجھ سے بہت زیادہ معمر تھے اور اپنے آپ کو بہت بڑا علامہ تصور کرتے تھے، بایں ہمہ اپنی قدر پہچانتے تھے، ورنہ اتنا نفع بخش سودا اس آسانی سے میرے حوالہ نہ کرتے۔

ان کے فرمانے کے بموجب میں مجلس گیا اور شعبہ ترجمہ کے ذمہ دار سے اپنا تعارف کراتے ہوئے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ لوگ کسی کتاب کا اردو میں ترجمہ کرانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے اثبات میں جواب دے دیا اور کتاب میرے سامنے رکھ دی، کتاب کا نام **التنسک الاسلامی** اور مؤلف کا نام ڈاکٹر محمد غلاب تھا، میں نے کتاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اس کے ترجمہ پر اپنی رضامندی ظاہر کردی، انھوں نے کتاب میرے حوالہ کردی، معاوضہ کی بات نہ انھوں نے کی اور نہ میں نے، میں نے کتاب لی اور ان کا شکریہ ادا کرکے گھر چلا گیا۔

کتاب کے مؤلف ڈاکٹر محمد غلاب بہت بڑے صوفی تھے اور فلسفی ادیب، اگرچہ ان کے اسلوب نگارش پر فلسفہ کی گہری چھاپ تھی، لیکن طرز بیان بہت پیارا اور واضح تھا وہ نابینا تھے، مگر جب بولتے تھے تو ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور الفاظ کے حسن انتخاب اور جملوں کی خوبصورت ساخت سے ذوق سلیم کو وجد کرنے پر مجبور کردیتے تھے۔

صوفیا کی کتابیں عام طور پر بہت مبہم ہوتی ہیں، یا تو وہ اپنے نظریات واضح طور پر بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، یا ایسا کرنا نہیں چاہتے، تاکہ اگر کوئی ان کی کسی بات پر اعتراض کرے تو تاویل کرکے اس کو قابل قبول بنایا جاسکے قشیری نے اپنے رسالہ میں یہ تصریح کی ہے کہ صوفیا قصداً اپنی باتیں غیر واضح اور پیچیدہ رکھتے ہیں تاکہ غیر صوفی ان پر اعتراض نہ کرسکے، لیکن ڈاکٹر محمد غلاب کا اسلوب بیان صوفی ہونے کے باوجود نہایت

واضح تھا۔

گھر جا کر میں نے کتاب کا طویل مقدمہ خود غور سے پڑھا اور ان کا نظریہ تصوف بھی سمجھ میں آ گیا اور بھی معلوم ہو گیا کہ کس مقصد سے انھوں نے یہ ضخیم کتاب لکھی ہے۔

میں نے فورا کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا، ترجمہ میں نے مقدمہ سے کیا اور اردو میں اس کا نام ''اسلامی تصوف'' قرار دیا۔

میں گھر میں اکیلا تھا، اس لئے یکسو ہو کر ترجمہ میں جٹ گیا اور بفضلہ تعالیٰ پانچ ماہ میں چھ سو صفحات کی کتاب کا ترجمہ مکمل کر لیا، ترجمہ ساڑھے سات سو صفحات میں ہوا تھا، دوسرے دن صبح ترجمہ لے کر مجلس گیا، وہاں وہی ذمہ دار موجود تھے، انھوں نے ادھر ادھر سے کتاب پر نظر ڈالی اور کہا کہ وہ اس کو ہندوستان یا پاکستان بھیج کر اس کی کتابت کرائیں گے، پھر مجھے معاوضہ دیں گے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس طرح تو مجھے اپنی محنت کا ثمرہ کم از کم دو سال بعد ملے گا یہ سوچ کر میں نے ان سے کہا کہ میرا اردو خط بہت اچھا تو نہیں ہے، لیکن برا بھی نہیں ہے، تو کیا اگر میں خود ہی اس کی کتابت کر دوں تو کتاب چھاپ دی جائے گی؟ انھوں نے فرمایا کہ تم مجھے نمونہ کے طور پر دو صفحے لکھ کر دکھاؤ، میں انہیں پریس بھیجوں گا اگر وہاں سے جواب ''اثبات'' میں آ گیا، تو تم خود کتابت کر دینا۔

میں گھر واپس گیا اور بڑے بڑے سائز کے دو صفحے سیاہ روشنائی سے ''نستعلیق'' اور شکستہ کے درمیانی خط میں لکھا اور اسے لے کر مجلس گیا اور ترجمہ کے ذمہ دار کے سپرد کر دیا، انھوں نے کہا کہ میں اسے ابھی پریس بھیج دوں گا، زیادہ سے زیادہ دو دن میں جواب آ جائے گا، تم دو دن بعد آ جانا۔

دو دن کے بعد جب میں مجلس گیا تو شعبۂ ترجمہ کے ذمہ دار نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ پریس نے تمہارے خط کو قابل طباعت قرار دے دیا ہے اب جاؤ اسی خط میں

کتابت شروع کر دو اور جب کتاب تکمیل پا جائے تو فوراً لے آؤ۔

میں گھر واپس گیا اور A4 سائز کا بہترین کاغذ خریدا اور اس پر کتابت شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ڈیڑھ ماہ کی مدت میں ساڑھے سات سو صفحے لکھ لئے، اور اسے لے کر مجلس گیا اور شعبۂ ترجمہ کے ذمہ دار کو پیش کر دیا اور وہ ترجمہ اور مجھے لے کر شعبۂ مالیات کے مدیر کے پاس گئے، اور ان کو کتاب دکھائی، جس کو انھوں نے ایک دو جگہ دیکھنے کے بعد اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا: کل صبح آ جایئے اور ترجمہ کے معاوضہ کی پہلی قسط لے جایئے، انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ معاوضہ کتنا ہے۔

بہر حال صبح ۹ ربجے میں مجلس پہنچ گیا اور شعبۂ ترجمہ کے ذمہ دار کے پاس گیا اور انھوں نے مجھے بتایا کہ مجلس نے آپ کو کتاب کے ترجمہ کا معاوضہ پانچ سو پونڈ۔ میری پندرہ ماہ کی تنخواہ کے مساوی۔ دینے کا فیصلہ کیا ہے، جس میں سے چار سو پونڈ آج اور بقیہ سو پونڈ کتاب چھپ جانے کے بعد دیئے جائیں گے، پھر انھوں نے مجھے خزانچی (Cashier) کے نام ایک کاغذ دیا جو میں نے اس کے پاس جا کر اسے پیش کر دیا، تو اس نے پہلے اسے دیکھا، پھر میرے چہرہ پر نظر ڈالی اور اس کے چہرے پر حیرت وتعجب کی علامتیں نمودار ہوئیں اور اس نے بے دلی سے تجوری کھولی اور اس میں سے پانچ سو پونڈ کے اسی نوٹ نکالے اور نہایت ناگواری کے ساتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے گویا ہوا ''انھیں گن لو، میرے خیال میں اس کی ناگواری کا سبب یہ رہا ہوگا کہ وہ بیک دفعہ مجھے اتنی بڑی رقم دے رہا ہے، جو اس کی دو سال کی تنخواہ کے برابر ہے۔ **اللھم لک الحمد والشکر علی ما أنعمت عليّ۔**

اس واقعہ پر صرف ڈیڑھ ماہ کی مدت گذرنے کے بعد ریڈیو پر کام کرنے والے میرے ایک دوسرے ساتھی، جو ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر مولانا اویس ندوی کے بیٹے تھے اور جن کو میں ہی ریڈیو پر لایا تھا، محمد ہارون نگرامی رحمہ اللہ، میرے پاس آئے اور یہ خبر

دی کہ اخبارات میں یہ خبر چھپی ہے کہ سعودی ریڈیو میں ایک اردو اناؤنسر کی ضرورت ہے با صلاحیت خواہش مند جدہ میں سعودی سفارتخانہ میں درخواست دے سکتے ہیں۔

ہارون مرحوم سے میں نے پوچھا کہ کیا اشتہار میں یہ صراحت ہے کہ سعودی ریڈیو کو اردو اناؤنسر کی ضرورت ہے؟ کہا نہیں، اشتہار میں ''لغات شرقیہ'' ہے۔

میں نے کہا، مشرقی زبانیں تو بہت ہیں، اگر ضرورت اردو اناؤنسر کی ہوتی تو اس کی صراحت ہوتی۔

ہارون اور دوسرے احباب نے کہا کہ آپ کو درخواست دینے میں کیا پریشانی ہے اگر ''لغات شرقیہ'' سے مراد زبانوں کے ساتھ اردو بھی ہے تو آپ کی درخواست قابل غور ہوگی ورنہ نہیں، لہذا اس احتمال کے پیش نظر آپ درخواست پھینک آیئے، اسی بحث وتکرار میں دو دن گزر گئے اور ہارون رحمہ اللہ ہار نہیں مانے، اور کہا کہ کل کا دن درخواست دینے کا آخری دن ہے، آپ درخواست لکھ کر اور اس پر دستخط کر کے مجھے دید یجئے، میں جا کر جمع کر دیتا ہوں۔

ان کے اصرار پر محض ان کو خوش کرنے کے لئے میں نے بے دلی سے چند سطریں لکھ کر اور اس پر دستخط کر کے ان کو دیدیا اور وہ گئے اور اس کو جمع کر آئے۔

درخواست دینے کے تیسرے دن قاہرہ ریڈیو کے شعبہ اُردو کو سعودی سفارت خانہ سے فون کیا گیا کہ ڈاکٹر سعید عابدی کو کل انٹرویو کے لئے سفارت خانہ بھیج دیجئے، جب صدر شعبہ نے ہارون کو جو اس وقت ریڈیو پر تھے اس کی اطلاع دی تو وہ وہاں سارا کام چھوڑ کر ہمارے ایک دوسرے خیر خواہ کے ساتھ بذریعہ ٹیکسی میرے گھر آئے اور مجھے انٹرویو کی خبر دی، چنانچہ دوسرے دن میں وقت مقررہ پر سعودی سفارتخانہ گیا اور اپنا نام بتایا تو مجھے ریڈیو ریاض اور جدہ کے ڈائرکٹر جنرل اور مشہور اناؤنسر جناب زہیر ایوبی کے پاس پہنچا دیا گیا، جو عربی، فارسی اور اردو میں نئے اناؤنسروں کے ساتھ تعاقد Contract

کرنے کے لئے جدہ سے آئے ہوئے تھے، میں ان کی خدمت میں پہنچا تو انتہائی ادب و احترام سے میرا خیر مقدم کیا اور صرف یہ پوچھا کہ قاہرہ ریڈیو پر میری تنخواہ کیا ہے، اور کیا ریڈیو سے باہر بھی میں کام کرتا ہوں؟ میں نے عرض کیا:

ریڈیو پر میری تنخواہ ۳۲/ پونڈ ہے، اور ریڈیو سے باہر کوئی کام نہیں کرتا، البتہ ابھی جلدی ہی میں نے **المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ** کی ایک کتاب کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے، جس کا معاوضہ مجھے پانچ سو پونڈ ملا ہے، انھوں نے پوچھا:

مذکورہ کتاب کے ترجمہ میں کتنا وقت لگا؟ میں نے عرض کیا: پانچ مہینہ

فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ یہاں آپ کی ماہانہ آمدنی ۱۳۲/ پونڈ ہے۔ میں نے وضاحت کی کہ یہ ایک عارضی کام تھا، مستقل نہیں،

انھوں نے میری اس وضاحت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور فرمایا: ہم آپ کو دو ہزار ریال ماہانہ تنخواہ، تین سو ریال ماہانہ ٹرانسپورٹ اور دو مہینے کی تنخواہ ہاؤس الاونس۔ گھر کا کرایہ۔ دیں گے۔

مزید فرمایا: اگر آپ کو یہ منظور ہے تو کل سفارت خانہ آکر ضروری کاغذات پر دستخط کر دیجئے اور تاشیرۃ العمل Work Visa لے لیجئے۔

اور اگر آپ کو غور وخوض کے بعد یہ تنخواہ نا مناسب لگے تو دو دن کے اند اند سفارت خانہ کو اپنی رائے سے مطلع کر دیجئے۔

میں اس کے بعد گھر واپس چلا گیا، حسن اتفاق سے اسی دن شام کو محترم عبدالنور بن عبدالعظیم رحمہ اللہ ایک لڑکے کے ساتھ مجھ سے ملنے میرے گھر آئے، جو شاید ایک دن قبل ندوۃ لکھنؤ سے قاہرہ پہنچے تھے، ان کے والد ماجد اور میرے والد رحمہما اللہ کے مابین دوستانہ تعلقات تھے۔

محترم عبدالنور مرحوم سے میں نے سعودی عرب میں اپنی ملازمت اور تنخواہ کا

ذکر کرنے کے بعد ان سے ان کی رائے پوچھی تو انھوں نے فرمایا: موجودہ وقت میں سعودی عرب میں ماہانہ دو ہزار ریال بہت بڑی تنخواہ ہے، عام طور پر وہاں لوگ آٹھ یا نوسو ریال تنخواہ پر کام کرتے ہیں، خود جدہ ریڈیو پر ندوۃ کے استاذ مولانا عبدالماجد ندوی نوسو ریال ماہانہ تنخواہ پر دو سال سے کام کررہے ہیں، میرا آپ کو یہ مشورہ ہے کہ سفارت خانہ جاکر تعاقد کے کاغذات پر دستخط کردیجئے اور جلد از جلد وہاں چلے جایئے۔

محترم جناب عبدالنور رحمہ اللہ کے مخلصانہ مشورہ کے بعد میں نے سعودی عرب جانے کا فیصلہ کرلیا اور سعودی سفارت خانے جاکر کاغذات پر دستخط کردیئے، پاسپورٹ پر ویزا بھی لگ گیا اور سعودی ایرلائنز کے نام ٹکٹ کے لئے کاغذ بھی مل گیا، البتہ بیوی کو یہ کہکر ویزا دینے سے انکار کردیا گیا کہ عمرہ کا ویزا رمضان کے بعد بند ہوجاتا ہے اور اس وقت شوال کا مہینہ چل رہا ہے اور زیارت کا ویزا عورتوں کو نہیں دیا جاتا، میں نے کہا رفاقت یا ہمسفری Companiin Ship کا ویزا تو دیا جاسکتا ہے، میں نے یہ بھی کہا کہ اگر بیوی کو ویزا نہیں دیا جائے گا تو میں بھی نہیں جاؤں گا، یہ دھمکی کارگر ہوگئی اور مجھے خاموش کرنے کے لئے رفاقت کا ویزا دو ہفتہ کے لئے دیدیا گیا اور سعودی عرب پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ ویزا لے کر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو بیوی کے حق میں بہتر بنادیا۔

پھر میں نے ریڈیو سے استعفیٰ کی درخواست بھیجنے کا ارادہ کیا، جس پر غیر ملکی پروگراموں کے سُپر وائزر نے کہا کہ استعفیٰ نہ دو، دو مہینہ کی سرکاری چھٹی لے لو تا کہ اگر کسی وجہ سے تمہیں سعودی عرب پسند نہ آئے تو یہاں کی ملازمت تو باقی رہے، اس طرح تمہیں دو مہینہ کی تنخواہ اور سعودی عرب کو پرکھنے کے لئے دو مہینہ کی مدت کافی ہے، یہ نہایت مخلصانہ مشورہ تھا، لہذا میں نے دو مہینہ کی چھٹی کی درخواست دے دی، جو فوراً منظور ہوگئی اور میں سفر کی تیاری کرنے لگا۔

بڑی دوڑ دھوپ کے باوجود میں ۲۶ر شوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۰ر نومبر ۱۹۷۴ء سے پہلے سفر کرنے کے قابل نہ ہو سکا، جبکہ عربی اور فارسی کے شعبہ کے لئے جن لوگوں کے ساتھ تعاقد ہوا تھا وہ سب سعودی عرب جا چکے تھے، مگر یہ تاخیر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے لئے خیر بن گئی، اور ۲۶ر شوال کو ہم دونوں سعودی طیارہ سے جدہ پہنچ گئے، چونکہ مجھے ریاض میں اپنے کاغذات پیش کرنے تھے، اس لئے میں نے جدہ میں عرصہ سے مقیم ایک ہندوستانی فیملی میں بیوی کو چھوڑا اور ۲۷ر شوال کی صبح کی فلائٹ سے ریاض روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچتے ہی اپنے ایک واقف کار کے ساتھ ریاض ریڈیو کا رخ کیا اور وہاں کے شعبۂ ملازمین کے ڈائرکٹر کے دفتر میں جا کر اپنے کاغذات مع پاسپورٹ پیش کر دیئے، موصوف نے سب سے پہلے پاسپورٹ دیکھا اور اس پر مملکت میں داخل ہونے کی تاریخ ۲۶ر شوال دیکھ کر فرمایا ''ایک دن کی تاخیر مبارک ہو پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

۲۵ر شوال ۱۳۹۴ھ تک سعودی عرب کے غیر ملکی سرکاری ملازمین ہاؤس الاؤنس دو مہینہ کی تنخواہ کی شکل میں دیا جاتا تھا جو رہائشی گھروں کے کرائے میں اضافہ کے پیش نظر کم تصور کیا جا رہا تھا، اس لئے ۲۶ر شوال ۱۳۹۴ھ سے دو ماہ کے بجائے تین ماہ تنخواہ کر دیا گیا ہے، تم وزارت اطلاعات کے پہلے ملازم ہو، جو اس سے مستفید ہو رہے ہو، پھر انھوں نے سرکاری خزانچی Cashier کے نام مجھے ایک کاغذ دیا جس میں اس کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ مجھے تین ماہ کی تنخواہ مبلغ چھ ہزار ریال دے، یہ مملکت کی سرزمین میں پہلی برکت تھی جو مجھے حاصل ہوئی، اس زمانہ میں یہ بہت بڑی رقم تصور کی جاتی تھی۔

اوپر میں عرض کر چکا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو دو ہفتہ کے رفاقتی ویزے پر اپنے ساتھ لایا تھا، جس کو یہاں مملکت میں مقیم میرے دوست احباب میری بہت بڑی غلطی قرار دے رہے تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ ویزا ''اقامہ'' Residential Visa میں

تبدیل نہیں ہوسکتا، انجام کار تمہیں اسے قاہرہ واپس بھیجنا پڑے گا اور تم یہاں سے اقامتی ویزا بھیجو گے تب یہ یہاں دوبارہ آسکے گی۔

ریاض میں شعبۂ ملازمین کے ڈائرکٹر سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی اور یہ بھی انھیں بتایا کہ بیوی کے انٹری ویزا کی میعاد ختم ہونے والی ہے اس فرشتہ صفت انسان نے اپنے ایک مخلص دوست سے، جو اس مسئلہ کی نزاکتوں سے پوری واقفیت رکھتا تھا، مشورہ کیا اس نے ان کو اپنی معلومات کی روشنی میں بتایا کہ "رفاقتی ویزا" کو Residential Visa میں تبدیل کرنے کے لئے قانونی کاروائی نقصان دہ ہوگی اور اقامہ بھی نہیں ملے گا، لہذا میری رائے ہے کہ وزیر داخلہ یا نائب وزیر داخلہ کے نام کسی بااثر شخصیت سے کوئی لیٹر حاصل کرکے یہ کام کرانے کی کوشش کیجئے، تو ان شاء اللہ، مستقل اقامہ مل جائے گا شعبۂ ملازمین کے ڈائرکٹر کو یہ مشورہ معقول لگا اور انھوں نے وزارتِ اطلاعات میں تعلقات عامہ کے ڈائرکٹر جنرل Director General of Public Relations سے مجھے ساتھ لے کر ملاقات کی اور انہیں پوری صورت حال بتائی اور ان سے تعاون کی اپیل کی موصوف نہایت اعلیٰ اخلاق سے متصف انسان تھے، اور لوگوں کی مدد ان کی شناخت تھی، چنانچہ انھوں نے ان سے کہا کہ تم خود نائب داخلہ شہزادہ احمد بن عبدالعزیز کے نام میری طرف سے ایک خط مناسب اسلوب میں لکھو، میں اس پر دستخط کرکے ان کو دوں گا اور یہ خود شہزادہ موصوف سے ملاقات کرکے ان کو پیش کردیں گے اور ان شاء اللہ سارا کام ہوجائے گا۔

شعبۂ ملازمین کے ڈائرکٹر نے اپنے کمرے میں واپس جاکر وہ خط تیار کیا اور اسے ٹائپ کراکے ڈائرکٹر جنرل کو دکھایا، جس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد انھوں نے اس پر دستخط کیا، اسے ایک خوبصورت لفافہ میں رکھا اور میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا "فوراً وزارت داخلہ جاؤ اور شہزادہ احمد سے خود مل کر ان کو پیش کردو، ان شاء اللہ وہ اسی وقت

تمہارا کام کردیں گے۔

اس وقت ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا، میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ٹھیک ایک بجے میں وزارت داخلہ پہنچا، اندر گیا، اور وہاں کام کرنے والے ایک شخص کی مدد سے شہزادہ احمد کے دفتر کے پاس پہنچ گیا، دروازہ کھلا ہوا تھا، میں باہر کھڑا ہوگیا، اچانک انھوں نے باہر نظر ڈالی تو مجھے دیکھ لیا اور فوراً مجھے اندر بلایا، میں نے ان سے سلام ومصافحہ کرنے کے بعد لفافہ ان کی طرف بڑھادیا انھوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا'' بیٹھ جایئے۔ تفضّل۔ اور لفافہ کھول کر خط پڑھنے لگے، خط پڑھنے کے بعد فرمایا: قاہرہ تو بہت خوبصورت شہر ہے وہاں ہر جگہ علمی وثقافتی ادارے اور یونیورسٹیاں ہیں یہاں آپ کو اجنبیت محسوس ہوتی ہوگی، لیکن ان شاء اللہ بہت جلد یہاں سے مانوس ہو جائیں گے۔

میرے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اپنے مقام ومرتبہ کی بلندی کے ساتھ وہ اتنے بلند اخلاق بھی ہوں گے انھوں نے اپنے سکریٹری کو بلایا اور اس سے فرمایا'' ادارہ پاسپورٹ اور اقامہ کے ڈائرکٹر جنرل کے نام میری طرف سے ایک لیٹر لکھو کہ ریڈیو ریاض کے اناؤنسر ڈاکٹر سید سعید احسن عابدی کی بیوی کو'' مستقل اقامہ'' دے دیں، اور مجھ سے فرمایا کہ ان کے ساتھ چلے جایئے وہ مذکورہ لیٹر تیار کرکے اور اس پر مجھ سے دستخط کراکے آپ کو دے دیں گے، آپ وہ لیٹر لے کر ادارۂ پاسپورٹ جائیں گے، ان شاء اللہ آپ کی بیوی کو اقامہ مل جائے گا۔

اس وقت پونے دو بجے تھے، سکریٹری نے مجھ سے کہا کہ اس وقت جاؤ کل نو بجے صبح آنا لیٹر تیار ملے گا۔

صبح جب میں وزارت داخلہ گیا تو اس نے کہا کہ تمہارا لیٹر میں نے دوسرے کاغذات کے ساتھ ہی بھیج دیا ہے، اس نے مجھے اس کا نمبر بھی دیا، میں بذریعہ ٹیکسی ادارۂ

پاسپورٹ اور اقامہ گیا اور نمبر دکھایا تو بتایا گیا کہ نائب وزیر داخلہ کا لیٹر آ گیا ہے، بیوی کا پاسپورٹ دو تا کہ اس کا اقامہ بنا دیا جائے، میں نے کہا کہ پاسپورٹ تو اس کے ساتھ جدہ میں ہے، تو بتایا گیا کہ اب اس کی فائل جدہ بھیج دی جائے گی۔

ادارۂ جوازات سے جب میں ریڈیو ریاض واپس پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈائرکٹر جنرل زہیر ایوبی میرا انتظار کر رہے ہیں، فوراً ان سے ملا تو انھوں نے کہا کہ مالیات سے سعودی ایرلائنز کے نام لیٹر لو اور شام کی فلائٹ سے جدہ جاؤ، تمھیں جدہ ریڈیو میں کام کرنا ہے۔

بھاگم بھاگ میں نے اپنے دوست احباب کو اپنی جدہ منتقلی سے مطلع کیا اور ان کی دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ ریاض ایرپورٹ پہنچا اور وہیں ٹکٹ لے کر فلائٹ کا انتظار کرنے لگا اور شام ۶ ؍بجے کی فلائٹ سے بخیر وعافیت جدہ پہنچا، جہاں رات گزار کر صبح ۷؍بجے جدہ ریڈیو پہنچ گیا، وہاں شعبہ اردو کے رفقاء میری آمد سے بالکل لاعلم تھے، بہرحال کسی نے دل سے اور کسی نے بظاہر مجھے خوش آمدید کہا، وہاں کام کرنے والے رفقاء میں صرف محترم جناب طارق علی خاں رحمہ اللہ کو جانتا تھا، وہ اس طرح کہ قاہرہ ریڈیو پر ان سے سرسری ملاقات ہو چکی تھی، نہایت محبت سے ملے، طارق بھائی تبلیغی جماعت والوں سے میل جول رکھتے تھے، جس کے نتیجے میں بزرگوں کی ولایتوں اور کرامتوں کا بہت ذکر کرتے رہتے تھے، حنفیت میں بھی بہت سخت تھے، مگر جب میں نے بتایا کہ فضائل اعمال میں، جو تبلیغی جماعت کا دستور ہے ۸۰؍فیصد روایات حدیث نہیں جھوٹ ہیں اور اس میں مذکور نام نہاد اولیاء اللہ کی کرامتوں کے واقعات نہ صرف یہ کہ ناقابل اعتماد ہیں بلکہ اسلام کے "توحیدی مزاج" سے متصادم ہیں، اسی طرح فقہی مذاہب چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہیں اور یہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے عقائد، دعوت اور سلوک کے ترجمان نہیں ہیں اور اصول وفروع دونوں میں کتاب وسنت کے احکام سے متعارض ہیں تو ان کا نقطۂ نظر بدلا،

اور وہ بے لچک موحد اور کتاب وسنت کے متبع بن گئے، چونکہ ''خان'' تھے اس لئے سلفیت کے گرم جوش داعی بن گئے، اور جب میری پہلی کتاب موضوع ومنکر روایات ۔ یہ حدیث نہیں ہے شائع ہوئی تو اسے اپنے پیسوں سے خرید خرید کر اپنے جاننے والوں میں تقسیم کرنے لگے، مرحوم سے میرے تعلقات الحب للہ اور البغض للہ کی بنیاد پر ان کی زندگی کے آخری لمحات تک قائم رہے۔ رحمه الله رحمة واسعة۔

دوسرے بزرگ صدر شعبہ اردو محترم جناب نثار احمد رفیع رحمہ اللہ تھے، جو اصلا لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور سعودی شہریت حاصل کر چکے تھے، نہایت وضع دار تھے براہ راست ریڈیو جانے سے پہلے، اپنے میزبان جناب فرید وحیدی کے ساتھ نثار صاحب سے ان کے گھر جا کر ملاقات کی تھی، مرحوم نے اس وقت یہ بتا کر مجھ کو چونکا دیا تھا کہ ریڈیو جدہ کے شعبہ اردو کا،، دورانیہ'' صرف ۵۲ ر منٹ ہے اور اناؤنسروں کی تعداد پانچ ہے، جو زیادہ محسوس کی جارہی ہے، اور اب آپ کی آمد سے یہ تعداد چھ ہوگئی ہے۔

تیسرے بزرگ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ اور معلم الانشاء کے مؤلف مولانا عبد الماجد ندوی رحمہ اللہ تھے، جو نثار صاحب کے ساتھ مجھے دیکھ کر خوفزدہ سے ہو گئے لیکن بعد میں الحمد للہ ان کو اطمینان ہو گیا۔

ریڈیو ریاض اور ریڈیو جدہ کے ڈائرکٹر جنرل ایک تو خود عربی کے مشہور اناؤنسر تھے، دوم وہی مجھے قاہرہ سے لائے تھے، یہ دکھانے کے لئے کہ میرے ساتھ تعاقد Contract کرکے انھوں نے درست کام کیا ہے، وزارت اطلاعات اور دونوں نشر گاہوں کے ذمہ داروں سے میرے حیثیت سے زیادہ میری تعریف کرتے رہے، اس سے ان کا قد اونچا ہوا کہ نہیں، البتہ جہاں میں اپنے احباب اور رفقاء کے حلقوں، اور دوسری زبانوں کے اناؤنسروں کے درمیان کچھ زیادہ ہی مشہور ہو گیا، وہیں میں یہ بھی محسوس کرنے لگا کہ میری ذمہ داریاں دوسروں سے زیادہ ہیں، جن کو کما حقہ ادا کرکے ہی میں اپنے محسن

جناب زہیر ایوبی کے معیار پر پورا اتر سکتا ہوں، اور اس ارض مقدس کی نشر گاہ کے معیار کو بھی بلند کر سکتا ہوں، یاد رہے کہ اس وقت ریڈیو قاہرہ کو عالمی نشر گاہوں میں بڑا اونچا مقام حاصل تھا، جب کہ ریاض ریڈیو اور جدہ ریڈیو کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی، انہی اعتبارات کو سامنے رکھ کر میں نے محترم نثار احمد رفیع اور جناب طارق علی خاں کے ساتھ مل کر ریڈیو جدہ کے تمام پروگراموں کے معیار کو بلند کرنے کی غرض سے نیا لائحہ عمل بنانے کا فیصلہ کیا، اور تمام اناؤنسروں پر اس کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی۔

رہی بیوی کے اقامہ کی بات تو جب میں نے کام شروع کر دیا تو ادارۂ پاسپورٹ اور اقامہ، جدہ میں غیر ملکیوں کے معاملات کے معقب۔ پیروی کرنے والا۔ سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا جب تک ریاض سے جدہ بھیجے جانے والے معاملات کا نمبر نہیں مل جاتا اس وقت تک کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا، اس پر میں نے ریاض ریڈیو کے معقب کو خط لکھ کر اس سے یہ گذارش کی کہ وہ ''جوازات'' سے نمبر لے کر مجھے بھیج دے۔ اس نے از راہ کرم دو دن میں وہ نمبرات مجھے بھیج دیئے، اور میں نے جدہ ریڈیو کے معقب کو وہ نمبرات بیوی کے پاسپورٹ کے ساتھ دے دیا، اور جوازات جدہ گیا اور دو گھنٹہ کے اندر اقامہ لے کر آ گیا، یہ سعودی عرب کی سرزمین میں دوسری برکت تھی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور جس کو دیکھ کر یہاں طویل عرصہ سے مقیم افراد نے یہ تبصرہ کیا کہ ان کی معلومات کے مطابق پہلی مرتبہ اس طرح کسی کو یہاں کا اقامہ ملا ہے۔ **فللہ الحمد والشکر۔**

محترم جناب زہیر ایوبی کی خواہش، اپنے داخلی جذبہ اور رفقاء کے تعاون واشتراک سے ایسے پروگرام تیار کرنے اور پیش کرنے شروع کر دیئے، جو اسلام کے ترجمان، مملکت سعودی عرب کے مقامی، علاقائی اور بین لاقوامی مقام ومرتبہ سے ہم آہنگ اور عصری تقاضوں کے مطابق ہوں، جن کے نتیجہ میں سعودی عرب میں مقیم افراد

کے درمیان اور بیرونی سطح پر لوگ جدہ ریڈیو کی جانب متوجہ ہوئے اور اس سے نشر ہونے والے پروگراموں کو شوق اور دلچسپی سے سننے لگے۔

جدہ ریڈیو سے اپنی وابستگی کے ابتدائی چند سالوں میں میں نے جو پروگرام پیش کئے ان میں سے سامعین کے حلقوں میں پسند کئے جانے والے بعض پروگراموں کے نام ہیں:

(۱) الاسلام فی قفص الاتهام (۲) حقائق الاسلام و أباطيل خصومة

(۳) التضامن الاسلامی (۴) سوق عكاظ

(۵) من روائع الشعر العربی (۶) اثر القرآن فی الشعر العربی

(۷) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ہندوستانی طلباء کے ساتھ انٹرویو

(۸) مشاهير اسلام (۹) خدمات المملكة للاسلام والمسليمن.

ان کامیاب پروگراموں کے بعد میرا کامیاب ترین اور برصغیر کے سامعین کا محبوب ترین پروگرام علمائے حرمین تھا، اس ہفتہ روزہ پروگرام میں میں نے سو علمائے حرمین کے علمی مقام ومرتبہ، اصلاح عقیدہ کے میدان میں ان ناقابل فراموش خدمات، ان کے تسامح اور رواداری اور ان کے مساعی کے دوررس اثرات کا تعارف کرایا تھا۔

یہ پروگرام سو ہفتہ جاری رہا، ایسا پروگرام اس جامعیت کے ساتھ سعودی ریڈیو کا شعبۂ عربی بھی نہیں پیش کر سکا تھا جس کے وسائل وذرائع اور جس کے مصادر ومراجع مجھ جیسے ناتواں فرد واحد کے وسائل وذرائع سے بہت زیادہ تھے۔

میں نے اپنے اس قابل فخر پروگرام کے پہلے حلقہ میں عرض کیا تھا:

اس وقت دنیا میں پائے جانے والے آسمانی مذاہب تین ہیں: یہودیت، نصرانیت اور اسلام، اسلام کی طرح یہودیت اور نصرانیت بھی آغاز امر میں توحیدی

مذاہب تھے، مگر یہودیوں اور عیسائیوں نے موسی اور عیسی علیہما الصلاۃ والسلام کے بعد اللہ کی نازل کردہ کتابوں: تورات وانجیل میں اتنی تحریفیں کیں اور ان کو اس قدر بدلا کہ وہ کچھ سے کچھ ہوگئیں اور ان میں توحید کا شائبہ نہ رہا اس لئے پوری دنیا میں صرف اسلام ایسا دین و مذہب ہے جو ''توحیدی'' ہے وہ اپنے عقیدہ توحید کی غیر معمولی بلندیوں اور اپنی بے مثل پاکیزگیوں کے اعتبار سے بھی اور اپنے مقام و منصب کی امتیازی خصوصیات کے اعتبار سے بھی اس قدر اعلیٰ وارفع عقائد کا حامل ہے اور اس کا تصورتوحید اتنا اونچا اور اتنا بے آمیز ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، اسی کے ساتھ اسلام میں اس قدر ہمہ گیریت ہے کہ وہ صرف اپنے ماننے والوں ہی کا دین نہیں ہے، بلکہ فی الاصل ان لوگوں کا بھی دین ہے، جو کسی وجہ سے اسے نہیں مانتے، یہ اس لئے اسلام دین فطرت ہے............۔

بت صرف پتھر یا پتھر کی مورتیاں نہیں، جیسا کہ بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزیں بھی بت ہیں جو کہ اللہ کے علاوہ یا اس کے ساتھ پوجی جاتی ہیں، جن کو حاجت روا تصور کیا جاتا ہے، جن سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، جن کو کسی بھی درجہ میں اللہ کی اس وسیع کائنات میں مختار و متصرف سمجھا جاتا ہے، چاہے یہ انبیاء ہوں، اولیاء ہوں، ملائکہ ہوں، یا جن۔

ارض حرمین پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہ فضل رہا ہے کہ یہ شرک کی آلودگیوں سے پاک رہا ہے اور جب عقیدۂ توحید پر کوئی غبار آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندے پیدا کر دیئے، جن کی مخلصانہ کوششوں سے ارض حرمین یا جزیرۂ عرب کی فضا شرک کی آلودگیوں اور غیر اللہ کی بندگی سے پاک ہوگئی۔

لیکن افسوس ہے کہ علمائے حرمین کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں خاص طور پر برصغیر کے باشندے ان کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں

اور جو کچھ جانتے ہیں اس سے نہ جاننا بہتر ہے۔

میں نے اپنے اس منفرد پروگرام کا آغاز شیخ الاسلام اور مجدد ملت محمد بن عبدالوہابؒ کے تذکرہ سے کیا تھا اور مسلسل چھ حلقوں میں احیائے توحید اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کے میدان میں ان کی مساعی کو بیان کیا تھا، جس کے آغاز میں میں نے عرض کیا تھا کہ:

''شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے مجدد اسلام تھے، انھوں نے نہ کوئی نیا مسلک بنایا، نہ کسی جماعت یا تنظیم کی تشکیل کی، بلکہ کتاب و سنت کی جو تعلیمات مٹ چکی تھیں، ان کو زندہ کیا، ان پر عمل کرنے اور سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی کرنے کی دعوت دی، جو صحابہ کے بعد کی فضیلت یافتہ صدیوں کے تابعین، تبع تابعین اور تبع تابعین کے ائمہ ہدی اور محدثین کا طریقہ تھا اور انھوں نے اپنی اصلاحی اور تجدیدی دعوت کا آغاز عقیدۂ توحید کو شرک اور بدعتوں کی آمیزش اور ملاوٹ سے پاک کرنے سے کیا، انھوں نے آغاز امر میں جزیرۂ عرب کے باشندوں کو اپنا مخاطب بنایا اور ان کو بتایا کہ انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا مقصد اولین لوگوں کو توحید کی دعوت ہی تھی، اس کے باوجود شیخ الاسلام اس امت کے مجددین اور مصلحین میں سب سے زیادہ تنقیدوں کا نشانہ بنائے گئے، سب سے زیادہ الزامات انہیں پر لگائے گئے اور سب سے زیادہ گالیاں انہیں کو دی گئیں اور آج تک دی جا رہی ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو اپنی تنقیدوں، افترا پردازوں اور جھوٹے الزامات کا نشانہ بنانے والوں میں مختلف جماعتوں، تحریکوں اور تنظیموں کے ساتھ افراد بھی رہے ہیں، اور ان میں بھی جن لوگوں نے ان پر سب سے زیادہ جھوٹے الزامات لگائے ان کو گالیاں دیں اور ان کی دعوت کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیا، وہ ایسے لوگ رہے ہیں اور ہیں جن کو امت کا پیشوا کہا جاتا ہے۔

جس وقت شیخ الاسلام نے اپنی اصلاحی دعوت کا آغاز کیا، اس وقت سے آج تک ان کے مخالفین کے نزدیک ان کا سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انھوں نے توحید کی دعوت دی جس کی دعوت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام نبی اور رسول اس زمین پر بھیجے تھے اور جو اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات کا محوری نقطہ ہے، اس طرح یہ مخالفین زبان قال اور زبان حال دونوں سے وہی بات دہرا رہے ہیں، جو مشرکین مکہ نبی کریم فداہ ابی وامی ﷺ کے حق میں کہہ رہے تھے: **أجعل الآلهة الاهاً واحداً ان هذا لشئي عُجاب**' کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ (ص:۵)

بعد کے سالوں میں جب ہمارے سامعین کی تعداد بہت بڑھ گئی اور سعودی عرب اور خلیج کے ملکوں میں ہمارے پروگرام ایف ایم اور اے ام دونوں میں اور برصغیر کے ملکوں، نیز جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کے لئے شارٹ ویو پر نشر کئے جانے لگے تو ہم نے کچھ اصلاحی پروگرام نشر کرنے شروع کر دیئے جیسے: یہ حدیث نہیں ہے، صحیح اسلامی عقائد، سعودی عرب اور اسلام کے خلاف کئے جانے والے پروپیگنڈوں کا جواب۔ حقائق وشبہات۔ یہ پروگرام بے حد کامیاب ہوئے اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے سعودی عرب اور خلیج میں مقیم اردو جاننے والے جہاں ہزاروں افراد کے عقائد بدل گئے اور وہ ''سلفیت'' کے داعی بن گئے، وہیں سعودی حکومت اور سعودی علماء کی اسلامی خدمات سے لوگ واقف ہو گئے، اور ان کو اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں کی حقیقت معلوم ہونے لگی۔

پروگرام ''یہ حدیث نہیں ہے'' نے مبتدعین اور صوفیا کے حلقوں میں پھیلی ہوئی اور زبان زد جھوٹی اور بے بنیاد روایتوں کو بے نقاب کر دیا اور یہ پروگرام اتنا مقبول ہوا کہ گھر گھر سنا جانے لگا۔

اس پروگرام کی مقبولیت اوراس کے مفید اثرات کو عام کرنے کے جذبے سے میرے نہایت مخلص دوست اور بھائی عزیزم ڈاکٹر محمد لئیق اللہ خاں سلمہ نے، جو ہمارے حلقہ میں بعد میں شامل ہوئے تھے اور جن سے پہلے میں واقف نہیں تھا یہ تجویز پیش کی کہ اس پروگرام کو کتابی شکل دے کر پھیلایا جائے، مگر میں نے یہ عذر کیا کہ اولاتو میری اردو بے حد کمزور ہے، ثانیاً: میں نے حدیث کی تعلیم با قاعدہ حاصل نہیں کی ہے، ثالثاً: ریڈیائی پروگرام سننے والوں کی اکثریت ان پڑھ ہوتی ہے، بنابریں اگر میرے یہ پروگرام کتابی شکل میں شائع ہو گئے تو تعلیم یافتہ طبقہ میری زبان اور میری معلومات دونوں پر ہنسے گا اور یہ چیز ہم سب کی رسوائی کا سبب بنے گی کیونکہ خارجی دنیا میں قبول عام حاصل کرنے کے لئے صرف ''نیت میں اخلاص'' کافی نہیں ہوتا بلکہ زبان کی صحت بھی مطلوب ہوتی ہے۔

مگر میرے مخلص بھائی نے میری کوئی دلیل نہیں مانی اور چونکہ مجھے ان کی ذات کی طرح ان کی خواہش اور رائے بھی عزیز ہے، اس لئے میں نے ہار مان لی اور اپنے پروگرام کو ''تحریر'' کی شکل دینا شروع کر دیا، اور دو تین مہینوں کی محنت سے ''موضوع اور منکر روایات'' کے نام سے کتاب کی پہلی جلد تیار ہو گئی اور ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں ریاض کے مکتبہ بیت السلام سے شائع ہوئی۔

اس جلد میں ۱۷۰ موضوع اور منکر روایات کی نکارت اور ان کے گہرے اور دوررس آثار کو بیان کرنے کے علاوہ جن چند اہم موضوعات پر بحث کی ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اسلام کے بنیادی مأخذ: کتاب وسنت (۲) ہدایت کے لئے قرآن و حدیث سے بیک وقت رجوع کرنا ضروری ہے (۳) نبی ﷺ کے فرائض منصبی (۴) قرآن کی محاکات محال ہے لیکن حدیث کی محاکات ممکن ہے (۵) سورۂ حشر کی آیت نمبر ۷ کی تشریح (۶) احادیث میں وضع حدیث کی پیشین گوئی (۷) عہد صحابہ وضع حدیث کے فتنہ سے پاک تھا (۸) وضاعین حدیث: زنادقہ اور ملحدین (۹) اہل بدعت (۱۰) ارباب

زہد وتصوف (۱۱) قصہ گو واعظین (۱۲) اصول حدیث۔

اس کتاب کی دوسری جلد بھی مکتبہ بیت السلام سے شائع ہوئی سن طباعت ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء اس جلد میں ۱۵۹ روایتوں کی نکارت بیان کی گئی ہے۔

پہلی جلد کے صفحات ۴۳۲ / اور دوسری جلد کے صفحات ۵۱۰ تھے، یہ دونوں کتابیں شائع ہوتے ہی بک گئیں اور ہندوستان میں بھی لوگوں نے ان کو چھاپ کر خوب بیچا اور پیسے کمائے، اللہ تعالیٰ نے میری اس پہلی کاوش کو جو مقبولیت بخشی وہ میری توقع سے بہت زیادہ تھی۔ فله الفضل والمنه۔

''اسلامی عقائد'' نامی پروگرام میں عربی میں لکھتا تھا اور گیارہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوتا تھا اور ریڈیو سے نشر کیا جاتا تھا، اور سعودی وزیر اطلاعات نے اسے سعودی ریڈیو سے نشر ہونے والے پروگراموں میں سب سے اچھا پروگرام قرار دیا تھا۔

میرے کامیاب اور مقبول پروگراموں میں ایک پروگرام مکانة السنة فی التشریع بھی تھا غیر ملکی پروگراموں کے شعبہ کے ڈائرکٹر نے مجھے یہ پروگرام تیار کرنے اور پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی، یہ پروگرام کئی سال جاری رہا اور بعد میں، میں نے اس کو ''حدیث کا شرعی مقام'' کے نام سے کتابی شکل دی، جو دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی اور اہل علم کے حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔

اس کتاب میں پہلے میں نے کتاب وسنت کی نصوص سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے اس تناظر میں صحیح حدیث سے مستنبط احکام پر عمل بھی قرآن سے مستنبط احکام پر عمل کی طرح فرض ہے، اس طرح جو شرعی حکم حدیث سے ثابت ہے وہ اپنی فرضیت میں قرآن کی شہادت کا محتاج نہیں ہے اور منکرین حدیث، حدیث میں مذکور کسی شرعی حکم کے ثبوت کے لئے جو یہ شرط لگاتے ہیں کہ قرآن سے ثابت رسول اکرم ﷺ کے مناصب رسالت سے متصادم ہونے کی وجہ

سے باطل ہے۔

میری یہ کتاب اس اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے کہ اس میں برصغیر کے منکرین حدیث کے ساتھ عرب منکرین کے تمام دعاوی کو نقلی اور عقلی دلیلوں سے کنڈم کیا ہے۔

اس کتاب میں، میں نے صحیح بخاری کی دو درجن سے زیادہ حدیثوں پر منکرین حدیث کے اعتراضات کا نہایت مدلل اور تفصیلی جواب دیا ہے۔

اس کتاب کو میں نے ہندوستان کے متعدد بڑے حنفی مدرسوں میں بھیجا اور ہندو پاک کے سو سے زیادہ سربرآوردہ علمائے کرام کو تحفۃً بھجوائے ہیں، جن کے مجموعی تاثرات میرے لئے کافی حوصلہ بخش رہے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کا نتیجہ ہے، ورنہ میں حدیث کے ادنیٰ خادم سے زیادہ کچھ نہیں ہوں۔

میری آخری کتاب جو ۲۰۲۰ء میں شائع ہوئی وہ ''صحیح بخاری ایک جامع ہدایت نامہ'' ہے جس میں میں نے امیر المومنین فی الحدیث اوران کی جامع صحیح کا تعارف غیر روایتی انداز سے کرایا ہے، حدیث کی اس عظیم اور منفرد کتاب سے متعلق میرا مطالعہ اور بحث وتحقیق جاری ہے۔

ریڈیو جدہ کے شعبۂ اردو سے نشر ہونے والے پروگراموں میں کامیاب ترین پروگرام'' آپ کی ڈاک'' تھا، جس میں سامعین کے سوالوں کے جواب دیتا تھا، سوالات دینی مسائل سے متعلق بھی ہوتے تھے، مسلمانوں میں پھیلی ہوئی اورزبان زد ،ضعیف، منکر اور موضوع روایات سے متعلق بھی اور تاریخی واقعات کی صحت وسقم سے متعلق بھی اور مسلم تنظیموں، جماعتوں اور تحریکوں کے بارے میں بھی نیز قرآنی تراجم، تفسیروں اور قرآنی علوم کے بارے میں بھی، میں سامعین کے تمام سوالوں کے نہایت مدلل اور مفصل جواب دیتا تھا اور جن ماخذوں سے میرے جوابات ماخوذ ہوتے تھے ان کے حوالہ بھی دیتا تھا، یہ پروگرام ہفت روزہ تھا اور اس کا'' دورانیہ'' پندرہ منٹ تھا، چند ہی

ماہ بعد اس پروگرام کے باقاعدہ اور پابندی سے سننے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی، اور پندرہ منٹ کی مدت کم پڑ گئی، لہذا یہ طے پایا کہ اس کا ''دورانیہ'' تیس منٹ کر دیا جائے، سال بھر تک یہ پروگرام اسی طرح چلتا رہا، لیکن سامعین کے مسلسل اصرار پر یہ طے پایا کہ اس کی مدت ایک گھنٹہ کر دی جائے، مگر ایک ساتھ نہیں، بلکہ تیس تیس منٹ کے ''دورانیہ'' سے ہفتہ میں دوبار، اس پروگرام کی تیاری میں جو وقت اور محنت درکار تھی اس کا اندازہ سامعین کو نہیں تھا، ان کو تو اپنے سوالوں کا مدلل، مفصل اور تسلی بخش جواب مطلوب تھا، اور میری کوشش بھی یہ رہتی تھی کہ سامعین کے ہر سوال کا کتاب وسنت سے ماخوذ معلومات پر مبنی جواب دوں، جس میں میری اپنی رائے کا کوئی شائبہ تک نہ ہو اور میری کسی بھی بات میں میری ذاتی غرض شامل نہ ہو، بلکہ اس کا مقصد سامعین کو صحیح معلومات فراہم کرنا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس پروگرام کو میری توقع سے بہت بڑھ کر کامیابی عطا فرمائی اور میری ریٹائرمنٹ تک کوئی بیس برس چلتا رہا اور ملازمت سے میرے سبکدوش ہونے کے بعد سے آج تک یہ پروگرام اور دوسرے دو پروگرام: اسلامی عقیدہ۔ العقیدۃ الخالدۃ۔ اور یہ حدیث نہیں ہے، ریڈیو جدہ کے شعبہ اُردو سے ''ریپیٹ'' کئے جا رہے ہیں۔

مئی ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۴ھ میں جدہ سے ''اردو نیوز'' کے نام سے ایک اردو روزنامہ شائع ہونا شروع ہوا، جو اپنے ''صدور'' کے پہلے دن سے نہایت معیاری اخبار تھا، اور جس کو چلانے کے لئے پاکستان کے نہایت کہنہ مشق صحافیوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

سعودی عرب میں خاص طور پر اس کے شہر جدہ میں عام اردو دانوں کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ طویل عرصہ سے مقیم تھا، جس کو اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کہا جا سکتا ہے، اس طبقہ میں ایسے بھی بہت سے افراد تھے، جو ذی علم ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح اسلامی عقیدہ بھی

رکھتے تھے، اور یہ خواہش بھی کہ اسلام کا خالص اور بے آمیز عقیدۂ توحید عام ہو، تو اس طبقہ میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی، جو دینی قیود سے آزاد تھے، اسی طرح اس طبقہ میں صوفیانہ عقائد رکھنے والے بھی تھے اور عقیدہ وعمل میں بدعتوں کے ''دلدادہ'' بھی، اوران تمام لوگوں نے اردو نیوز کے ذریعہ اپنے افکار وخیالات اور اپنے عقائد وسلوک پھیلانے کی تگ ودو شروع کر دی۔

اردو نیوز کے ''اجراء'' پر چار پانچ سال کی مدت گزرنے کے بعد ریڈیو میں میرے رفیق کار ڈاکٹر محمد لئیق اللہ خاں حفظہ اللہ نے، جو اردو نیوز میں بھی ''جز وقتی'' (Part Time) کام کرتے تھے، اپنے نیک جذبہ سے، میرے رائے لئے بغیر اردو نیوز کے ارباب حل عقد کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اخبار کے جمعہ ایڈیشن ۔روشنی۔ میں میرا مضمون شائع کیا جائے، جس کا موضوع ''عصری مسائل'' ہو، حسن اتفاق یا کچھ لوگوں کے نزدیک سوءِ اتفاق سے ان کی یہ تجویز منظور ہوگئی اوران کے ذریعہ مجھے یہ اطلاع دی گئی کہ میں ہر جمعہ سے تین دن پہلے اپنی صوابدید کے مطابق کسی عنوان پر کوئی اتنا بڑا مضمون لکھ کر جمعہ ایڈیشن ۔روشنی۔ کے ایڈیٹر کے نام بھیج دیا کروں، جو اخبار کے پورے ایک صفحہ پر آسکے، یہاں میں یہ بھی عرض کردوں کہ اردو نیوز جدہ میں میرے قیام کے زمانہ میں جاری ہوا اور میرے قیام ہی کے زمانہ میں پچیس یا چھبیس برس جاری رہ کر بند ہوا، مگر اس چوتھائی صدی میں نہ تو میں کسی ایک دن اس کے دفتر میں داخل ہوا اور نہ کبھی اس کے ذمہ دار سے ملاقات ہی کی، جبکہ بارہا ایسا ہوا کہ میں اس کی بلڈنگ کے قریب ہی کسی جگہ گیا اوراس کی پارکنگ لاٹ میں اپنی کار پارک کی، اس کے برعکس میرے علم میں ایسے ذی اثر لوگ ہیں، جنھوں نے اردو نیوز میں چھپنے کے لئے اس کی چوکھٹ پر جبیں سائی کی اوراس کے چیف ایڈیٹر کو لاکھ دولاکھ ریال کے ''معمولی'' نذرانے بھی پیش کئے، اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیور مسلمان بندے کو ''تملق'' کی ذلت سے محفوظ رکھے۔

اردو نیوز کے جمعہ ایڈیشن ۔روشنی۔ میں میرے مضامین دو برس مسلسل نشر ہوتے رہنے کے بعد بند کرادیئے گئے ۔ کیونکہ ان سے سعودی عرب میں مقیم بعض ''دیندار'' افراد اور جماعتوں کے ایوانوں میں جو مسلسل زلزلے آرہے تھے، اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان کے سروں پر نہ آ رہیں، لہذا انھوں نے کچھ دنوں تک تو قلم سے میرا مقابلہ کیا، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ وہ ''حق'' کو سرنگوں نہیں کرسکتے تو عافیت اسی میں دیکھی کہ اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرکے اس آواز ہی کو بند کرادیں جس نے ان کی آنکھوں سے سکھ وچین کی نیند اڑادی ہے۔''**وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون**''(فصلت: ۲۶).

میں نے روشنی میں جن عنوانوں پر مضامین لکھے تھے،ان میں بعض یہ تھے۔

نبی ﷺ بعثت سے قبل کس دین پر تھے؟ مذہب اربعہ اصول میں متفق فروع میں مختلف؟ صوفیا کے یہاں عقیدۂ توحید کا تصور،تصوف کا ماخذ: کتاب وسنت،تصور شیخ سراسر شرک، منازل السائرین مدارج السالکین کے آئینہ میں، رسول اکرم ﷺ کی تخلیق نور سے ہوئی تھی؟ امام زہری امین اصلاحی کی نظر میں، ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کا حکم ، نبی کریم ﷺ نے اپنے والدین کو زندہ کرا کے کلمہ پڑھوایا؟ رسول کریم ﷺ نے معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا؟ اختلاف امت رحمت یا زحمت؟ نبی ﷺ کو وسیلہ بنا کر دعا کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے؟

جس وقت اردو نیوز جاری ہوا اس وقت مدینہ منورہ میں شاہ فہد قرآن پرنٹنگ پریس قائم ہو چکا تھا اور اس سے چند برس قبل پریس مولانا محمود الحسن کا اردو ترجمہ قرآن بعض معروف علمائے احناف کی سفارش پر شائع کر چکا تھا، جو دراصل مشہور مترجم قرآن شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن کے نئے ایڈیشن سے عبارت تھا، بایں معنی کہ مولانا محمود الحسن نے اس کے بعض الفاظ اور تعبیروں کو بدل کر اپنی نظروں میں ان کو آسان اور

قابل فہم بنایا تھا، دوسرے لفظوں میں اس کو (Modernize) کیا تھا، مولانا محمود الحسن علم وفضل میں جس مقام پر بھی رہے ہوں، قابل فہم اردو لکھنے پر قادر نہیں تھے، جب کہ شاہ عبدالقادر اپنے زمانہ میں اردو کے ادیب تھے اور فہم قرآن میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے اور ان کا ترجمہ اپنے وقت میں شاہکار ترجمہ تھا یہ اور بات ہے کہ موجودہ وقت میں یہ ترجمہ عام اردو داں طبقہ میں قابل فہم نہیں رہا، اگرچہ ماہرین زبان کے حلقوں میں آج بھی وہ قابل استفادہ ہے اور مولانا محمود الحسن صاحب کے زمانہ میں تو اس کی زبان زیادہ پرانی نہیں تھی یا محمود الحسن کی زبان سے زیادہ ادبی تھی۔

رہے اس کی تفسیری حواشی تو یہ مولانا شبیر احمد عثمانی کے تحریر کردہ تھے، اور ان کے صوفیانہ عقائد کے ترجمان تھے، واضح رہے کہ علمائے دیوبند سب کے سب صوفیا میں شمار ہوتے ہیں، اور صوفیا توحید الوہیت سے ناواقف ہوتے ہیں، رہی توحید ربوبیت تو اس کے زبان سے تو قائل ہیں مگر دل سے اپنے نام نہاد اولیا کو بھی غیر مستقل رب مانتے ہیں۔

مولانا شبیر عثمانی نے قرآن پاک کی سب سے عظیم سورت: سورۂ فاتحہ کی آیت ”**ایاک نعبد و ایاک نستعین**“ کی تفسیر کرتے ہوئے **ایاک نعبد** سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک میں توحید الوہیت یا توحید عبادت بیان کی گئی ہے، جس کو صوفیا کے عقیدہ میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے، اس کی توحید تو ”وحدت وجود“ ہے، البتہ انھوں نے آیت کے دوسرے فقرہ **ایاک نستعین** کی تفسیر بایں الفاظ کی ہے:

”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“۔

اس غیر ذمہ دارانہ اور کتاب وسنت میں بیان کردہ ''توحید ربوبیت'' سے متعارض دعویٰ کو بنیاد بنا کر شاہ فہد قرآن پرنٹنگ پریس سے اس ترجمۂ قرآن اور تفسیر کی اشاعت پر پابندی لگوادی گئی، اور اس ''خلاء'' کو پر کرنے کے لئے احسن البیان کے نام سے ایک دوسرا ترجمہ قرآن مع مختصر تفسیری حواشی قرآن پرنٹنگ پریس کو پیش کردیا گیا، جو چند مؤقر علمائے اہل سنت وجماعت کی سفارش اور نظر ثانی کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہو کر معرض وجود میں آ گیا۔

یہ ترجمۂ قرآن مع مختصر تفسیر قرآن پرنٹنگ پریس سے بھی شائع ہوا اور مکتبہ دارالسلام ریاض سے بھی، جس کے مالک اور مدیر مسئول جناب عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ ہیں، جن کی مساعی سے یہ ترجمہ معرض وجود میں آیا ہے، ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کی پشت پر اس ترجمہ اور تفسیر کی بابت جو مختصر عبارت ثبت ہے وہ من وعن درج ذیل ہیں: ''تفسیر احسن البیان ایک جدید اور ممتاز تفسیر ہے، جسے خطیب الہند مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ کے بامحاورہ ترجمے، حافظ صلاح الدین یوسف کے فاضلانہ تفسیری حواشی اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی نظر ثانی نے دنیائے علم میں ایک سند کی حیثیت بخش دی ہے''۔

زبان وبیان کی سادگی، تحریر کی سلاست وروانی اور تعبیر وتوضیح کے عام فہم اسلوب کی خوبیوں نے احسن البیان کو عہد ساز اہمیت کا حامل بنادیا ہے۔

اور عرض ناشر کے عنوان سے جناب عبدالمالک مجاہد نے تحریر فرمایا ہے:

......اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف اور اس کی اہلیہ کو جس طرح گزشتہ دس بارہ سالوں سے سرزمین ریاض میں دعوت اسلامی کی خدمت کی خاطر چن لیا ہے، اس پر میرا قلب اس کے حضور بہت ہی عجز ونیاز اور بھرپور شکران نعمت کے جذبات بے پایاں سے بھرا ہوا ہے، اسی شکران نعمت کا تقاضا تھا کہ جو موقع اللہ تعالیٰ نے فراہم فرمایا ہے، اس کے

شایان شان کام ہو اور ایک ایسی وقیع تفسیر، حواشی اور ترجمہ تیار کیا جائے جو بلا شبہ سلف صالحین کے افکار، نظریات، عقیدہ اور منہج کی تنویر سے منور ہو، جس میں محدثین کے دور علمی کی خوشبوئیں رچی بسی ہوں اور جو توحید و اتباع سنت کے نمونے اپنے اندر سموئے ہوئے ہو، جو دور صحابہ کی مقدس امانت ہیں، جسے پڑھنے والا تاویلات کے پھندوں کو اپنے گلے سے اتار پھینکے اور قرآن مجید اور احادیث پاک کی روشنی سے سمجھ سکے، ایسی تفسیر جس سے پڑھنے والوں کی تعمیر شخصیت بایں طور پر ہو کہ وہ اوروں کی غلامی کا جوا اتار کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بندہ تقوی کے اس مطلوبہ معیار پر پورا اترنے کی کوشش کر سکے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کلام کی شیرینی، حلاوت اور مٹھاس اس کے رگ و پے میں سما جائے......۔

جناب عبدالمالک مجاہد صاحب نے ”عرض ناشر“ میں اپنی اہلیہ محترمہ: مدیرۃ مدرسۃ الزہراء“ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ: انھوں نے فریضۂ تدریس قرآن کی انجام دہی کے دوران ایسی تفسیر کی کمی کو شدت سے محسوس کیا، طالبات کی علمی تشنگی کا ذکر کیا، تو کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوا“۔

نہایت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ مجاہد صاحب نے ترجمہ وتفسیر احسن البیان کی تعریف میں جو کچھ فرمایا ہے وہ امر واقعہ کا ترجمان نہیں ہے، اس میں ترجمہ کی غلطیوں، تفسیر کی سطحیت، اور ترجمہ کی زبان اور اسلوب کی رکاکت کو دیکھتے ہوئے تو اس کو معمولی درجہ کی خدمت قرآن قرار دینا مشکل ہے، تو پھر اس کو ایک جدید اور ممتاز تفسیر کس طرح کہا جا سکتا ہے۔

جہاں تک احسن البیان کے ترجمہ کا مسئلہ ہے، تو یہ اگرچہ ایک بڑے عالم دین نے کیا ہے، بایں ہمہ وہ کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے، تو قابل تعریف اور منفرد کس طرح ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ترجمہ میں نص قرآنی میں حذف و اضافہ تحریف

اور مترجم کی امانت داری کے خلاف ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ کے آخری رسول محمد بن عبداللہ ﷺ پر سید الملائکہ کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے، اس تناظر میں اللہ تعالیٰ معبود، رب اور مالک الملک ہے، جبکہ محمد بن عبداللہ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، احسن البیان کے ترجمہ میں اس عقیدہ کو بدل دیا گیا ہے اور اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اٗمر و ناہی نہیں، بلکہ درخواست کنندہ ہے اپنے بندے اور رسول سے اللہ تعالیٰ کا یہ انداز اتخاطب کسی بھی ترجمہ قرآن میں نہیں ملتا۔

صوفیا نے اپنے پیروں اور بزرگوں کو مقام الوہیت و ربوبیت پر فائز کر دیا ہے اور احسن البیان کے مترجم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے درجہ پر اتار لیا ہے۔

احسن البیان کے ترجمہ میں نص قرآنی میں حذف و اضافہ کی مثال:

۱۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴/ ایک لمبی آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، اس میں ایک فقرہ ہے: ''**وما أنزل الله من السماء من ماء فأحياء به الأرض بعد موتها**'' اور اس پانی میں جو اللہ نے بلندی سے نازل کیا، پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔

اٗحسن البیان میں اس ارشاد الٰہی کا ترجمہ ہے: آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا'' دیکھا آپ نے، پانی نازل کرنے والے اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۵۱ کا ایک فقرہ ہے: **ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون** '' اور وہ۔ رسول۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

اٗحسن البیان کا ترجمہ ہے: اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے، جن سے تم بے علم تھے ایک ''یعلمکم'' کو حذف کر دیا ہے۔

۳۔سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:’’ **اذ قال یوسف لأبیه یٰأبت انی رأیت أحد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتهم لی ساجدین** ‘‘۔اس وقت کو یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا،اے میرے باپ درحقیقت میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے ان کو اپنا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

احسن البیان کا ترجمہ ہے: جبکہ یوسف نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جی میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

غور فرمائیے کہ مترجم نے ایک رأیت کو حذف کر کے دوسرے رأیت میں کچھ تصرف کر کے خواب میں دیکھی جانے والی چیزوں کو ان کی صفت کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جس سے ارشاد مبارک کی ساری بلاغت پر پانی پھر گیا ہے۔

۴۔سورۂ انبیاء میں ارشاد الٰہی ہے:’’ **والتی أحصنت فرجها** ......‘‘اور اس کو یاد کرو جس نے اپنی ’’اندام نہانی‘‘ کی حفاظت کی......۔

احسن البیان کا ترجمہ ہے: اور وہ پاکدامن بی بی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔

آیت کے ترجمہ میں ’’ پاکدامن بی بی‘‘ کا اضافہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر استدراک ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مترجم محترم آیت کریمہ سمجھے ہی نہیں اور ’’فرج‘‘ کے معنی نہ تو عصمت کے ہیں اور نہ یہاں مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا بیان ہی مقصود ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ وہ ہر طرح کے ’’جنسی‘‘ فعل سے پاک تھیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام،یعنی **لم یمسسنی بشر و لم أک بغیا** نہ تو کسی انسان نے مجھ سے بصورتِ حلال مباشرت کی ہے اور نہ میں بدکار رہی رہی ہوں۔(مریم:۲۰)

اُحسن البیان میں عام ترجموں کی چند مثالیں:

۱۔سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱: ''**یایھا الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون**''.

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔

اُحسن البیان کا ترجمہ ہے: اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا یہی تمہارا بچاؤ ہے۔

''**لعلکم تتقون**'' کا ترجمہ یہی تمہارا بچاؤ ہے، کسی بھی تاویل سے صحیح نہیں ہے، یہاں میں اپنی محدود معلومات کی روشنی میں یہ عرض کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ قرآن پاک لفظ ''تقوی'' اور اس کے مشتقات کا بکثرت استعمال ہوا ہے، جس کا قرآن پاک میں صلاۃ، زکوۃ اور صوم وغیرہ کی طرح اپنے لغوی استقاقی معنی کے ساتھ ایک خاص شرعی مفہوم بھی ہے، مثلاً:

التقوی عبارۃعن اتخاذ وقایۃ من عذاب اللہ أو غضبہ بامتثال أو امرہ واجتناب نواھیہ۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات سے اجتناب کو اس کے عذاب یا اس کے غضب سے بچنے کا ذریعہ بنانا تقویٰ ہے۔

مختصر تقوی کے معنی ہیں: اللہ کی اطاعت کر کے اس کے عذاب سے بچنا۔

مذکورہ بالا وضاحتوں کی روشنی میں ''**لعلکم تتقون**'' کے معنی ہیں:

لتجعلوابینکم و بین عذابہ وقایۃ،

تاکہ تم اپنے اور اس کے عذاب کے درمیان بچاؤ بناؤ۔(Protection)

چونکہ ''تقویٰ'' میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ اپنانے کا مفہوم

شامل ہے، اور یہ منصوص نہ ہونے کے باوجود مطلوب بھی ہے، تو یہ قرآنی آیتوں کے ترجموں میں غیر مطلوب اور غیر منصوص بلکہ ممنوع اضافوں: حضرت اور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مستحسن اور مقبول بھی ہے، اسی وجہ سے توحید سے نا آشنا مترجمین نے بھی اپنے ترجمہ قرآن میں حضرت اور صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کی جسارت نہیں کی ہے، اور میری ناقص معلومات کے مطابق اس کی ابتداء عبدالمالک مجاہد نے اپنے زیر اہتمام شائع ہونے والے اردو اور انگریزی ترجموں میں کیا ہے، نیز ان کے ترجموں میں اللہ رب العالمین اور منزل القرآن ''اٰمر و ناہیٰ'' کے بجائے اپنے بندے اور رسول ﷺ سے گزارش کنندہ اور درخواست کنندہ اور عرض گزار نظر آتا ہے، اور ان کے اس طرز عمل نے دلوں سے کتاب اللہ کی عظمت وہیبت کا نکال دیا ہے۔

۲۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نریٰ اللہ جھرۃ**''۔

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم آپ کو ہرگز سچا نہ مانیں گے جب تک اللہ کو اعلانیہ دیکھ نہ لیں۔

اُحسن البیان کا ترجمہ ہے:

اور تم اسے بھی یاد کرو، جب تم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

اس ترجمہ کی غلطی دکھانے سے پہلے یہ بتا دیں کہ اس میں ''لک'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، اور ''نری اللہ'' کا ترجمہ کرنے کے بجائے ''نری ربنا'' کا ترجمہ کیا گیا ہے، ایک چھوٹی سی آیت میں اتنی بڑی دو غلطیوں سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ترجمہ قرآن میں کتنی لاپروائی برتی گئی ہے۔

رہی ترجمہ کی غلطی تو وہ یہ ہے کہ ''لن نومن'' کا ترجمہ: ہم ہرگز ایمان نہ لائیں

گے، کیا گیا جبکہ یہ بات کہنے والے نہ صرف یہ کہ ''مومن'' تھے، بلکہ موسی علیہ الصلاۃ والسلام کے اصحاب کے ستر منتخب افراد تھے (سورۂ اعراف: ۱۵۵) پھر ارشاد الٰہی میں ''لن نؤمن '' کا صلہ ''ل'' آیا ہے، جو حرف خطاب ''ک'' سے لگا ہوا ہے: لك اس لام نے'' نؤمن '' کو'' نصدق ''میں بدل دیا ہے، اس طرح لن نؤمن لك کے معنی ہیں: ہم آپ کو ہرگز سچا نہ مانیں گے، یہ بات انھوں نے اس وقت کہی تھی، جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا تھا کہ'' اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے اور تمہاری ہدایت کے لئے مجھے تورات عنایت فرمائی۔

احسن البیان کے ترجمہ کی ان مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ یہ فہم قرآن کے لئے ممد ومعاون قطعاً نہیں اور کتاب اللہ کی آیتوں کو سمجھنے کے لئے تنہا اس پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے۔

رہے احسن البیان کے تفسیری حواشی تو ان کو لکھنے والے مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ اگر چہ ایک ذی علم انسان تھے، مگر انھوں نے یہ حواشی قرآن میں اپنے گہرے غور وخوض سے تحریر نہیں فرمائے ہیں، بلکہ ابن کثیر، فتح القدیر اور ایسر التفاسیر سے کسی تدبر اور تفکر کے بغیر نقل کر دیئے ہیں، ان کے زیادہ تر حواشی شوکانی کی فتح القدیر سے ماخوذ ہیں، کہیں وہ شوکانی کے اقوال سمجھے بھی نہیں ہیں، بطور مثال سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''أحسن القصص '' آیا ہے، جس کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ صلاح فرماتے ہیں:

قصص یہ مصدر ہے، معنی کسی چیز کے پیچھے لگنا، یہ اقتصاص یا مقصوص کے معنی میں نہیں ہے۔ (فتح القدیر)

القصص: تتبع الشئی، ومنه قوله تعالیٰ: وقالت لاخته قُصيه، أی تتبعی أثره، وهو مصدر، والتقدير: نحن نقص عليک قصصا أحسن

القصص، فيكون بمعنىٰ الاقتصاص، أو بمعنى المفعول أي المقصوص.
القصص: کسی چیز کے پیچھے چلنا اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وقالت لأخته قُصيه'' ہے: اس نے اس کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے پیچھے جا۔

وہ مصدر ہے اور تقدیر کلام ہے: یقیناً ہم تم سے بیان کرتے ہیں، بہت اچھا بیان، اس اعتبار سے قصص، اقتصاص۔ بیان واقعہ۔ کے معنی میں ہے، یا اسم مفعول: مقصوص۔ بیان کردہ واقعہ۔ کے معنی میں۔

حافظ صلاح نے شوکانی کے حوالہ سے اقتصاص اور منصوص دونوں کی نفی کی ہے، جب کہ انھوں نے دونوں کا اثبات کیا ہے۔

۱۔ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی عظیم سورت الفاتحہ کے فضائل تو بیان فرمائے ہیں اور نماز میں امام کے پیچھے اس کے پڑھنے کی فرضیت بھی بیان فرمائی مگر اس عظیم سورت کے مطالب جس تفصیل سے انھوں نے بیان فرمائے ہیں اور وہ بھی ابن کثیر و شوکانی کے حوالوں سے، اگر وہ یہی مطالب مختصراً ہی سہی اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرما دیتے کہ وہ دلوں اور ذہنوں میں محفوظ ہو جاتے تو اس کی افادیت بڑھ جاتی اور ہر نمازی نماز میں اس کی تلاوت کرتے ہوئے اس سے مستفید ہوتا۔

۲۔ سورۂ بقرہ آیت ۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا سجدہ کرنے کا جو حکم دیا تھا، اس پر حافظ صلاح نے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر اب تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ رحمہ اللہ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے عرض ہے کہ جب آدم کو سجدہ کرنے کا حکم اللہ نے دیا تھا تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا نہ کہ عبادت کے طور پر، ان کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ جب اس سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، تو یہ عین عبادت تھا، مگر اللہ کی عبادت، آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی

عبادت نہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی حرام کام کا حکم دے تو وہ کام حرام نہیں، فرض اور عبادت بن جاتا ہے، اس کی دلیل قصہ ابراہیم واسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام ہے: کسی بے قصور کا قتل حرام اور موبقات میں شمار ہوتا ہے، مگر اللہ کے حکم پر ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبح کرنا فرض ہو گیا تھا اور انھوں نے ان کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل ان کو گرا بھی دیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لطف وکرم سے بچالیا:

" فلما أسلما وتله للجبين وناديناه أن يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين".

پس جب دونوں مطیع فرمان الٰہی ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرادیا اور ہم نے اس کو آواز دی، اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچ کردکھایا، درحقیقت ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (صافات: ۱۰۳-۱۰۵)

یادرہے کہ اللہ کی نازل کردہ کسی شریعت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں تھا وہ تعظیمی ہو یا عبادت۔

۳۔ حافظ صلاح نے سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **" كلما دخل عليها ذكريا المحراب وجد عندها رزقاً "** جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت گاہ میں جاتا تو اس کے پاس کھانے کی چیز پاتا، میں رزق سے مراد بے موسمی پھل لیا ہے، فرماتے ہیں:

رزق سے مراد پھل پھروٹ ہیں، یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں۔

علامہ عثیمین رحمہ اللہ بعض مفسرین کی اس بکواس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کا ماخذ اسرائیلیات ہے، جس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ان کے پاس گرمی کا پھل گرم موسم میں اور سردی کا پھل سردی کے موسم میں پایا جاتا، جبکہ وہ عبادت گزار اور عبادت کے لئے ہر چیز سے رشتہ وتعلق کاٹ کر یکسو ہو چکی تھیں تب بھی وہ خارق عادت کرامت ہوتی۔ (تفسیر سورۂ آل عمران ص: ۲۲۳ ج ۱)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی پرورش اور نشو ونما کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے: ''وأنبتها نباتا حسنا ''اس کے رب نے اس کو بہترین طریقے سے نشو ونما بخشی، جس سے ان کی معنوی اور جسمانی دونوں نشو ونما مراد ہے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر موسم کے لئے اس کے مناسب پھل پیدا کئے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے عمدہ اور صالح ذریت کے لئے زکریا علیہا الصلاۃ والسلام کی دعا کے جواب میں اپنے فرشتوں کو بھیج کر ان الفاظ میں ان کو بشارت دی: ''أن الله يبشرك بيحيىٰ مصدقا بكلمة من الله وسيدا وحصورا ونبيا من الصالحين''۔

درحقیقت اللہ تمہیں یحیٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو اللہ کے ایک کلمہ کا تصدیق کرنے والا، اور سردار اور پاکیزہ وبلند اخلاق اور صالحین کے زمرے کا نبی ہوگا (۳۹)

حافظ صلاح الدین رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کے لفظ ''حصورا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

حصوراً کے معنی ہیں گناہوں سے پاک، یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا ان کو ان سے روک دیا گیا ہے، بعض نے اس کے معنی ''نامرد'' کے نہیں کئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایک عیب ہے، جبکہ یہاں ان کا ذکر مدح اور منقبت کے طور پر کیا گیا ہے۔

''حصور'' کے معنی ''نامرد'' کے نہیں ہیں اور اگر وہ کسی قبیلہ میں اس معنی میں مستعمل رہا بھی ہو، تو سید الانبیا من الصالحین کے درمیان اس گندے لفظ کے استعمال کا

کیا محل تھا، حافظ صاحب کو تو اس کی تردید کی غرض سے بھی اس کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔

حافظ صلاح الدین نے جو یہ فرمایا ہے: ''حصور'' کے معنی ہیں گناہوں سے پاک یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا ان کو ان سے روکدیا گیا ہے، یعنی حصور بمعنی ''محصور''۔

تو ان کی یہ بات بھی ایک نبی سے متعلق انتہائی نازیبا ہے، اگر ان کو گناہوں سے روک دیا گیا تھا تو پھر اس میں ان کا کیا کمال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت کا ذکر فرمایا، دراصل ''حصور'' کے معنی ہیں: **مبرأ من النقص وسوء الاخلاق** ''عیب اور برے اخلاق سے پاک (علامہ عثیمین: تفسیر سورۂ آل عمران: ص۲۳۵ ج۱)

۵۔ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کے موقع پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جو یہ فرمایا تھا: **قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله انه هو الغفور الرحیم**''۔ کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کر ڈالا تو مجھے معاف فرمادے تو اس نے اسے معاف کردیا درحقیقت وہ بڑا بخشش کرنے والا بے حد مہربان ہے۔ (قصص:۱۶)

حافظ صلاح نے اس پر جو حاشیہ چڑھایا ہے، اس میں لکھتے ہیں: یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا، کیونکہ کبائر سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے تاہم ''**حسنات الابرار سیئات المقربین**'' کے تحت یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا، جس کے لئے بہت بخشش انھوں نے ضروری سمجھی۔

تو یہ عرض ہے کہ ''**حسنات الابرار سیئات المقربین**'' حدیث نہیں ہے، کسی صوفی کا قول ہے اور اس کی یہ شرعی حیثیت نہیں ہے کہ کسی نبی کے استغفار کا اس کو محرک بنایا جائے، بلکہ کسی صالح انسان کے حق میں بھی اس کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

تفسیر احسن البیان پر یہ ایک طائرانہ نظر تھی جو ''الدین النصیحۃ'' کے جذبہ سے

پیش کر دی گئی ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ تفسیر احسن البیان میں اسلامی عقائد سے متعلقہ مباحث قابل قبول ہیں، فہم قرآن میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی اور چونکہ تمام تر ابن کثیر، فتح القدیر اور ایسر التفاسیر سے منقول اور ماخوذ ہے، مؤلف کی اپنی ''اُپج'' نہیں ہے اس لئے اس پر تفسیر کا اطلاق درست نہیں ہے۔

رہا ترجمہ احسن البیان تو وہ قابل قبول بھی نہیں ہے، ہاں دوسرے ترجموں کے ساتھ اس کے مطالعہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مزید یہ کہ جناب عبدالمالک مجاہد نے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ذکر کے موقع پر حضرت اور علیہ السلام اور علیہم السلام کے جو اضافے کئے ہیں اگرچہ وہ بریکٹ ہی میں سہی، وہ بہانگ دہل یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ان کا دل کلام الٰہی کے احترام سے خالی ہے اور وہ مقام الوہیت وربوبیت اور مقام رسالت کے فہم وادراک سے عاری ہیں۔

۱۹۶۷ء کی مصر اسرائیل جنگ سے پہلے کے دو تین برسوں میں، جب ہم چاروں رفقاء ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن رحمہ اللہ، ڈاکٹر حافظ عبدالعلی رحمہ اللہ، برادر محترم مولانا مظہر احسن حفظہ اللہ اور یہ ناچیز یکے بعد دیگرے پہنچے تھے، اس وقت یمن کے مسئلہ میں سعودی عرب اور مصر کے درمیان کشیدگی بہت سنگین شکل اختیار کر چکی تھی، اور پھر مصری صدر جمال عبدالناصر نے روس کی ہمنوائی میں کمیونزم کا جو پرچم بلند کر رکھا تھا، اس کی وجہ سے سعودی عرب اور مصر کے درمیان اختلافات کی خلیج بہت وسیع ہو گئی تھی اور مصری ریڈیو سعودی عرب کے خلاف عموماً اور اس کے حکمراں شاہ فیصل رحمہ اللہ کے خلاف خصوصاً زہر اگل رہا تھا اور تہذیب واخلاق سے عاری ہو کر شاہ فیصل مرحوم کو سب وستم سے نواز رہا تھا، سعودی عوام، شاہی خاندان کے افراد اور شاہ فیصل رحمہ اللہ کے اہل خانہ ریڈیو قاہرہ کے

اس انسانیت سوز طرز عمل سے بہت دکھی تھے، ایک دن شاہ فیصل جب سرکاری عمل سے فارغ ہوکر گھر پہنچے تو ان کی بچیاں ریڈیو قاہرہ کی مغلظات سن کر رو رہی تھیں، شاہ رحمہ اللہ نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ریڈیو قاہرہ کی غلط بیانیوں اور دشنام طرازیوں کی وجہ سے، اللہ ان کو غارت کرے بہت دکھی اور غمزدہ ہیں، اس پر اس مرد مومن اور مردم شناس شاہ فیصل رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا: اگر میں حق پر ہوں تو مجھے گالیاں دینے والے میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور تم لوگ ریڈیو قاہرہ کے ذمہ داروں کے نازیبا طرز عمل سے کبیدہ خاطر ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے جمال عبدالناصر کی ہدایت کی دعا کرو، کیونکہ وہ ایک بہادر اور طاقتور انسان ہیں، اگر اللہ نے ان کو ہدایت دے دی تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کریں گے۔

جمال عبدالناصر کو بظاہر ہدایت نہ ملی، رہا ان کا باطن تو اس کا علم صرف اللہ علام الغیوب کو ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان کے دور حکومت میں ہم غریب مسلمان طلبا مصر میں جس عزت و احترام اور جس امن وسکون سے متمتع رہے، سعودی عرب میں اپنے ۴۷ رسالہ دور قیام میں اس کا تصور بھی نہ کرسکے۔

مصر ایک غریب ملک ہے، اور ہم نے اسرائیل کے خلاف وہاں دو جنگیں بھی دیکھیں، جن کی تباہ کاریوں کے آثار ہر جگہ نظر آتے تھے، لیکن ہوسٹل میں ملنے والے ہمارے کھانے اور پینے کی چیزوں کے معیار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اور ہمارے ساتھ مصری عوام اور حکام کا طرز عمل اور یہ رویہ احترام آمیز اور برادرانہ رہا اور ہم وہاں کی سرزمین میں کبھی بھی اجنبی نہ خیال کئے گئے اور وہاں پولیس کو سب سے زیادہ بااخلاق پایا۔

مصر میں ہم کو سرکاری کاغذ لینے، یا کوئی سرٹیفکٹ لینے یا ''اقامہ'' کی تجدید کرانے کے لئے سرکاری عہدیدار۔ معقب۔ کی مدد لینے کے محتاج نہ تھے، بلکہ بذات خود متعلقہ ادارہ جاکر مطلوبہ کاغذ یا سرٹیفکٹ حاصل کرلیتے یا اقامہ کی تجدید کرا لیتے، اگر کسی

ادارہ میں کبھی ہمیں کوئی پریشان کرتا، تو ہم اس ادارہ کے سربراہ کے پاس جاکر اس کی شکایت کردیتے اور وہ متعلقہ شخص کو بلاکر اس کو ڈانٹ ڈپٹ پلاتا اور وہ اس سے کہتا کہ یہ غیرملکی ہمارے مہمان ہیں ان کی تکریم کرو۔

جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کے سفارت خانے ان کو مسلسل تنگ کرتے رہتے ہیں، پاسپورٹ کی تجدید نہ کرتے، کسی ملک کے طلبا نے اپنے سفارت کاروں کے برے برتاؤ سے تنگ آکر صدر جمال عبدالناصر کے دفتر میں جاکر شکایت کردی تو دفتر نے صدر جمال عبدالناصر کے اشارے پر ان کے سفارت خانے کے اعلیٰ ذمہ دار سے رابطہ کرکے اسے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی، جبکہ یہ دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت سے عبارت تھا اور سفارتی اصولوں کے خلاف تھا۔ ایک بار صدر جمال عبدالناصر نے تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ مصر کی سرزمین میں دوسرے ممالک کے جو مسلم طلبا بغرض تعلیم مقیم ہیں، وہ ہمارے مہمان ہیں، اور ان کو کوئی بھی مصر سے بے دخل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، الا یہ کہ وہ خود مصر سے اپنے وطن واپس جانے پر رضامند ہوں۔

دنیا کے مختلف ممالک افراد کے مانند ہوتے ہیں اور عام لوگوں کی طرح ان کے تعلقات بگڑتے بھی ہیں اور بنتے بھی ہیں اور بسا اوقات دو یا دو سے زیادہ ملکوں کے درمیان کشیدگی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات منقطع ہوجاتے ہیں، جو خدانخواستہ یہ صورتحال پیدا ہوجاتی ہے تو ان کے وہ شہری واپس بلالئے جاتے ہیں جو دوسرے ملک میں کسی بھی غرض سے مقیم ہوتے ہیں، اس معاملہ میں بھی مصر کا طرز عمل دوسرے ملکوں سے مختلف تھا، میں نے مصر میں اپنے قیام کے دوران یہ دیکھا ہے کہ شاہ ایران کے عہد میں مصر اور ایران کے تعلقات بے حد خراب ہوگئے تھے اور سفارتی روابط منقطع ہوچکے تھے، اور ایران نے اپنی سرزمین میں مقیم مصری شہریوں کو وہاں سے نکال دیا

تھا اور مصر میں مقیم اپنے شہریوں کو واپس بلانے کی کاروائی شروع کردی تھی، اس وقت مصری حکومت نے ایرانی طلباء، خاص طور پر سنی طلبا سے ان کی رائے معلوم کی اور جو طلباء واپس جانے پر رضامند ہوگئے ان کو جانے کی اجازت دے دی اور جنھوں نے ایران واپس جانے سے انکار کردیا، ان کو مصر میں مکمل تحفظ فراہم کیا، انہی میں سے ایک ایرانی سنی مسلمان ریڈیو قاہرہ کے شعبۂ فارسی میں اناؤنسر تھا، بعد میں جب دونوں ملکوں کے تعلقات معمول پر آگئے تو ایرانی حکومت نے یہ اعلان کردیا کہ باہمی کشیدگی کے زمانے میں جن ایرانیوں نے مصر سے وطن واپس جانے سے انکار کردیا تھا، ان کا قصور معاف کردیا گیا ہے اور وہ اپنے ملک واپس جاسکتے ہیں، اس اعلان کے بموجب وہ ایرانی اناؤنسر اپنے اہل خانہ سے ملاقات کی غرض سے ایران گیا، طہران ایر پورٹ پر طیارہ سے اترتے ہی ایران کے شیعہ حکام نے اسے گرفتار کرلیا اور ایر پورٹ ہی پر اسے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردیا۔

مذکورہ بالا واقعہ کے بالمقابل جب سعودی عرب اور ایران کے تعلقات بے حد خراب ہوگئے اس وقت ریڈیو جدہ کے شعبۂ فارسی میں ایک افغانی اناؤنسر تھے، اور ان کی بیوی ایران کی سنی مسلمان تھی، جدہ میں ''شعبہ اقامہ'' کے اعلیٰ ذمہ دار نے افغانی اناؤنسر کو بلاکر ان کو یہ ''نوٹس'' دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایران واپس بھیج دیں، ورنہ متعلقہ حکام اس کو گرفتار کر کے ایران کو واپس بھیج دیں گے، انھوں نے سعودی ذمہ دار سے کہا کہ ان کی بیوی سنی ہے اور ایران کی شیعہ حکومت سنیوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کرتی ہے، اندیشہ ہے کہ وہ ان کی بیوی کے ساتھ برا سلوک کرے گی اس لئے اس کے ساتھ اس کو رہنے کی خصوصی اجازت دے دی جائے، مگر اس نے انکار کردیا اور انھوں نے بادل نخواستہ اپنی بیوی کو ایران واپس بھیج دیا۔

افسوس ہے کہ سعودی عرب میں غیر ملکی شہریوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا

ہے، اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ مسلمان ہیں اور سعودی عرب سے، مرکز اسلام ہونے کی وجہ سے ان کو محبت ہے، ان کو ''اجنبی'' کہا جاتا ہے۔

قاہرہ کے برعکس سعودی عرب میں میں مادی اعتبار سے زیادہ خوشحال تھا، بایں ہمہ وہ امن وسکون نہیں حاصل تھا، جو امن وسکون قاہرہ میں حاصل تھا، سعودی عرب میں اچھی ملازمت کے باوجود یہ خدشہ ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا کہ اگر ملازمت نہ رہی اور اقامہ کی تجدید (Renewal) نہ ہوئی تو بیوی بچوں کو لے کر کہاں جائیں گے، اس خدشہ کے پیش نظر ۱۹۷۴ء ہی سے بڑے بھائی۔ بھیا۔ سے یہ طے ہوگیا تھا کہ ''تتری'' میں انھوں نے اس زمانے میں نہایت کم قیمت پر جو زمین خرید رکھی تھی اس پر اللہ کے بعد میرے مادی تعاون سے وہ ایسا رہائشی مکان بنوالیں گے جس میں ان کے ساتھ میں بھی اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکوں گا۔

اس وقت ٹرانسپورٹ کے ساتھ تنخواہ ۲۲۰۰/ریال ماہانہ تھی اور ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء کی درمیانی مدت میں ہندوستانی روپیہ کا ریٹ Rate آج کے مقابلے میں بہت اعلیٰ تھا، میں اس وقت بھیا کو ۴۴۳-۴۴۴ فی ہزار روپیہ کے حساب سے پیسے بھیجتا تھا، جبکہ آج کے ریٹ سے ۴۴۳ ریال کے ۸۸۶۰ روپئے بنتے ہیں اور ہر ماہ کم سے کم ۲۰۰۰/روپئے ماہوار بھیجتا تھا، یعنی ۸۸۶/ریال، کبھی کبھی ۳۰۰۰/روپئے بھیج دیا کرتا تھا، ۱۳۲۹۔ بہر حال تین سال کی مدت میں بھیا نے قابل رہائش مکان تعمیر کرالیا تھا، جسے میں نے ۱۹۸۷ء میں، جب بچوں کے ساتھ وطن واپس آیا تھا، دیکھا بھی تھا، اس گھر کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کا محل وقوع بہت عمدہ تھا، وہ بالکل روڈ پر واقع تھا اور سامنے نہایت خوش نما اور کشادہ زمین تھی، اس طرح یہ اطمینان تھا کہ اگر سعودی عرب سے نکلنا پڑ گیا تو سر چھپانے کی جگہ ہے، اگر چہ اللہ کی زمین بڑی کشادہ ہے۔

بعد میں سعودی عرب میں اپنے قیام کے حوالہ سے جو پہلی تبدیلی آئی وہ یہ کہ

میرے ساتھ بچوں کے رہائشی ویزے کا نظام ختم کر دیا گیا، تین لڑکے باہر تھے ان میں سے کوئی سعودی عرب واپس نہ آسکا، ایک لڑکا سعودی عرب میں میرے ساتھ مقیم تھا اس کا ویزا۔اقامہ۔ختم کر دیا گیا، اب اس کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو ہندوستان جائے جو نا قابل عمل تھا، اس لئے کہ وہ سعودی عرب میں پیدا ہوا تھا اور وہیں پلا بڑھا تھا، یا وہ کسی اور کی کفالت (Sponsor Ship) میں چلا جائے جو سعودی ہو، اور بہت جلد اس کا کام کرنا تھا، ورنہ وہ سعودی عرب سے ہندوستان واپس بھیج دیا جاتا، میرے پاس دوست احباب سے صلاح ومشورہ کرنے کا بھی وقت نہیں تھا، میں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے ایک قدیم ہندوستانی دوست سے اس مسئلہ کا ذکر کیا، جو سعودی شہریت حاصل کر چکے تھے، انھوں نے ازراہ کرم اس کی کفالت کرنا قبول کر لیا، اس طرح ان کی کفالت میں ’’فیملی ڈرائیور‘‘ کی حیثیت سے اس کو دو سال کا اقامہ مل گیا، ان میں سے ایک سال تو بخیر وخوبی گزر گیا اور دوسرے سال کے اختتام سے قبل میرے ان کرم فرما نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ان کے قائم کردہ اسکول میں ہر صبح آٹھ بجے جایا کرے اور ڈھائی بجے جب اسکول بند ہو تو گھر واپس چلا جائے، ان کے یہ فرمانے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ آئندہ کوئی اور کفیل (Sponsor) تلاش کر لو، دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسرا سال ختم ہونے سے قبل کسی دوسرے سعودی کی کفالت میں اس کے لئے اقامہ بنوانے کی کوشش کی جائے، چونکہ وقت تھا، اس لئے لڑکے نے اپنی کفالت میرے ہندوستانی ثم سعودی دوست سے اپنے ایک سعودی ساتھی کے نام منتقل کرا لی اور اب تک اسی کی کفالت میں ہے اور جدہ میں برطانوی قونصل خانہ (Consulate) میں ایک اچھے عہدے پر کام کرتا ہے۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد میری ملازمت بھی اپنی انتہا کو پہنچ گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل فرمایا کہ ملازمت سے سبکدوشی کا فرمان جاری ہونے سے دو ماہ قبل میں نے دو

سال کے لئے اپنے اقامہ کی تجدید کرالی تھی اس طرح وہاں مجھے مزید دو سال قیام کا موقع مل گیا اور سعودی عرب سے باہر نہیں گیا، اور ریڈیو کے نئے سپر وائزر نے مجھے ہفتہ میں دو پروگرام پیش کرنے کی اجازت دے دی، جس کے معاوضہ سے کسی حد تک میرے اخراجات پورے ہو جاتے تھے، اور گھر کا کرایہ میرے لڑکے باہر سے بھیج دیا کرتے تھے اس طرح میرا لکھنا پڑھنا حسب معمول جاری رہا اور اسی زمانے اور انہی حالات میں، میں نے اپنی آخری کتاب: ''صحیح بخاری ایک جامع ہدایت نامہ'' مکمل کی اور ہندوستان واپسی سے صرف ایک ہفتہ قبل اس کے چند نسخے ناشر نے مجھے بھیج دیئے، جن میں سے میں نے کچھ نسخے سعودی عرب ہی میں اپنے بعض احباب کو دے دیئے اور کچھ الفاروق کے پتہ پر اپنی کتابوں کے ساتھ بھیج دیئے۔

زندگی کی گاڑی یوں ہی چلتی رہی کہ پھر ۲۰۱۷ء میں اچانک بیوی کا انتقال ہو گیا یوں تو وہ عرصہ سے بیمار تھی، مگر بیماری ایسی نہیں تھی کہ اس کو جان لیوا کہا جا سکے، بہر حال اس دنیا سے سفر کر کے اس نے ہندوستان کے لئے میرا سفر آسان بنا دیا، آخری چند سالوں میں وہ اپنے بچوں کو دیکھنے سے محروم تھی اور یہ غم اس کو اندر سے کھوکھلا کرتا جا رہا تھا، اس کی صرف دو خواہش تھیں، جن کے لئے وہ اپنی نمازوں میں رو رو کر دعائیں مانگا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دونوں خواہش پوری کر دیں اور وہ اس دنیا سے نہایت خاموشی سے چلی گئی: (۱) اس کی موت مجھ سے پہلے ہو، (۲) وہ سعودی عرب کی سرزمین میں مرے۔ **اللھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا ونور قبرھا ووسع مدخلہ یا أرحم الراحمین برحمتک استغیث۔**

بیوی کے انتقال کے بعد سعودی عرب میں میرے قیام کے نہ تو امکانات ہی تھے اور نہ وجہ جواز، مگر سوال یہ تھا کہ اگر میں وطن واپس ہوں تو میرا قیام کہاں ہوگا اور کون سا گھر مجھے سایہ دے گا اور مجھے تحفظ فراہم کرے گا، اس گھر کو تو اس کے مکینوں اور اس کے

''قانونی''۔شرعی نہیں۔مالکوں یا وارثوں نے فروخت کر کے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کر لی تھی، جس کی خشت اول سے اس کی تکمیلی اینٹ تک میں میری کمائی لگی ہوئی تھی، لیکن ابتدائی اور عارضی قیام کے بعد، میرے مستقبل کے لئے میرے جن عزیز نے اپنے گھر میں مجھے پورے اعزاز کے ساتھ رکھا وہ میرے عزیز ترین بھانجے طفیل احمد سلمہ ہیں، جن کے لئے میں نے کبھی ''کچھ''نہیں کیا، اور میں ان کے گھر میں اسی طرح رہتا ہوں، جس طرح گھر کا کوئی بڑا رہتا ہے۔

حق یہ ہے کہ سعودی سے ہندوستان واپسی نے مجھ سے خونی رشتہ رکھنے والے تمام لوگوں کے اصل چہرے بے نقاب کر دیئے اور سب کی حقیقتیں پوری طرح منکشف ہو گئیں، اللہ تعالیٰ عزیزم طفیل سلمہ اور ان کے اہل خانہ کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہر شر اور برائی سے ان کو محفوظ رکھے۔آمین یارب العالمین۔

موجودہ وقت میں میرا قیام الفاروق میں رہتا ہے، مگر دل سمرا میں رہتا ہے، کیونکہ اسی گاؤں میں طفیل سلمہ کا گھر ہے۔

الفاروق میں میرے نواسے اور نواسیاں: عبدالشکور، عبداللہ، عبدالرزاق، عبدالرب، ثناء اور اقرأ اور میرا پوتا فواد بدر سلمہم اللہ میرے زیر نگرانی پڑھتے ہیں، اور میرے ساتھ ہی میری زیر تربیت رہتے ہیں، ان کی شرارتوں سے مجھے دلی راحت ملتی ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا نگہبان ہو اور وہ علم وعمل دونوں میں ترقی کریں۔

میری بھانجی عامرہ سلمہا اور اس کے شوہر عبدالرحمٰن سلمہ دل و جان سے میری خدمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

میں اپنے ان عزیزوں کے لئے بھی خیر و بھلائی چاہتا ہوں جو مجھ جیسے چھوٹے اور کمتر انسان سے ربط وضبط رکھنے اور میری پرشش احوال کرنے میں اپنی کسر شان خیال کرتے ہیں، بلاشبہ وہ سب مجھ سے بڑے اور بلند رتبہ ہیں مجھے اس کا اعتراف ہے۔

عزیزی سید قطب اور عزیزی اسحاق سلمہا اللہ نے وطن واپسی کے پہلے دن سے جو تعلق خاطر رکھا اور ان کے بچوں حسنین اور سبطین اور بچیوں اور میری عزیز ترین بھانجی زاہدہ سلمہا نے مجھ سے جو محبت آمیز برتاؤ کیا اس کا بہترین بدلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، میں ان سب کی بھلائی کے لئے دعا گو ہوں۔

میں نے اپنی سیاہ بختیوں کی داستان لکھنے کا نہ تو کبھی ارادہ کیا تھا اور نہ تو اس کی افادیت ہی میرے سمجھ میں آئی تھی، لیکن مخدومی مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ واطال اللہ بقاءہ بالخیر کے پاس نہ جانے کون سی عصائے سحری ہے کہ انھوں نے مجھے یہ داستان لکھنے پر مجبور کردیا، اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت مولانا کررہے ہیں اور جس جذبہ خیر سے کررہے ہیں، اللہ اس کو قبول فرمائے اور جن لوگوں کو لکھنے کا سلیقہ ہے وہ مولانا محترم کے نقش قدم کی پیروی کریں اور اپنے اندر وہی عزم پیدا کریں جو مولانا کے اندر موجود ہے۔

اپنی اس داستان حیات میں، میں نے جو حقائق بیان کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قارئین کے لئے مفید بنائے اور جو باتیں محض بکواس ہوں اس کے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔آمین۔

سید سعید عابدی

جامعۃ الفاروق الاسلامیہ، اٹوا، سدھارتھ نگر، یوپی

۱۱/نومبر ۲۰۲۱ء

کاروان حیات (خودنوشت سیرۃ ذاتیہ)

فضیلۃ الشیخ عبدالقدوس محمد نذیر حفظہ اللہ وتولاہ

بانی وموٴسس مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ والتعلیم تتری بازار سدھارتھ نگر، یوپی

(تاریخ پیدائش: ۱۰ رجنوری ۱۹۴۵ء)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلق الله وأشرف المرسلين نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين. وبعد!

اپنے چند احباب کے مسلسل دو سال کے اصرار وتکرار پر یہ چند سطور اپنے بارے میں (سیرۃ الذاتیۃ) رقم طراز ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے اس امید کے ساتھ کہ اس میں شاید کسی کے لئے کام کی اور مفید بات سامنے آجائے۔

میں اپنے بارے میں کچھ لکھنے سے گریز چند وجوہات کی بناء پر کرتا رہا:

۱۔ میں گمنام اور خاموش زندگی گذارنا چاہتا ہوں، کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز و نااہل اور کوتاہ علم و کوتاہ عمل کو ان لوگوں میں شامل کرے جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**طوبیٰ لعبد آخذ بعنان فرسه فی سبیل الله، أشعث رأسه مغبرة قدماه إن كان فی الحراسة كان فی الحراسة وان كان فی الساعة كان فی الساعة، وان استاذن لم یؤذن له، وإن شفع لم یشفع**''۔[۱]

۲۔ کہیں کسی مقام پر بے شعوری میں کوئی ایسی چیز نہ صادر ہوجائے جس سے تزکیۂ نفس کی بوآئے۔ جب کہ ارشاد ربانی ہے: '' فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى '' [۲] بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ [۳]

۳۔ کوئی بات نادانستہ طور پر اصل حقائق کے خلاف نوک قلم پر نہ آجائے۔ جس

---

۱ بخاری رقم حدیث ۲۸۸۶ ۲ سورہ النجم: ۳۲ ۳ سورہ النساء: ۴۹

پر اللہ تعالیٰ کا مواخذہ ہو۔

۴۔فطری طور پر انشاء پردازی سے بھاگتا ہوں۔

ان مذکورہ بالا وجوہات کے باوجود اپنے بارے میں بڑے احتیاط اور حتی المقدور اختصار کے ساتھ رقمطراز ہوں اگر کوئی بات کسی کو ناگوار لگے تو ان سے مقدماً معافی کا خواستگار ہوں۔

نام و نسب : عبدالقدوس بن محمد نذیر بن ابراہیم بن سعدی۔

تاریخ پیدائش و جائے پیدائش: موضع کمہریا، پوسٹ خان کوٹ سمری، تھانہ اٹوا، ضلع سدھارتھ نگر، سابقاً بستی، یوپی۔اور تاریخ پیدائش ۱۰؍جنوری ۱۹۴۵ء۔

پیشہ :والدین کا پیشہ زراعت کھیتی باری تھا۔لیکن مجھ کو اس کے قریب تک آنے نہیں دیا۔چھٹیوں میں جب گھر پر ہوتا، تو ان کا ہاتھ بٹانا چاہتا تو والدین اور چچا دونوں کہتے جاؤ، یہ تمہارا کام نہیں ہے، تمہارا کام پڑھنا ہے اور والدہ اکثر یہ کہتی تھیں کہ ''سونے کا کدال گھور گوڑ یک بنا ہے''۔والدین امی تھے لیکن ان کی خواہش تھی کہ بچے پڑھیں۔اس لئے ہم تمام بھائی بہن سوائے ایک بہن کے سب کچھ نہ کچھ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔

تعلیمی ادوار و مراحل:

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ میری پیدائش ایک گاؤں میں ہوئی اور گاؤں میں ہی میرا بچپنا گذرا اور گاؤں ہی میں پرائمری کے معیار کی تعلیم قرآن ناظرہ، اردو لکھنا پڑھنا اور ضروری حساب سیکھا۔اس وقت گاؤں میں مدرسہ نہیں تھا مسجد میں پڑھائی ہوتی تھی صبح دن نکلنے سے دوپہر تک اور ظہر کے بعد سے عصر تک تعلیم ہوتی تھی۔صرف ایک مدرس تھے حافظ کتاب اللہ صاحب رحمہ اللہ، مشہور عالم دین مولانا عبدالعلیم صاحب ماہر رحمہ اللہ کے والد بڑے نیک صالح اور بزرگ شخصیت تھے، بچوں کو صبح سے شام تک بڑی محنت ولگن سے پڑھاتے، دروس کے علاوہ پنج وقتہ صلاۃ کی پابندی سے امامت کرتے

اور جمعہ کا خطبہ بھی دیتے، ان کی ذات سے گاؤں میں کافی سدھار ہوا۔ بدعقیدگی و بدعملی و بے عملی بہت حد تک ان کی جدوجہد اور مسلسل دعوت سے ختم ہوگئی۔

مدرسہ شمس العلوم سمرا:

گاؤں کی مسجد میں پرائمری کے معیار کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ شمس العلوم سمرا کا رخ کیا، مدرسہ شمس العلوم سمرا میں فارسی اور پہلی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔

سمرا میں خصوصی استاد مولانا عبدالمبین صاحب منظر رحمہ اللہ تھے جن کا شاگرد ہونے پر مجھے فخر ہے اور ان کے علاوہ مولانا امر اللہ صاحب رحمہ اللہ گونڈہ، مولانا سلامت اللہ صاحب رحمہ اللہ کرتھی ڈیہہ وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مدرسہ چشمۂ صمد مئو آئمہ:

پہلی جماعت میں صرف دو طالب علم تھے، ایک میں اور دوم پرسا کے برادر گرامی محمد اسحاق۔ پہلی جماعت کی تعلیم سمرا میں مکمل کرنے کے بعد ہم دونوں نے باہر جانے کا پلان بنایا اور برادر مکرم جناب مولانا ماہر صاحب رحمہ اللہ کی رہنمائی سے مدرسہ چشمۂ صمد مئو آئمہ الہ آباد میں داخلہ لیا۔ جہاں مولانا محبّ اللہ صاحب رحمہ اللہ ملگہیا جیسے غیور و مخلص اور جری استاذ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا بڑے محنتی اور نہ تھکنے والے تھے۔ صبح سے دوپہر تک اور ظہر سے عصر تک تنہا دو جماعتوں دوسری اور تیسری کے طلبہ کو پڑھاتے اور اس کے علاوہ پنج وقتہ صلاۃ کی امامت اور جمعہ کی خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے اور طلبہ کی تربیت پر خصوصی نظر رکھتے، اپنے تلامذہ میں ہمت، غیرت اور جرأت کے خصوصی اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور جب کسی شاگرد میں کوئی کوتاہی یا نازیبا صفت وحرکت دیکھتے تو بڑی حکمت عملی اور پند و نصائح سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے، مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ششماہی امتحان کی تعطیل میں مولانا گھر جارہے تھے ان کو بھیجنے کے لئے ہم سب طلبہ اور شہر کے کچھ مولانا کے عقیدت مند

نوجوان اسٹیشن گئے ٹرین کچھ لیٹ تھی اس لئے اسٹیشن سے باہر آکر شہر کے نوجوان بیڑی سگریٹ کا شوق پورا کرنے لگے ان میں ایک نے میری طرف بھی بڑھا دیا اور ایک آدھ کش میں نے بھی لگا لیا۔ ٹرین آئی اور مولانا سوار ہو کر چلے گئے، ان کے ساتھ ہمارا ایک ساتھی بھی سفر کر رہا تھا جس کو استاذ محترم نے بیڑی سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ لیا تھا، مولانا نے اسے بہت ڈانٹا اور سمجھایا اس طالب علم نے اپنا جرم ہلکا کرنے کے لئے اور مولانا کی توجہ موڑنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ عبدالقدوس بھی بیڑی سگریٹ میں ملوث ہے۔

مولانا جب سفر سے واپس آئے تو مجھے بلا کر بہت ڈانٹا اور سمجھایا اور یہ کہا کہ اس طالب علم نے جب مجھے یہ بتایا کہ تم سگریٹ پیتے ہو تو مجھے یقین نہیں آیا کہ تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو، تو میں نے جواب دیا کہ استاذ محترم میں بیڑی وسگریٹ کا عادی ہوں نہ پیتا ہوں شہر کے نوجوان پی رہے تھے انھوں نے میری طرف بھی بڑھا دیا اور میں نے بھی ایک آدھ کش لگا یا۔ اس پر استاذ محترم اور زیادہ برس پڑے اور کہا کہ جرم بھی کیا اور دوسروں کا احسان بھی لیا۔

استاذ محترم کی اس نصیحت کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد میں نے بیڑی و سگریٹ کو کبھی منہ نہیں لگایا۔

مدرسہ چشمۂ صمد مئو آئمہ میں دو سال گذارا اور دوسری و تیسری جماعت کی تعلیم حاصل کی۔

مدرسہ دارلھدیٰ یوسف پور:

مدرسہ چشمۂ صمد مئو آئمہ میں دوسری اور تیسری جماعت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ١٩٦١ء میں مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں داخلہ لیا مولانا جلال الدین رحمانی رحمانیہ بنارس کے مدن پوری اور مولانا عبدالاحد صاحب رحمانی رحمانیہ دلی سے چوتھی جماعت کی تعلیم حاصل کی، دونوں اساتذہ بڑے مخلص اور درس وتدریس کے شہسوار تھے

اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کا رخ کیا۔ جامعہ رحمانیہ اس وقت اپنی جماعت کی امتیازی درسگاہ مانا جاتا تھا۔اور جامعہ رحمانیہ دلی کا بدیل شمار ہوتا تھا، اور ہو کیوں نہ اس وقت اکثر اساتذہ جامعہ رحمانیہ دلی کے تھے،مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی، جامع المعقول والمنقول مولانا بشیر احمد صاحب رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ نحو وصرف اور علم بلاغت میں اپنی مثال آپ تھےاور مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی بہرائچی رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس صاحب املوی رحمانی رحمہ اللہ اوران کے علاوہ دیگر جید علماء مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی بنارسی اور مولانا عابد حسن صاحب رحمانی، جیسے علم وعمل کے پیکر سے پانچویں جماعت سے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارلعلوم بنارس:

جب ہم جامعہ رحمانیہ میں آٹھویں جماعت فراغت والے سال میں تھے کہ جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کا افتتاح ہوا، اور میں اور میرے تمام رفقاء جامعہ سلفیہ میں منتقل ہوگئے۔اور تخصص فی الشریعۃ الاسلامیہ کے سال اول میں داخلہ ہوا، اور ۱۹۶۷ء میں جامعہ سلفیہ سے تخصص فی الشریعۃ الاسلامیۃ کی سند حاصل کی جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں خصوصی استاذ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب رحمانی (رحمانیہ دہلی) تھے۔

فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں مجھےاور میرے ساتھی مولانا عبدالعلیم بن مولانا عبدالعظیم کو ریسرچ کے لئے رکھ لیا گیا اور ایک ایک گھنٹی روزانہ پڑھانے کے لئے دیا گیا، مجھے حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی اور مولانا عبدالعلیم صاحب کوادب عربی مختارات دیا گیا۔

ہماری خوش قسمتی سے اسی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے دو استاذ فضیلۃ الشیخ صالح بن علی العراقی وفضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی جامعہ سلفیہ بنارس میں پڑھانے کے لئے مبعوث کئے گئے، جب ان دو اساتذہ کا جامعہ سلفیہ میں ورود باسعود ہوا

تو ہم کو ان دونوں کی سہولت و آسانی کے لئے ساتھ کر دیا گیا جس سے ہم نے بھر پور علمی فائدہ اٹھایا ان کے ساتھ رہنے کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک دن میں محترم شیخ صالح العراقی سے ذکر کیا کہ فضیلۃ الشیخ ہماری بڑی خواہش اور دلی تمنا و آرزو جامعہ اسلامیہ مدینہ میں داخلہ لے کر پڑھنے کا ہے، تو انھوں نے خوشی کا اظہار کیا اور ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا، اور فوراً ایک خط ہم دونوں کے داخلہ کے لئے رئیس الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کو لکھا۔

رئیس الجامعہ الاسلامیہ کی طرف سے جواب میں کچھ تاخیر ہوئی تو ایک دوسرا تعقیمی خط لکھا جس کا جواب چند دنوں میں آ گیا، جس میں یہ خوشخبری تھی کہ دونوں کا داخلہ جامعہ اسلامیہ میں ہو گیا ہے اور ان کے ویزے اور ٹکٹ کے لئے آرڈر کر دیا گیا ہے، یہ خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی اور ہم مدینہ شریف جانے کی تیاری میں مشغول ہو گئے کہ جیسے ہی ویزا و ٹکٹ آ جائے گا ہم روانہ ہو جائیں گے، مگر ویزا و ٹکٹ کئی مہینہ گذر جانے کے بعد بھی نہیں آیا تو فضیلۃ الشیخ ربیع نے یہ انکشاف کیا کہ شیخ ابن باز نے اگر چہ اپنی طرف سے داخلہ لے لیا ہے اور ویزا و ٹکٹ کا آرڈر کر دیا ہے، مگر چونکہ مرکزی دارالعلوم کا معادلہ جامعہ اسلامیہ سے نہیں ہوا ہے اس لئے نیچے والے رئیس الجامعہ کے اوامر کی بھی تنفیذ نہیں کریں گے تو پھر ہم دونوں نے شیخ ربیع سے گذارش کی کہ آپ یہ کام معادلہ والا کروا دیں، تو انھوں نے کہا کہ یہ کوئی مشکل نہیں ہے، معادلہ کمیٹی میں اپنے ساتھی ہیں مدینہ جا کر ان شاء اللہ یہ کام کروا دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے جو وعدہ کیا تھا جب تعطیل میں مدینہ گئے تو وعدہ پورا کیا، ادھر ہم لوگ بھی رمضان کی تعطیل میں اپنے اپنے گھر آ گئے۔ رمضان کے بعد جامعہ سلفیہ جانے کی تیاری میں تھے کہ جامعہ کی طرف سے یہ لیٹر ملتا ہے کے جامعہ سلفیہ آنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے میں نے استاذ محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظر کی رہنمائی سے مدرسہ اتحاد قوم مینا عیدگاہ میں تدریس کے

لئے ملازمت اختیار کرلی اور برادر مکرم جناب مولانا عبدالعلیم صاحب جونپور کے کسی مدرسہ میں متعین ہوگئے ادھر جب جامعہ اسلامیہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو اس کی طرف سے مرکزی دارالعلوم کو دو طلبہ کے داخلے کا لیٹر آیا مرکزی دارالعلوم نے مصلحت عامہ اور کچھ خارجی دباؤ کی بنا پر میری جگہ پر میرے ایک ساتھی جو جنوبی ہند بھٹکل کے تھے ان کے نام کی ترشیح کر کے بھیج دیا جب مجھے یہ معلوم ہوا تو بے حد تکلیف اور رنج وملال ہوا اور مرکزی دارالعلوم کے دو اہم ذمہ داروں کو اپنا احتجاجی خط لکھ کر اللہ پر بھروسہ کر کے چپ چاپ بیٹھ گیا اور یہ عزم کرلیا کہ اب اس کے بعد کہیں کچھ لکھنا ہے نہ کہنا ہے اگر اللہ کو منظور ہوگا اور میری قسمت میں مدینہ جانا ہوگا تو جاؤں گا ورنہ اب کسی قسم کی کوئی کوشش نہیں کرنا ہے سوائے اللہ تعالیٰ سے دعا کے۔

ابھی ڈیڑھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ مرکزی دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ کی طرف سے ایک ٹیلی گرام اور کارڈ ملتا ہے جس میں یہ مژدۂ جانفزا تھا کہ میرا داخلہ جامعہ اسلامیہ میں ہوگیا ہے اس لئے جلد از جلد آکر مرکزی دارالعلوم سے اپنے کاغذات مکمل کروا کے دہلی جاؤ، ابھی وہ دونوں یعنی مولانا عبدالعلیم اور مولانا اویس بھٹکلی دلی میں ہیں ہوسکتا ہے کہ ان کے ساتھ تم بھی سفر کرسکو۔ چنانچہ میں دوسرے دن اپنے احباء کو خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات میں چھوڑ کر بنارس کے لئے روانہ ہوگیا، بنارس پہنچ کر مرکزی دارالعلوم سے ضروری کاغذات لے کر دہلی پہنچ گیا۔ جب دہلی پہنچا تو اپنے رفقاء کے سفر کی پوری کاروائی مکمل ہوچکی تھی، اور وہ دونوں اگلے روز بمبئی اور بمبئی سے سعودیہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور دہلی میں مجھے اور میرے مئو کے ایک طالب علم مولانا محمد اقبال کو جامعہ اسلامیہ کے لئے سفر کی کاروائی میں بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر میں بفضل اللہ یہ مشکلات بھی حل ہوگئے اور میں اور مولانا محمد اقبال ۱۹/نومبر ۱۹۶۹ء کو بمبئی سے جدہ اور اگلے روز جدہ سے مدینہ منورہ ہوائی جہاز سے گئے، جب مدینہ پہونچے تب جامعہ

اسلامیہ میں داخلے سے مایوس کے بعد اچانک داخلے کی مژدہ جانفزا کا از برادر گرامی ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ سے انکشاف ہوا انھوں نے بتایا کہ ہمارے محسن فضیلۃ الشیخ صالح العراقی برابر تم لوگوں کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے ایک دن پڑھا کر کلاس سے نکل کر گھر جا رہے تھے کہ راستے میں مجھ سے مڈبھیڑ ہوگئی تو فوراً انھوں نے ان دونوں یعنی میں اور مولانا عبدالعلیم صاحب کے داخلے کے تعلق سے سوال کیا کہ وہ کب آرہے ہیں تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ عبدالعلیم تو آنے والے ہیں البتہ عبدالقدوس کی جگہ پر ایک دوسرا طالب علم آرہا ہے تو فوراً انھوں نے اپنا رخ موڑ لیا اور گھر جانے کے بجائے سیدھے رئیس الجامعہ الاسلامیہ شیخ ابن باز کی آفس میں گئے اور بہت دیر تک اخذ ورد کے بعد اسی مجلس میں ہمارے داخلے اور ویزا اور ٹکٹ کے لئے آرڈر کروایا۔ بہر حال اللہ کے فضل و کرم سے ۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹؍نومبر ۱۹۶۹ء کو مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اور چار سال چار ماہ کی طرح گذر گئے اور ۱۳۹۳ھ موافق ۱۹۷۳ء میں جامعہ اسلامیہ سے **كلية الشريعه** سے **الاجازه العاليه فى الشريعة الاسلاميه** کی سند حاصل کی۔

جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد ماجستر کے لئے کلیۃ الشریعہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے فضل سے داخلہ مل گیا اور چار سال میں ماجستر مکمل کیا۔ دو سال دراسہ منہجیہ میں تھے اور دو سال میں ماجستر کا رسالہ " **احاديث الجمعه دراسه نقديه و فقهيه** " مکمل کر لیا۔ لیکن ایسے حالات وظروف پیش آتے گئے اور مناقشہ کافی تاخیر سے ہوا اور ۱۹۷۸ء میں **ماجستر فى الكتاب والسنة** کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد طالب علمی کا دور ختم کر لیا اور عملی زندگی کا آغاز کیا۔

اس سے پہلی قسط میں یہ بیان کیا تھا کہ کلیۃ الشریعہ مکہ مکرمہ فرع جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ سے ۱۹۷۸ء میں ماجستر میں ماجستر فی السنۃ النبویۃ کی شہادت حاصل کی۔ اسی کے بعد اسی سال اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے دکتورہ میں داخلہ بھی ہو

گیا اور دکتورہ کا رسالہ تیار کرنے کے لئے دراسة و تحقیق کتاب " مجمع البحرين بزوائد معجمي الطبراني الأوسط والصغير" للحافظ الهيثمي پر موافقت بھی مل گئی جس پر میں نے کام کرنا بھی شروع کر دیا تھا اور عزم مصمم تھا کہ دو سال میں رسالہ مکمل کروں گا اور اس کوشش میں دن ورات لگا ہوا تھا اور کافی کام کر چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ء میں رئیس مجلس القضاء الأعلیٰ (سپریم کورٹ) ریاض کے ایک صاحبزاہ نے میرے ایک ساتھی سے ذکر کیا کہ والد صاحب کو ایک باحث شرعی کی ضرورت ہے اگر کسی کو جانتے ہو تو بتاؤ تو انھوں نے میرا ذکر کیا اور دوسرے دن شیخ کے صاحبزادے جن کا نام احمد ہے خود مجھ سے ذکر کیا کہ والد صاحب کو ایک باحث شرعی کی ضرورت ہے اگر چاہو تو اپنا نام پیش کردو، میں نے احباب سے مشورہ کیا خاص طور سے دکتور ضیاء الرحمٰن اعظمی صاحب سے جو اس وقت رابطۂ عالم اسلامی میں ایک اہم پوسٹ مستشار کے عہدہ پر فائز تھے تو انھوں نے کہا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے بے چوں و چرا قبول کرلو، اور رہا دکتورہ کرنے کا مسئلہ تو بذریعہ انتساب جامعہ از ہر مصر سے کر لینا یہ کوئی بڑا اہم مسئلہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے دوسرے دن ایک مختصر سی درخواست شیخ ابن حمید کے صاحبزادے احمد کو دیدی، جس کو انھوں نے اپنے والد محترم صاحب کو پہنچا دی اور چونکہ اس وقت مجلس القضاء الاعلیٰ اداری اور مالی امور میں وزارۃ العدل کے تابع تھا اس لئے شیخ موصوف محمد سے تعاقد کرنے کے لئے وزارۃ العدل کو لکھا اور چند ہی دنوں کے بعد وکیل وزارۃ العدل کی طرف سے کلیۃ الشریعہ مکہ میں مجھ سے تعاقد کرنے اور نقل کفالہ کی موافقت لینے کے لئے لیٹر آیا جسے کلیۃ الشریعہ کے مدیر شئون الطلاب نے نظام کا سہارا لیکر رفض کر دیا۔

آخر میں رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ سماحۃ الشیخ ابن حمید کے تدخل کرنے پر موافقت دے دی اور میں یکم رجب ۱۳۹۹ھ کی صبح ریاض شیخ ابن حمید کے پرشکوہ مکان

محلّہ دخنہ شارع الفریان پہنچ گیا اور اسی دن سے ڈیوٹی پر ہی لگ گیا۔

ریاض میں مصروفیات:

جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے کہ شیخ موصوف کا مکان ریاض میں محلّہ دخنہ شارع الفریان پر تھا مکان بہت بڑا اور وسیع دومنزلہ تھا دور ارضی پر وسیع مجلس اور ڈائننگ ہال تھا، اور مکتبہ اور اس کے بغل میں ایک کمرہ اور جوائنٹ باتھ روم وغیرہ تھا میری رہائش مکتبہ کے بغل والے کمرہ میں تھی۔

میری ڈیوٹی فجر کی اذان سے عشاء کی صلاۃ کے بعد تک تھی۔ شیخ کے ساتھ ناشتہ کرکے آپ ہی کے ساتھ آفس جاتا اور شیخ چونکہ دینی امور میں بھی مرجع خلائق تھے ملک اور بیرون ملک سے آپ کے پاس مختلف مسائل میں استفتاء آتا جسے شیخ میری طرف تحویل کردیتے، مجلس القضاء الاعلیٰ کا خود ایک مکتبہ تھا میری ڈیوٹی اسی مکتبہ میں تھی شیخ کے پاس آئے ہوئے دینی مسائل کا جواب میں کتابوں سے بحث کرکے حوالہ کے ساتھ لکھ کر شیخ کو دیتا جسے شیخ اپنے حساب سے کچھ ردوبدل کرکے یا بعینہٖ مستفتی کو بھیج دیتے۔

ظہر بعد شیخ ہی کے ساتھ واپس آتا ساتھ میں دوپہر کا کھانا کھاتے اور مغرب بعد شارع الفریان پر واقع ایک مسجد میں برابر مختلف علوم وفنون پر شیخ کا درس ہوتا، جس کی تیاری میں شیخ عصر سے مغرب تک کرتے اور مجھ سے مختلف کتابیں طلب کرتے اور پڑھوا کر سنتے، یہ تقریباً ہر روز کا مشغلہ تھا۔ اور جب کبھی فرصت ملتی تو مکتبہ کی کتابوں کی ترتیب وتسجیل اور صفائی میں لگ جاتا، اسی طرح شیخ موصوف کا ایک گھر مکہ مکرمہ میں اور ایک گھر طائف میں بھی تھا، اور گرمیوں کے چار ماہ طائف اور مکہ میں گذارتے اور ہر جگہ میں آپ کے ہمراہ ہوتا اور ان دونوں جگہوں پر بھی ریاض ہی جیسی ذمہ داری ہوتی، اس لئے انتساب سے دکتورہ کرنے کا خواب لے کر مکہ شریف سے آیا تھا وہ شرمندہ تعبیر ہونا تو درکنار ناممکن تھا البتہ جب کبھی کچھ وقت ملتا تو جو علمی کام مکہ میں شروع کیا تھا اس کی تکمیل

میں لگ جاتا اور جب موقع ملتا مجمع البحرین کے مخطوطہ کو نسخ کرتا۔

شیخ کی بیماری اور سفر علاج:

۱۴۰۱ھ کے آغاز میں شیخ کو اپنی خرابی صحت کا احساس ہوا اور ریاض کے مستشفی اور دیگر بڑے مستشفیات کے ماہر اور مخصصی ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا اور مختلف قسم کا ٹیسٹ لینے کے باوجود کسی پر کوئی بیماری ظاہر نہیں ہوئی، سال کے آخر میں جب گرمیوں میں طائف آئے تو طائف کے مستشفیٰ عسکری میں جانچ کروایا تو ڈاکٹروں پر ایک مہلک بیماری (کینسر) کا انکشاف ہوا، اور ڈاکٹروں نے امریکا جا کر علاج کروانے کا مشورہ دیا، جس کے لئے شیخ تیار نہیں تھے، آخر میں ملک خالد رحمہ اللہ کے اصرار پر تیار ہو گئے۔ اور زندگی میں پہلی بار پاسپورٹ کے لئے فوٹو کھینچوایا۔ اور بیرون ملک کا سفر کیا، اور ۱۴۰۲ھ کے اوائل میں امریکہ علاج کے لئے اپنے سکریٹری اور صاحبزادہ احمد کے ساتھ سفر کیا، وہاں سے چند ماہ بعد شفایاب ہو کر واپس آئے مگر چند ماہ بعد پھر بیماری عود کر آئی اور دوبارہ پھر امریکہ گئے مگر اس بار ڈاکٹروں نے جواب دے دیا اور کہا کہ اب مرض لا علاج ہو چکا ہے۔ چنانچہ واپس آ کر طائف کے مستشفیٰ عسکری میں چند ماہ زیر علاج رہے اور ۲۰/ذوالقعدہ بروز بدھ بعد صلاۃ عصر یہ علم وعمل کا پیکر اور علم فقہ کا بحر بیکراں اور علم وفہم میں لا ثانی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔

اداری ذمہ داریاں:

شیخ کی وفات کے بعد میں نے وزارۃ العدل واپس جانا چاہا، لیکن **مجلس القضاء الاعلیٰ** کے مشائخ خاص طور سے **علامہ شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل** نے کہا کہ تم کو مجلس ہی میں رہنا ہے، مجلس کے تمام مشائخ نے میری پذیرائی کی اور میں جب تک مجلس میں رہا سب مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑی شفقت ومہربانی

سے پیش آتے اور میں مجلس میں ۱۴۱۲ھ تک تھا، اس کے بعد بعض ناگزیر حالات کی بناء پر وزارۃ العدل میں منتقل ہونے کی درخواست دی جو منظور ہوگئی، اور وکیل وزارة العدل العلامه دكتور شيخ بكر أبو زيد نے اپنی آفس میں رکھ لیا۔ جس کی نگرانی میں میں نے چند اہم کام انجام دیئے اور ۱۴۲۰ھ میں جب مجلس القضاء الاعلیٰ کی نئی تشکیل ہوئی اور فضيلة الدكتور الشيخ صالح بن عبدالله بن حميد حفظه الله اس کے رئیس اور شيخ عبدالله بن محمد البجلي وكيل وزارة العدل امین عام مقرر ہوئے تو پھر مجھ کو المجلس الاعلیٰ القضاء میں منتقل کر دیا گیا اور ۱۴۳۲/۱۰/۱۰ھ میں وزارۃ العدل سے ریٹائر ہونے کے بعد فی الحال مؤسسة الدار الحال للنشر و التوزيع میں جس کے رئیس سماحة الشيخ ابن باز کے شاگرد رشید سابق قاضی مملكة الرياض شيخ عبدالعزيز بن ابراهيم القاسم ہیں، مختلف علمی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

تدریسی خدمات:

تدریس کی خدمت انجام دینے کا موقع بہت کم میسر ہوا۔ ۱۳۸۷ھ میں جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس سے فراغت کے بعد ایک سال جامعہ سلفیہ میں ریسرچ کے ساتھ روزانہ ایک گھنٹی مشکاۃ المصابیح جلد ثانی پڑھانے کا موقع ملا، اس کے بعد ۱۳۸۸ھ ۱۳۸۹ھ میں اتحاد قوم دار التوحید مینا عیدگاہ میں تدریسی خدمات انجام دیا۔

علمی اور تصنیفی خدمات:

ذو القعدہ ۱۴۰۲ھ میں سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد ابن حمید رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سے میرے پاس کافی فراغ تھا، ڈھائی بجے ڈیوٹی سے آنے کے بعد عصر سے عشاء کے بعد سونے تک کا وقت خالی تھا، جس سے میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے:

۱۔ "كتاب الآداب بيهقي" کی تحقیق کی جو ۱۴۰۶ھ مكتبة الرياض الحديثيه

سے شائع ہوئی۔

۲۔ تحقیق و دراسة کتاب ’’مجمع البحرین بزوائد المعجمین‘‘ للهیثمی ۹ مجلدات پہلی بار مکتبہ الرشد الریاض سے ۱۴۱۳ھ میں شائع ہوئی ابتک اس کی کئی طبعات نکل چکی ہے۔

۳۔ تحقیق کتاب إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من اطراف العشرة للحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله یہ کتاب جامعہ اسلامیہ میں مرکز خدمة السنة والسیرة النبوية کے اہم مشروعات میں سے ایک مشروع ہے جو مختلف محققین کی تحقیق سے ۲۰ جلدوں میں ۱۴۱۵ھ میں جامعہ اسلامیہ سے شائع ہوئی۔

۴۔ تحقیق و تخریج أحادیث کتاب ’’الروض المربع‘‘ یہ کتاب فقہ حنبلی میں مختصر اور بہت اہم کتاب ہے یہ سعودی جامعات کے اکثر کلیات میں مقرر ہے اس کو مؤسسة الرسالة دمشق، فرع الریاض نے ۱۴۱۷ھ میں شائع کیا اور اب تک اس کے کئی طبعات شائع ہو چکے ہیں۔

۵۔ تخریج احادیث کتاب کشاف القناع ، یہ کتاب فقہ حنبلی میں بہت اہم کتاب ہے اور قضاۃ وغیرہ کے لئے اہم مرجع ہے اس لئے وزارۃ العدل نے اس کی تحقیق وتخریج احادیث کروا کے بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۷ جلدوں میں چھپوا کر تمام علماء وقضاۃ اور طلبہ علم کے درمیان مفت تقسیم کیا۔

۶۔ ’’احادیث الجمعة دراسة نقدیه و فقهیه‘‘ یہ میرے ماجستر کا رسالہ ہے اور الحمد للہ یہ کتاب میرے دوست مولانا عبدالوہاب خلجی سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کدوکاوش سے چھپ کر منظر عام پر آئی اور دار الافتاء ریاض سے مفت تقسیم ہوئی۔

۷۔ مومن کی مضبوط پناہ گاہ ومددگار ادعیہ ماثورہ واذکار یہ مسنون صحیح دعاؤں اوراذکار پر مشتمل ایک مجموعہ ہے جو اردو ترجمہ کے ساتھ میں نے تیار کیا اور اگست ۲۰۱۹ء میں اس

پر ایک مسابقہ بھی ہوا جس میں اپنے علاقہ کے بہت سارے طلباء وطالبات نے حصہ لیا اور بحمد اللہ یہ مسابقہ ہر اعتبار سے کامیاب رہا۔

۸۔ گلدستۂ اسلام: عقائد، عبادات اور سلوک وآداب پر مشتمل پرائمری درجات کے طلبہ کے لئے دینیات کا نصاب حافظ محمد الیاس صاحب اور میں نے مل کر تیار کیا ہے جو ان شاء اللہ پرائمری کلاس کے بچوں کے لئے یقیناً بہت مفید ہوگا۔ اس کا مکمل سیٹ ۵ رحصوں میں چھپ کر منظر عام آچکا ہے۔

۹۔ **إتحاف الطالبين يابراز معاني و قواعد وفوائد الأربعين للامام النوی** یہ کتاب اکثر جامعات و مدارس اسلامیہ میں مقرر ہے جو الحمد للہ میری مختصر سی تعلیقات کے ساتھ اکتوبر ۲۰۱۹ء میں چھپ چکی ہے۔

دعوتی خدمات:

جب میں نے کتاب الآداب بیہقی کی تحقیق مکمل کر لی تو اپنے محسن و مربی **سماحۃ الشیخ صالح بن محمد الحیدان رئیس مجلس القضاء** کو اس کی ایک کاپی پیش کی اور التجاء کی پڑھ کر اپنے ملاحظات سے مستفید کریں، اور اس پر چند سطور لکھ بھی دیں جسے انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور پورا کیا اور اس کی طباعت کے لئے اپنے ایک دوست کے پاس بھیجا جو بہت بڑے تاجر و ناشر تھے، جن سے مل کر مجھے دعوت وتبلیغ کا ایک نیا سنہرا موقع ملا، اور ان کے تعاون اور ہمت افزائی سے اپنے علاقہ میں تحفیظ القرآن کے کئی سنٹر قائم کئے، پھر بعد میں اللہ تعالی کی توفیق سے ضلع سدھارتھ نگر جو اس وقت نیا ضلع قائم ہوا تھا ۱۹۹۳ء میں مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ والتعلیم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس وقت مرکز تحفیظ القرآن کے ماتحت سدھارتھ نگر میں مندرجہ ذیل علمی ودعوتی کام ہو رہا ہے:

۱۔ مدرسہ بدر جو پبلک اسکول سے مشہور ہے اس میں تمہیدی، پرائمری، مڈل اور ہائی

اسکول تک دینی وعصری تعلیم ہوتی ہے۔

۲۔معہد الرشد (متوسطہ) اس میں حفظ قرآن کے ساتھ متوسطہ تک دینی تعلیم کے ساتھ ہندی، انگلش اور دیگر ضروری چیزوں کی تعلیم ہوتی ہے۔

۳۔معہد الرشد (ثانویۃ) اس میں تیسری جماعت اور چوتھی جماعت تک عربی علوم کے ساتھ ساتھ ہندی وانگلش کی تعلیم ہوتی ہے۔

۴۔ کلیۃ الشریعۃ بعض لوگوں کے اقتراح واصرار پر شوال ۱۴۳۹ھ سے کلیۃ الشریعۃ کا بھی قیام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوگیا اور سعودی جامعات سے اس کے معادلہ کی کوشش ہورہی ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد معادلہ ہوجائے گا اور اس کے فارغین سعودی جامعات میں پڑھنے کے لئے آسکیں گے۔

۵۔شوال ۱۴۲۹ھ میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ معہد ام سلمۃ اور کلیۃ ام سلمہ کے نام سے قائم کیا گیا اور الحمدللہ چار سال سے اس میں فراغت تک تعلیم ہوتی ہے۔

۶۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مرکز کا مختلف جامعات کے ساتھ حفظ کے شعبوں میں تعاون حاصل رہا اور کئی سال تک حفاظ طلبہ کی تشجیع اساسی کی ہمت افزائی کے لئے مسابقہ حفظ ہوتا ہے۔

۷۔ اور علاقے کے مختلف گاؤں کے مدرسوں میں مرکز کا تعاون ہے اور ایک مدرس کی جزئی یا کلی تنخواہ مرکز دیتا ہے۔

مرکز کے فروع:

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اب تک مرکز کے تین اہم فروع مختلف علاقوں میں قائم ہیں:

۱۔ فرع بلوہا: جو بانسی سے پورب و دکھن طرف بلوہا بلاک میں قائم ہے ایک مسجد اور دو منزلہ مدرسہ کی عمارت ہے وہاں ۶۰ سے ۷۰ بچے حفظ میں پڑھتے ہیں اس کے ذمہ دار

ڈاکٹر عبدالحلیم وڈاکٹر عبدالمجید صاحب اور مولانا امین صاحب فاضل جامعہ سلفیہ ہیں۔

۲۔فرع سرواراجمیر راجستھان: ایک عالی شان مسجد اور وسیع مدرسہ ہے،شعبہ پرائمری، حفظ قرآن کے ساتھ دوسری جماعت کی تعلیم ہوتی ہے،اس کے ذمہ دار اپنے ہی علاقہ موضع ٹکریا اور جامعہ رحمانیہ بنارس کے فاضل بزرگ عالم مولانا عبدالشکور صاحب ہیں۔

۳۔فرع پڑرونہ: کشی نگر میں مسجد و مدرسہ کا قیام ہے اور اس میں ڈھائی سو سے زائد بچے و بچیاں ہائی اسکول تک کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس کے ذمہ دار پڑرونہ کے ایک فاصل جواں حکیم صابر صاحب جو بہت متحرک اور فعال وسرگرم ہیں۔

اس کے علاوہ ناچیز کے کچھ رفاہی کام بھی ہیں جن کو ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں،اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بندۂ ناچیز کی ان کمتر خدمات کو شرف قبولیت بخشے،اور اس کے اور اس کے والدین اور احباء واقرباء کے نجات کا سبب بنائے۔آمین یـــــا رب العالمين.

كتبه الراجي عفو ربه القدير

عبدالقدوس بن محمد نذير

الریاض بروز جمعہ وتاریخ ۱۹/۲/۱۴۴۱ھ

✿✿✿

سیرۃ ذاتیۃ

فضیلۃ الدکتور حافظ عبداللہ عبدالحمید السعدی مدنی حفظہ اللہ

(تاریخ ولادت: ۱۰/جون ۱۹۵۱ء)

ہمارے فاضل دوست فضیلۃ الدکتور عبداللہ عبدالحمید السعدی مدنی حفظہ اللہ انتہائی سادہ مگر پُر وقار شخصیت کے مالک ہیں، سنجیدگی اور متانت آپ کے چہرے سے عیاں ہے دکھاوے اور ریاکاری سے آپ کو شدید نفرت ہے اور اس سے زیادہ نفرت شرک و بدعت ،خرافات ومنکرات سے ہے عاجزی اور انکساری کے پیکر ہیں بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہیں حاضر جواب ہیں خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں وسیع حلقہ احباب رکھتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ وہ اہل علم اور بزرگوں سے رابطہ کے لئے قلم کے ساتھ ساتھ قدم سے بھی کام لینے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے سب کی قدر کرتے ہیں سبھی یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ ان ہی سے محبت کرتے ہیں بہت ہی مہربان اور مشفق ہیں بہت اچھے داعی بہت اچھے مبلغ بہت اچھے مدرس بہت اچھے خطیب بہت پیارے انسان ہیں، بڑوں کے لئے سراپا ادب واحترام چھوٹوں کے لئے مجسمہ شفقت دوستوں کی خوشیوں کی زینت احباب کے غم میں برابر کے شریک اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان پر خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے بڑے ادب سے ان کا نام لیتے ہیں اوران کی آنکھوں میں چمک آجاتی ہے۔

ہمارے فاضل دوست نے جن علمائے کرام واساتذۂ کرام سے استفادہ کیا ہے آپ میں ان کا عکس نظر آتا ہے اساتذہ کرام کی بلندی اور خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو جہاں علم سے آراستہ کریں وہاں انھیں عملی خوبیاں بھی پیدا کریں اور ایک لائق اور فرمانبردار شاگرد کی پہچان یہ ہے کہ ان میں استاذ کی جھلک نظر آئے یہی وجہ ہے کہ موصوف میں تواضع ،حلم بُردباری اورسادگی نظر آتی ہے وہاں وہ علم کی پختگی معرفت الٰہی ،زہد وتقویٰ امانت ودیانت ایسے

اوصاف حمیدہ سے متصف نظر آتے ہیں انسانی دوستی، ملنساری، مہمان نوازی میں مثالی شخصیت ہیں ان کی خوش طبعی بذلہ سنجی اور باغ و بہار شخصیت دوسرے کو متاثر کرتی ہے۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے ایک کریم النفس اور شریف الطبع انسان ہیں اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں بہت خوددار بھی ہیں جاہ و مرتبہ کے طالب نہیں امیر مینائی کے شعر کی صحیح معنوں میں عملی تفسیر ہیں ؎

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہم ہیں امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

راقم موصوف کے پچاس سالہ علمی و دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے فاضل دوست کے علم قلم اور صحت و زندگی میں خیر و برکت عطا فرمائے آپ کو کتاب و سنت کی مزید خدمت کی توفیق دے اور آپ کی شخصیت کو سدا بہار رکھے بقول فضا ابن فیضی ؎

خدا کرے فضا یونہی خواب جاگتے رہیں
یہ خوشبوئیں جواں رہیں گلاب جاگتے رہیں

(عبدالرؤف ندوی)

نام : عبداللہ بن عبدالحمید السعدی

(۱) علمی صلاحیتیں:

(۱) بی اے ممتاز پوزیشن۔ کلیۃ القرآن الکریم۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
(۲) ایم اے ممتاز پوزیشن قسم تفسیر و علوم قرآن جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
(۳) پی ایچ ڈی۔ قسم الحدیث از جامعہ زیتونہ تونس بدرجہ ممتاز شرف اولیٰ
(۴) حفظ قرآن کریم مکمل مع قرأت عشرہ

(۲)اعمال اور علمی مقالات و بحوث:

(۱) دعوت الی اللہ کا کام از ۱۴۰۱ھ تا حال

(۲) جامعہ اسلامیہ کے قسم المخطوطات میں بحیثیت عامل ونگراں کام کیا۔

(۳) کلیۃ القرآن سے بی اے کی سند کے لئے مقالہ نویسی بعنوان سورہ نور کی ابتدائی دس آیات کی توضیح وتفسیر

(۴) احکام القرآن لابی الفرس کے ایک جزء (حصہ) کی تحقیق یہ ایم اے کے لئے لکھا گیا۔

(۵) چودھویں صدی ہجری میں قرآن وحدیث کی خدمات میں علماء ہند کی مساعی یہ پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے

(٦) وزارۃ الشئون الاسلامیہ کی طرف سے حج میں دعوت وتبلیغ اور دروس کی تیاری اور بذریعہ ریڈیو ان کی نشر واشاعت

(۳)حالیہ مشغولیات:

(۱) مملکت بحرین میں وزارۃ الشئون الاسلامیہ ریاض کی طرف سے مبعوث دعاۃ کی نگرانی

(۲) ادارۃ الاوقاف السنیۃ میں امامت وخطابت کی ذمہ داری

(۳) وزارۃ العدل اور وزارۃ الشئون الاسلامیہ کے زیر اہتمام مرکز القرآن برائے دعوت وتبلیغ کی نگرانی

(۴) معہد الامام الشافعی برائے دراسات اسلامیہ میں تدریسی خدمات (سابقا)

فضیلۃ الدکتور عبداللہ عبدالحمید السعدی حفظہ اللہ کے یہ ذاتی معلومات ہیں آگے کی سطروں میں شیخ کے قلم سے شیخ کے تفصیلی حالات ملاحظہ فرمائیں۔

(عبدالرؤف ندوی)

فضیلۃ الدکتور الشیخ

عبداللہ بن عبدالحمید السعدی مدنی حفظہ اللہ وتولاہ

نام : عبداللہ بن عبدالحمید السعدی

تاریخ پیدائش: رسمی کاغذات کے مطابق ۱۰/جون ۱۹۵۱ء

آبائی وطن: موضع مونڈاڈیہا، تحصیل ڈومریاگنج ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

میری عمر کوئی پانچ سال کے آس پاس تھی کہ والد محترم عبدالحمید کا انتقال ہو گیا۔ وہ بمبئی کے سیٹھ تھے، مگر ان کے انتقال کے بعد بمبئی سے ہمارا رشتہ کٹ گیا والد صاحب کے بارے میں گاؤں اور خاندان کے افراد کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ انتہائی شریف آدمی تھے، والد صاحب کے انتقال کے بعد دادا سعد اللہ ایک سہارا تھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور اب ہم یتیمی زندگی گزارنے لگے، خاندان بلکہ گاؤں میں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا اور دینی تعلیم سے کوئی آشنا بھی نہ تھا۔

ابتدائی تعلیم :

ہمارے گاؤں سے متصل ایک موضع اوسان کوئیاں ہے وہاں پر مظہر العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ ہے جسے علامہ جعفر علی نقوی نے قائم کیا تھا۔ اور الحمد للہ اب تک آباد ہے۔ میری عمر کوئی دس سال یا اس سے زیادہ رہی ہوگی کہ میں نے تعلیم کی طرف توجہ کی اور مذکورہ مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ ہمارے ایک چچا صاحب تھے جو عمر میں مجھ سے صرف دو سال بڑے تھے اب وہ بھی مرحوم ہو چکے ہیں وہ چاہتے تھے کہ کھیتی باڑی میں میں ان کا ہاتھ بٹاؤں مگر میں اب تعلیم کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا اس سلسلے میں مجھے کچھ پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا مگر تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً چھ سال میں مکتب درجہ فارسی اور عربی سوم تک کی تعلیم حاصل کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم رہا کہ عام طور پر میں

کلاس میں اول پوزیشن حاصل کرتا تھا۔ مدرسہ مظہر العلوم میں جن اساتذہ سے میں بے حد متاثر تھا وہ یہ تھے:

☆منشی عبدالوہاب موضع کرتھی ڈیہہ

☆مولانا عبدالمنان فیضی بونڈیہار

☆قاری ابوالقاسم ٹکریا انھوں نے مجھے بڑا اسہارا دیا۔

☆مولانا عبدالقدوس ٹکریا جن کا میں بے حد احترام کرتا تھا۔

اب یہ سارے اساتذہ مرحوم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام محسنین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

مدرسہ مظہر العلوم عربی سوم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے بنارس چلا گیا۔ اسی سال ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز ہوا تھا عربی چہارم کے لئے جامعہ رحمانیہ میں داخلہ لیا کیونکہ جامعہ سلفیہ میں عالمیت (عربی پنجم) سے تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔

جامعہ رحمانیہ میں میرے اساتذہ یہ ہیں:

☆فضیلۃ الشیخ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

☆مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ

☆مولانا قرۃ العین املوی رحمہ اللہ

☆مولانا عزیز احمد ندوی علی گنج رحمہ اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پھر اگلے سال میرا داخلہ جامعہ سلفیہ میں ہوگیا۔ جامعہ میں میرے اساتذہ تھے:

☆فضیلۃ الشیخ الدکتور ربیع بن ہادی

☆شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی

☆ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

☆مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی

☆مولانا عابد حسن رحمانی کنڈ و بونڈ یہار

☆مولانا امان اللہ فیضی

☆مولانا عبدالمعید بنارسی وغیرہم

اب یہ سب انتقال فرما چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ صرف استاد محترم دکتور ربیع بن ہادی مدینہ میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفائے عاجل وکامل عطا فرمائے۔ آمین

جامعہ رحمانیہ اور جامعہ سلفیہ میں مولانا شاہد جنید سلفی صدر جامعہ سلفیہ بنارس

☆ڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ

☆ڈاکٹر فضل الرحمٰن دین محمد رحمہ اللہ

☆ڈاکٹر اختر جمال مکہ مکرمہ

☆ڈاکٹر عبدالعزیز بن شیخ الحدیث حفظہم اللہ میرے ہم سبق تھے۔

ڈاکٹر فوزان بن ڈاکٹر عبدالعزیز نے مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی اور مولانا قرۃ العین فائق املوی کے تذکرے میں جہاں ان دونوں کے تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں میرا نام نہیں ہے۔ شاید اس لئے کہ میں بحرین میں الگ تھلگ پڑا ہوں۔ لیکن ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کو شاید یاد نہ رہا کہ میں چار سال تک ان کے ساتھ پڑھتا رہا۔ اور ان کے اساتذہ سے مجھے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ جامعہ سلفیہ میں دوران تعلیم مجھے مالی مشکلات کا بے حد سامنا کرنا پڑا۔ البتہ محسن جماعت عبدالشکور چودھری کے والد محترم حاجی عباس صاحب جو میرے سگے پھوپھا تھے ان کا تعاون برابر حاصل رہا۔ اب وہ وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔ ہمارے پھوپھا رحمہ اللہ چونکہ ایک دین دار اور دین پسند آدمی تھے اس لئے ان کا مجھ سے اور میرا ان سے قلبی تعلق تھا۔

پونہ کے مضافات میں مسجد اہل حدیث کی تعمیر اور دعوۃ سلفیہ کی نشر واشاعت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔اب اس مشن کی ترقی میں ان کے صاحبزدگان خاص طور سے بھائی عبدالشکور اور میرے دوسرے پھوپھی زاد بھائی مولانا سعید احمد صاحب سلفی بڑے نشاط کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کوشرف قبولیت سے نوازے۔آمین

شاید میرا اس بات کے تذکرے میں کوئی حرج نہ ہو کہ پھوپا صاحب کے انتقال کے بعد پھوپی صاحبہ باحیات تھیں،اور تقریباً تین سال پہلے ماہ جنوری میں ان کا انتقال ہوا۔انھوں نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ میرا بھتیجا عبداللہ پڑھائے گا اور اگر وہ موجود نہ ہوگا تو مولانا سعید احمد سلفی پڑھائیں گے۔جو میرے پھوپھی زاد بھائی اور ان کے بھانجے ہیں،صالح نوجوان ہیں۔بظاہر میرا ان کی وفات کے وقت پہونچنا تقریباً مشکل تھا،لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر کہ میں ۲۷/دسمبر ۲۰۱۸ء کو ایک ہفتہ کے لئے اپنی نواسی کی شادی کے موقع پر بمبئ گیا ہوا تھا اور ۲/جنوری ۲۰۱۹ء کو مجھے پھوپھی سے ملنے کے لئے جانا تھا۔مگر یکم جنوری کو بعد صلاۃ مغرب مجھے خبر ملی کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔اور اس طرح مجھے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔اور پھوپھی صاحبہ کی وصیت بھی پوری ہوگئی۔اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

جامعہ سلفیہ میں عالمیت سوم تک پڑھنے کے بعد فضیلت کی تکمیل کے لئے میں مئو چلا گیا، جامعہ دارالحدیث الأثریہ سے ۱۹۷۰ء میں فراغت حاصل کی۔اور بحمدللہ فضیلت میں بھی پہلی پوزیشن تھی۔یہاں پر میرے اساتذہ یہ ہیں:

- مولانا عظیم اللہ مئوی
- مولانا فیض الرحمٰن مئوی
- مولانا احمد ٹکریاوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد جامعہ دارلحدیث والے مجھے یہاں استاد رکھنا چاہتے تھے مگر استاد محترم مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی کے حکم پر میں مدرسہ مظہرالعلوم چلا آیا۔ اور چار پانچ سال تک وہاں تدریسی خدمت انجام دیتا رہا، اس دوران میری اہلیہ میمونہ بنت عبداللہ کی مسلسل کوشش رہی کہ کسی طرح اعلیٰ تعلیم کے لئے میں کہیں اور چلا جاؤں بلکہ انھوں نے یہاں تک کہا کہ ''میں تنگدستی سے گزارلوں گی اور ضرورت پڑے تو اپنے زیوارت بیچ دوں گی''۔ جامعہ سلفیہ میں قیام کے دوران میں نے خود ہی قرآن مجید کے تقریباً دس پارے یاد کر لئے تھے۔ الحمدللہ

اہلیہ کے مسلسل تقاضے کی وجہ سے جو کوسنے کی حد تک پہنچ گئے تھے، میں نے مدرسہ مظہرالعلوم کو خیر باد کہا اور بنارس کا رخ کیا۔ بنارس شہر کے مضافات میں ایک محلّہ بجرڈیہا ہے وہاں کی جامع مسجد کا معمولی تنخواہ پر امام وخطیب ہو گیا۔

جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے دوران میں اس مسجد کا خطیب پہلے بھی تھا۔ ہوا یہ کہ ایک دن میں شام کے وقت ٹہلتے ہوئے محلّہ بجرڈیہا کے قریب چلا گیا، قریبی مسجد سے صلاۃ مغرب کی آواز کانوں میں پڑی اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے یہ مسجد بریلویوں کی تھی۔ آمین کی آواز سن کر وہ چونک پڑے اور سلام پھیرتے ہی کہنے لگے کہ تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے؟ میں نے جواب دیا کہ آپ کے موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو میں نماز پڑھنے کے لئے آ گیا۔ انھوں نے کہا تم نے دیکھا نہیں کہ دروازے پر کیا لکھا ہوا ہے ''مسجد اہل سنت والجماعت'' اور یہ بھی کہا کہ وہابیوں کی مسجد فلاں جگہ پر ہے وہاں جاؤ۔ چنانچہ مسجد اہل حدیث کو تلاش کرتا ہوا میں وہاں پہنچ گیا، اور اگلے ہفتے سے وہاں کا خطیب بن گیا۔

پھر ایک سال بعد میں مدرسہ فیض عام مئو میں حفظ وتجوید کی تکمیل کے لئے داخلہ لے لیا۔ وہاں پر مجھے استاذ محترم مفتی حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ کی شفقتیں حاصل رہی۔

سال کے آخر میں مجھے حفظ وتجوید کی سند ملی اور میں مدرسہ فیض عام کے ابتدائی درجات میں پڑھانے لگا۔اور پھر وہیں سے میں نے بطور خود اپنے کاغذات جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بھیج دیا، الحمدللہ آئندہ سال ہی جامعہ اسلامیہ میں داخل ہوگیا۔اور ۲۲؍جنوری ۱۹۷۸ء میں مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔الحمدللہ

جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ القرآن میں داخلہ لیا اور بحمد للہ کلیہ کے چاروں سال ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوا۔اور آخری سال میں اپنے ہم سبق ساتھیوں میں پہلی پوزیشن حاصل ہوئی۔اسی سال میرے بچے بھی میرے ساتھ رہے تھے۔اور کلیۃ القرآن سے فراغت کے بعد طالب مثالی کی سٹیفکیٹ اور بطور انعام کچھ کتابیں بھی ملیں۔اور پھر ماجستر میں بھی داخلہ ہوگیا۔

سنہ منہجیہ ختم کرنے کے بعد جامعہ کے قسم المخطوطات میں کام کرنے کا موقع ملا اور میری زندگی کا بہترین لمحہ تھا جب محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ مدینہ شریف کی زیارت حج کے موقع پر مکمل دس دن تک میرے کمرے میں میری اس کرسی پر بیٹھ کر تحقیق وتعلیق کا کام کر رہے تھے، جس کرسی پر بیٹھ کر میں مخطوطات کی فہرست بنا رہا تھا۔

احادیث نبویہ کی تحقیق کے سلسلے میں علامہ کے جہد مسلسل کا قصہ تو لوگوں سے سنا تھا لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مولانا دوام کے بالکل شروع میں آجاتے تھے اور دوام کے خاتمے تک تحقیق وتعلیق میں مشغول رہتے،اس بڑھاپے میں بھی عمان،اردن سے خود کار چلا کے آئے تھے،ایک دن میں نے پوچھا شیخ کار کون چلاتے ہیں؟ تو فرمایا شیخ۔

میں حضرت الشیخ سے جامعہ میں مل چکا تھا،اور آپ سے معانقہ بھی کر چکا تھا اسی دن شام کو ایک مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا۔تمام علماء شیخ سے معانقہ کر رہے تھے میں بھی

آگے بڑھا شیخ نے کہا ''تم تو معانقہ کر چکے ہو۔

سبحان اللہ! اتباع سنت کا اس قدر خیال حضرت شیخ کو جب معلوم ہوا کہ میں جامعہ ام القریٰ میں دکتورہ میں داخلہ چاہتا ہوں اور میں براہ راست شیخ سے توصیہ کے لئے نہ کہہ سکا، لیکن شیخ رحمہ اللہ کو جب کسی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ میں توصیہ کا طلبگار ہوں تو شیخ نے فرمایا ''میں اس طالب علم کو جانتا ہوں'' اور پھر انھوں نے جامعہ ام القریٰ کے مدیر کے نام ایک اچھا سا توصیہ لکھا اور میرا داخلہ بھی ہو گیا، مگر اوپر سے منظوری نہیں آئی، بعد میں معلوم ہوا کہ اسی میں بہتری تھی۔ (عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم)

جامعہ اسلامیہ میں میرے اساتذہ یہ ہیں:

- فضیلة الشیخ ابو بکر جابر الجزائری
- فضیلة الشیخ عبدالقادر شبیه الحمد
- فضیلة الدکتور علی محمد الطنطاوی (جو بعد میں مصر کے مفتی اور پھر جامعہ ازہر کے شیخ اکبر ہو گئے)
- دکتور اکرم ضیاء العمری
- دکتور محمد محمد سالم المحیسن
- فضیلة الشیخ شیخ القراء عبدالفتاح عبدالغنی القاضی
- فضیلة الشیخ القاری عبدالفتاح المرصفی
- فضیلة الشیخ القاری عبدالرافع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میں ماجستر کے بعد وزارة الشؤون الاسلامیه والدعوة والارشاد بالریاض کی طرف سے ۱۹۸۷ء میں ماہ فروری میں مبعوث ہو کر بحرین آ گیا۔ اور مرکز الدعوة والارشاد میں کام کے دوران ۲۰۰۱ء میں مجھے بحرین کی شہریت مل گئی۔ ہمارے بچوں کے تعلیمی مسائل انتہائی آسان ہو گئے۔ بحرین میں رہتے ہوئے

میں نے جامعه الزيتونه تيونس سے دکتورہ بھی کرلیا، رسالہ کا موضوع تھا" جهود العلماء الهند فی خدمة الكتاب والسنة فی القرن الرابع عشر الهجری"

رسالہ کی تبییض و مراجعه کا کام آخری مرحلہ میں ہے، ان شاء اللہ جلد ہی شائقین کے ہاتھوں پہنچ جائے گی۔

اسے اللہ کا فضل وکرم کہئے کہ جامعہ دارالحدیث کی شہادت فضیلت سے لے کر دکتورہ میں ممتاز نمبرات حاصل ہوئے۔

میں بحرین میں مرکز دعوۃ والارشاد کے ماتحت بحیثیت داعیہ کام کرتا رہا، یہاں تک کہ آخری چند سالوں میں مشرف الدعاۃ ہوگیا تھا۔ اوراب عمر کے لحاظ سے تعاقد ختم ہوگیا ہے۔فی الحال بحرین ہی میں مركز الفرقان لتوعية الجاليات کا مشرف ہوں اور امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دے رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دین قوی پر ثابت قدم رکھے اور مزید دین وملت کی خدمت کی توفیق بخشے۔آمین۔

عبداللہ عبدالحمید السعدی

بروز جمعہ ۱۲/نومبر ۲۰۲۱ء

۞۞۞

ڈاکٹر سعید احمد فیضی رحفظہ اللہ

(ریاستی امیر جماعت مہاراشٹر سے ایک خصوصی انٹرویو)

(تاریخ پیدائش: ۷رفروری ۱۹۵۲ء)

سوال نمبرا:۔آپ اپنا مکمل تعارف کرائیں۔

جواب نمبرا:۔میں سعید احمد فیضی ابن محمد خلیل سیٹھ ابن عبدالکریم

- تاریخ پیدائش: ۷ر۲ر۱۹۵۲ء
- گورنمنٹ ریکارڈ: ۱ر۶ر۱۹۵۱ء
- پرائمری تعلیم: میونسپل اسکول نمبر ۶، قلعہ
- ہائی اسکول: اے ٹی ٹی ہائی اسکول
- گیارہویں میٹرک ۱۹۶۸ء، مالیگاؤں سنٹر میں دوم نمبر، مسلمانوں میں اول نمبر۔
- انٹر سائنس: کے سی کالج، ممبئی
- MBBS اور MS جنرل سرجری، وی ایم میڈیکل کالج، شولا پور، ۱۹۸۰ء
- چیف میڈیکل آفیسر: سٹانہ روڈ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۱ء
- پرائیویٹ پریکٹس: نور ہاسپٹل: ۱۹۸۱ء تا حال
- ممبر: سینٹ Sent، پونہ یونیورسٹی
- ممبر، فیکلٹی آف میڈیسین پونہ یونیورسٹی
- فاؤنڈر ممبر: جامعہ محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی، منصورہ
- سکریٹری: طبیہ کالج، رکن اصلاح المساجد: ممبئی
- سکریٹری: اہل حدیث ویلفیئر سوسائٹی

۞ پریسڈنٹ: انجمن تہذیب الاخلاق سوسائٹی، تہذیب ہائی اسکول

۞ سرپرست: اقبال اسپورٹس کلب، قلعہ

۞ ۱۹۸۳ء والد صاحب کے انتقال کے بعد: ذمہ داری، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر

۞ رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

۞ رکن مجلس شوریٰ: مرکزی دارالعلوم الجامعۃ السلفیہ، بنارس

۞ رکن تاسیسی: توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ اور جامعۃ الامام بخاری کشن گنج، بہار

سوال نمبر۲:۔آپ طبی خدمات کب سے انجام دے رہے ہیں؟

جواب نمبر۲:۔ MBBS پاس ہونے کے بعد سے عملی طبی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ MS کی تعلیم کے دوران ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء تک میڈیکل کالج ہاسپٹل، شولا پور میں سرجری کی تقریباً تمام برانچوں میں بہت کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد مالیگاؤں میونسپل ہاسپٹل، سٹانہ روڈ میں ایک سال تک چیف میڈیکل آفیسر اور بعد میں کئی سال آنریری سرجن کے طور پر عوام کی خدمت کا موقع ملا۔ والد محترم مرحوم محمد خلیل سیٹھ نے ۱۹۸۱ء میں نور ہاسپٹل تعمیر کر کے میرے خوابوں کی تعبیر کو حقیقت کا روپ دیا۔ برسہا برس، مختلف اداروں کے میڈیکل کیمپس میں بھی اپنا فرض نبھایا۔

سوال نمبر۳:۔صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر ایک اہم ملی تنظیم ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ جماعتی سطح سے اسکول، کالج، دواخانہ، اسپتال، کمیونٹی سینٹرس یا اس طرح کی دیگر تعلیمی و فلاحی سرگرمیاں نظر نہیں آرہی ہیں؟

جواب نمبر۳:۔ جمعیت اہل حدیث بنیادی طور پر ایک مذہبی اور دینی تنظیم ہے اس کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق، سنت رسول پر عمل، شرک و بدعات کی نفی، مسلمانوں میں بیجا مروجہ رسوم کا خاتمہ اور مسلمانوں کو ایک سچے مومن کی شخصیت اختیار کرنے کی تحریک ہے۔ سماجی،

تعلیمی اور فلاحی سرگرمیاں جیسے کالج، دواخانہ اور کمیونٹی سنٹرس وغیرہ یہ اضافی سرگرمیاں کہیں کہیں انجام دی گئی ہیں۔ ویسے دیکھا جائے تو مہاراشٹر میں جماعت اہل حدیث بہت مختصر ہے، اس لئے اہل حدیث حضرات اپنے اپنے محلوں اور شہروں میں غیر اہل حدیث حضرات کے ساتھ مل کر فلاحی کاموں میں اپنا حق اور فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہنگامی حالات میں جیسے فساد، سیلاب، زلزلہ، ایکسیڈنٹ وغیرہ میں جمعیت صاحب استطاعت اور حسب حال اپنے طور پر مدد کرتی ہے جو کہ اخبارات کی زینت کم ہی بنتے ہیں۔ ویسے تعلیمی سرگرمیوں میں مہاراشٹر میں الجمعیة الخیریة کے تحت جامعہ محمدیہ منصورہ، مدرسہ، اسکول، کالج، طبیہ کالج، انجینئرنگ کالج، شہر مالیگاؤں میں سیٹھ محمد خلیل پری پرائمری، پرائمری اور ہائی اسکول، مومن پورہ ممبئی میں مولانا آزاد ہائی اسکول، پونہ پمپری میں المنار اسکول اور ہائی اسکول وغیرہ وغیرہ سماجی اور فلاحی خدمات کا بین ثبوت ہیں۔

سوال نمبر۴:۔ موجودہ ملکی اور شہری حالات میں مسلمانوں کو کس مسئلے پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

جواب نمبر۴:۔ موجودہ ملکی اور شہری حالات میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ تعلیم پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جب تعلیم عام ہوگی تو مسلم معاشرہ ہمہ جہت ترقی کرے گا اور جب خوشحالی آئے گی تو فلاحی کاموں میں مسلمان دوسروں سے بہت آگے رہیں گے۔ ان شاء اللہ اور پھر یقیناً دینی اور عصری تعلیم سے مسلکی اختلافات بھی کم ہوں گے اور اتحاد و اتفاق کی شکل پیدا ہوگی۔

سوال نمبر۵:۔ آپ ایک دعوتی اور رفاہی تنظیم (صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر) کے امیر ہیں۔ قارئین کو آپ بتائیں کہ دعوتی میدان میں صوبائی جمعیت کیا خدمات انجام دے رہی ہے؟

جواب نمبر۵:۔ دعوتی میدان میں جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر اپنی اکائیوں کے ذریعہ

مساجد کے قیام، مکاتب کے نظام، دروسِ قرآن وحدیث، نماز جمعہ کے خطبات اور دینی واصلاحی اجلاس اور کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعہ صحیح علم دین عام کرنے، مسلمانوں کو با عمل بنانے اور بچوں کی دینی تربیت کا فریضہ انجام دے رہی ہے، ساتھ ہی اپنے افاضل علمائے کرام کے ذریعہ ائمہ ودعاۃ کی تربیت کے پروگرام منعقد کرتے رہتی ہے۔

سوال نمبر ٦:۔ دعوتی سرگرمیاں، مسلمانوں تک ہی محدود رہنے کی وجہ سے برادران وطن میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے منفی سوچ پائی جارہی ہیں آپ کی اس تعلق سے کیا رائے ہے؟

جواب نمبر ٦:۔ دعوتی سرگرمیاں مسلمانوں تک ہی محدود رہنے کی کئی وجوہات ہیں، یقیناً اس ضمن میں کچھ کوتاہیاں ضرور ہیں، لیکن بعض وجوہات ایسی بھی ہیں جو اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ مثلاً مسلکی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں میں ہی دعوتی وتربیتی میدان کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور خود مسلمانوں میں گمراہیاں اور بے راہ روی اس قدر عام ہے کہ ان کی دینی واخلاقی اقدار پامال ہوچکی ہیں، اصل دین کے مقابلے میں ایک پیرلل دین (متوازی دین) نظر آنے لگا ہے، جس سے عام مسلمانوں کو بچانا اور آگاہ کرنا بے حد ضروری ہے، اس کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ بھی بنتی ہے کہ ہمارے ملک کی مذہبی اکثریت اپنے یہاں کی مذہبی اقلیتوں پر برتری رکھنے اور ان پر حکومت کرنے کے لئے اپنے مذہبی اقدار کو قومیت اور Nationalisme سے جوڑ رہی ہے اور اس طرح دین کی دعوت دینا، لوگوں کو عقیدۂ توحید اختیار کر کے اسلام کی طرف دعوت دینے کو ایک طرح سے جرم بنادیا گیا ہے اور کچھ قانون بھی اس طرح بنا دیئے گئے ہیں کہ مذہب بدلنے کی ترغیب دینے پر تعزیری احکامات ہیں کہ جس کی وجہ سے دیگر افراد کو دین کی دعوت دینے کی ہمت کچھ کم ہی لوگ کر پا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میدان یکسر خالی نہیں ہے اور اس میں بھی جمعیت مختلف انداز میں فریضہ ادا کررہی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے آپ بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ جب آپ ہی مدعی

اور آپ ہی منصف تو انصاف کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں کہ کیا کیا نہیں ہو سکتا۔
مسلمانوں کی اخلاقی، تعلیمی اور دینی حالت اتنی گری ہوئی ہے کہ ایک با حمیت مسلمان اسے اپنے لئے باعث شرم سمجھتا ہے اور دیگر مذاہب کے ماننے والے مسلمانوں کی اخلاقی حالت، شرکیات اور بدعات کو ہی اسلام سمجھتے ہیں، اصل اسلام کیا ہے؟ اس کا ادراک مسلمانوں میں بھی کم ہی لوگوں کو ہے، مسلمانوں کے تعلق سے منفی سوچ مسلمانوں کے اعمال و کردار کی وجہ سے ہے اور اسلام کے تعلق سے غیر مسلم حضرات کی منفی سوچ کا ذمہ دار خود مسلمان ہے۔ دعوتی میدان میں جو تھوڑی بہت کوششیں ہو رہی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے اعمال کی وجہ سے غیر مسلموں میں بے اثر ہو جاتی ہیں اور ان کے کردار و اعمال کو دیکھ کر ابنائے وطن اسلام قبول کرنے میں تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔
۞ زبان: یعنی Language بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ اردو زبان کو چھوڑ کر ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کم ہی دستیاب ہیں کہ غیر مسلم حضرات کتابوں سے ہی اسلام کی حقیقت اور تعلیم سے واقف ہو سکیں۔ جماعتی سطح پر دیگر ریاستوں کی علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم اور کچھ کتابیں ضرور شائع ہوئی ہیں، ہم نے مراٹھی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر شائع کی، اور احادیث میں بخاری ومسلم کے مجموعے اللولو والمرجان کو بھی مراٹھی میں منتقل کرنے کا کام جاری ہے۔اس کے باوجود یہ میدان بھی ہم سے بہت کچھ تقاضا کر رہا ہے۔
سوال نمبر ۷:۔ برادرانِ وطن میں اسلام کا تعارف کرانے کے لئے کس طرح کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں؟
جواب نمبر ۷:۔ کہیں بھی، کسی بھی جگہ آدمی کی اپنی شخصیت اس کے عقیدہ اور مذہب کا تعارف ہوتی ہے۔

وہ کام جو آدمی کا کردار کرے ہے
تحریر سے ممکن ہے نہ تقریر سے ممکن

اس لئے سب سے پہلے تو مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کا بھرپور علم ہونا چاہئے اور اسے ایک باعمل مسلمان ہونا چاہئے اور اس کے بعد ہم جن پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں ان کی مادری زبان میں تراجم قرآن شریف اور تفاسیر اور احادیث کی کتابیں اور دیگر اسلامی لٹریچر مہیا ہونا چاہئے۔

سوال نمبر ۸:۔ملت کی بے وزنی کا اہم سبب تعلیمی پسماندگی کو قرار دیا جاتا ہے۔اس مسئلے کے حل کے لئے جمعیت کی کیا سرگرمیاں چل رہی ہیں؟

جواب نمبر ۸:۔ملت کی بے وزنی کا سبب تعلیمی پسماندگی قرار دیا جاتا ہے اس سلسلے میں جمعیت دینی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب اور رہنمائی کا کام انجام دیتی ہے۔اگر آپ کا اشارہ عصری تعلیم کی طرف ہے تو اس میں ہماری اضافی کوششوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ عصری تعلیم کے لئے حکومت نے جو نظام اور سسٹم قائم کیا ہے ہمیں اس میں پوری طرح Involve ہونے کی ضرورت ہے۔سسٹم سے باہر ہو کر عصری اور دینی تعلیم کے نام پر اپنا الگ ہی نصاب بنا کر مسلمانوں کے دینی جذبات کا استحصال نہیں کرنا چاہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے ایسے لوگ کہ جنہیں تعلیم و تعلم کا کوئی شعور بھی نہیں ہے۔خوشنما ناموں کے اسکول کھول کر ایسے نصاب پر اسکول چلا رہے ہیں کہ بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سرکاری تعلیمی سسٹم سے خود کو مربوط رکھ کر اضافی محنت سے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کرنی چاہئے ہاں جو لوگ بچوں کو دینی عالم بنانا چاہتے ہیں ان کے لئے دینی تعلیم کے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔جیسا کہ میں نے کہا جماعت میں افراد کم ہی ہیں اور اس میں بھی اہل ثروت کم ہی ہیں اور چونکہ یہ ایک ملی مسئلہ ہے اس لئے مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر تمام ہی مسلمانوں کو مل کر عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے چاہئیں۔

سوال نمبر ۹:۔تعلیمی بیداری کے متعلق مستقبل کے عزائم کیا ہیں؟

جواب نمبر۹:۔ تعلیمی بیداری کے لئے دروسِ قرآن وحدیث، خطبات جمعہ اور کانفرنسوں میں تعلیم وتربیت کے موضوع پر تقریر کرکے لوگوں میں بیداری پیدا کرنا ضروری ہے۔

سوال نمبر۱۰:۔ مرکزی بیت المال کی عدم موجودگی ملت کی معاشی زبوں حالی کی بنیادی وجہ ہے! کیا ملی یا جماعتی بیت المال کا قیام ممکن ہے؟

جواب نمبر۱۰:۔ بہت مقامی اکائیاں مساجد میں بیت المال قائم کرکے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔اور یہ صرف جماعت اہل حدیث تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہاں مرکزی بیت المال، اسٹیٹ لیول یا کل ہند لیول پر بہت مشکل امر ہے اور اس کے لئے بہرحال جدوجہد کرنی چاہئے۔

سوال نمبر۱۱:۔ مختلف شخصیات اور بعض دفعہ سرکار اور بعض خفیہ ایجنسیوں کی جانب سے جمعیت اہل حدیث پر دہشت گردی کا الزام عائد کردیا جاتا ہے اس سنگین مسئلہ پر آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب نمبر۱۱:۔ جمعیت اہل حدیث کسی بھی طرح کی دہشت گردی سے پاک ہے اور وہ ہر طرح کی دہشت گردی کی مذمت کرتی ہے۔ جمعیت کے تعلق سے پوری معلومات نہ ہونے پر کچھ شخصیات سیاسی مخالفین پر بازی مارنے کے لئے اس ضمن میں غیر ذمہ دارانہ بیانات دے دیتے ہیں اور جہاں تک حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کا تعلق ہے وہ بھی اہل حدیث کے بارے میں کم ہی علم رکھتی ہیں۔ڈپارٹمنٹ کے افراد سے ہی معلوم ہوا کہ وہ نماز میں ہر سینہ پر ہاتھ باندھنے والے، آمین کہنے والے اور رفع یدین کرنے والے کو اہل حدیث گردانتے ہیں، جب انہیں بتایا گیا کہ ایسا کرنے والے افراد دوسرے مسلک میں بھی پائے جاتے ہیں اور انہیں منہج اہل حدیث سمجھایا گیا تو انھوں نے ہی قبول بھی کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث سے ان کا تعلق نہیں ہے۔لیکن جب وہ خود اہل حدیث کہتے ہیں تو ہم کیا کریں؟ پھر انھیں سمجھایا گیا کہ سیمی پر پابندی کے بعد چونکہ وہ خود کو سیمی کا رکن نہیں کہہ سکتے اس لئے خود اہل حدیث کہہ دیتے ہیں۔ایک امریکی ایجنسی کی تحقیق نے

مسلمانوں کو چار Category میں رکھا ہے(۱) سلفی Fundamentalist بنیاد پرست(۲) روایتی یعنی Traditionalist (۳) ترقی پسند(۴) سیکولرسٹ Secularsitاور انھوں نے سلفیوں کو اپنے مذہب اور کلچر کے لئے سب سے ناموافق اور خطرناک بتایا ہے اور اس لئے اہل حدیث دیگر تمام لوگوں کے نشانے پر ہیں۔

سوال نمبر۱۲:۔ ملی تنظیموں اور افراد کے درمیان دوری کے اسباب کیا ہیں؟ ذمہ داران اور افراد کے درمیان زمینی سطح پر کس طرح تال میل پیدا کیا جاسکتا ہے؟

جواب نمبر۱۲:۔ ذمہ داران اور افرادِ جماعت میں دوری کے اسباب (۱) شخصی اور خاندانی تنازعات (۲) علماء کی اَنا، حسد، آپسی چپقلش اور گروپ بندی (۳) اقتدار کی ہوس (۴) ذمہ داران اور دفتری نظام کا جمود (۵) متحرک ذمہ داران کے ہوتے ہوئے اہل حدیث عوام کی عدم دلچسپی۔

سوال نمبر۱۳:۔ طلباء اور نوجوان کسی بھی قوم کا نہ صرف سرمایہ بلکہ اس کا مستقبل بھی ہوتے ہیں، صوبائی جمعیت نے اپنے مستقبل کے تعلق سے کیا منصوبہ بندی کی ہے؟

جواب نمبر۱۳:۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، تعلیم وتربیت کا اوّلیت دی جارہی ہے اور اس کے لئے نوجوانوں کو متحرک کر کے جس کی جیسی صلاحیت ہے اس کے مطابق انہیں فراہم کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔

سوال نمبر۱۴:۔ مدارس کے فارغین کی ایک بڑی تعداد مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے بے سمتی کا شکار ہو جاتی ہے، دعوتی میدان سے ان کو جوڑنے کے لئے آپ کی کیا منصوبہ بندی ہے؟

جواب نمبر۱۴:۔ فارغین مدارس کے لئے جماعت کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں بلکہ جمعیت انھیں جمعہ کے خطبات اور دعوتی تربیتی پروگراموں میں مدعو کر کے عوام کو اکتساب فیض کے مواقع فراہم کرتی ہے، حفاظ کرام کے لئے نماز تراویح کی امامت کا نظم، رمضان المبارک میں دیگر دینی وفلاحی امور کی انجام دہی میں بعض علماء ومشائخ اعزازی طور پر بھی

خدمات انجام دیتے ہیں۔
سوال نمبر ۱۵:۔ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسے عالمی مبلغ کی تنظیم اوران پر عائد شدہ پابندیوں کے تعلق سے آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب نمبر ۱۵:۔ڈاکٹر ذاکر نائیک اوران کی تنظیم پر عائد شدہ پابندیوں کا ہم مذمت کرتے ہیں۔ یہ بھی جمہوریہ ہندوستان میں چند فرقہ پرست تنظیمیں عصبیت کی بنیاد پر اس قسم کے جارحانہ اقدامات پر حکومت کو مجبور کرتی ہیں اور مسلمانوں سے آزادی اظہار رائے حق کا چھیننا چاہتی ہیں۔ایک ڈاکٹر ذاکر نائیک پر پابندی لگا کر ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ آگے سب کے ساتھ یہ کیا جاسکتا ہے لیکن نادان پسِ دیوار حرف کو سمجھ نہیں رہے ہیں اور اس پابندی کو اپنے لئے خوش آئند سمجھ رہے ہیں۔
سوال نمبر ۱۶:۔ شام، اردن، عراق، حلب، لیبیا، فلسطین، ترکی، افغانستان و برما جیسے ممالک میں جاری جنگ و بمباری، دہشت گردی، خونریزی اور عام نہتے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیئے جانے کے باوجود مسلم ممالک اور حکمرانوں کی بے حسی وخاموشی پر آپ کا کیا کہنا ہے؟
جواب نمبر ۱۶:۔ عالم اسلام اور دیگر ممالک میں مسلم اقلیت پر جبر وظلم اور ایسے ہی مسلم حکمرانوں کی خاموشی ان کی بے بسی کا مظہر ہے۔اول تو یہ کہ ان میں اکثریت نام کے مسلمان ہیں۔ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔وہ سیاسی اقتدار کے بھوکے ہیں اور دیگر خیالات جیسے Communisem اور سوشلزم وغیرہ کے حامی ہیں۔دوسرے یہ کہ مسلم ممالک جغرافیائی سرحدوں کے مسائل میں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں۔تیسرے یہ کہ قبائلی، خاندانی، نسلی، مسلکی مسائل اور اختلافات خاص طور سے شیعہ سنی ایک بہت بڑا فیکٹر ہے۔روافض اپنی اسلام دشمنی میں اہل سنت والجماعت کا قتل عام کررہے ہیں اور یہود ونصاریٰ ان کی بھرپور مدد کررہے ہیں اور میڈیا اس سلسلے میں خاموش ہے۔غیر مسلم ممالک

میں بھی غیر مسلم حضرات کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں اور جیسا کہ بش نے نصرانی اور یہودی تھنک ٹینک کی ایماء پر کہہ بھی دیا کہ دنیا میں تمام لوگ مسلمانوں کے خلاف قدرتی اور فطری اتحادی ہیں۔"allies matual All we muslim against"۔

سوال نمبر ۱۷:۔ جماعت میں علماء اور واعظین سے متعلق آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب نمبر ۱۷:۔ جماعت میں علماء و واعظین کو چاہئے کہ پہلے اپنا خود کا تزکیہ نفس کریں۔ فرائض، سنن و نوافل کی پابندی کریں۔ اپنی شخصیت کو ایک سچے پکے باعمل مسلم کا روپ دیں۔ بُرے اخلاق اور قبیح عادات سے پرہیز کریں۔ اپنی زندگی میں ڈسپلن لائیں۔ انا، حسد، گروپ بندی اور چھوٹے بڑے ہونے کی باتوں کو بالائے طاق رکھ دیں اور جماعت میں اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی کوشش کریں۔ تقریروں سے بحث و جدال کا ماحول نہ پیدا کریں۔ اور عوام کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کے عروج کو زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو باتیں سمجھ کر اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سوال نمبر ۱۸:۔ آئندہ پانچ سالہ میقات کے لئے آپ کے پاس کیا منصوبے اور پلاننگ ہے؟

جواب نمبر ۱۸:۔ آئندہ پانچ سالہ میقات کے لئے منصوبے اور پلاننگ کے لئے مجلس عاملہ کی میٹنگ مستقبل قریب میں منعقد ہوگی۔ ان شاء اللہ

پیشکش: شہزاد اختر

ایڈیٹر میدان صحافت

M.9028166616

۞۞۞

الحاج محمد شکیل ابن محمد عباس خاں رحفظہ اللہ

(تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۵۳ء)

راقم: جلال الدین ابن محمد شکیل خاں محمدی

خاندانی اور علاقائی پس منظر:

میرے والد کا نام محمد شکیل ابن محمد عباس ابن ہمت ابن دیانت ابن لال ابن اگنو بن دلیل حسن ابن ضیاء الدری ابن ناصر ابن ہاشم خاں (شاہ سنگھ) ہے۔ پیدائش یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو پیکولیا مسلم میں ہوئی۔ زمین دار گھرانے سے تعلق ہے آبائی گاؤں پیکولیا مسلم ہے۔ یہ گاؤں ضلع بستی سے ۲۵رکلو میٹر دور پچھم کی سمت گور اسٹیشن کے پاس ہے اس گاؤں میں اکثریت اہل حدیثوں کی ہے۔ ہمارے خاندان کی جڑیں سابقہ فیض آباد ضلع کے ایک گاؤں کھڑک پور سے جڑی ہوئی ہیں جو اس وقت اکبر پور ضلع امبیڈکر نگر میں واقع ہے یہ ٹھاکروں کا گاؤں ہے اسی گاؤں میں دو بھائی شاہ سنگھ اور ساہس سنگھ رہتے تھے۔ شاہ سنگھ نے اسلام قبول کرکے اپنا نام ہاشم خاں رکھا اور پیکولیا مسلم میں سکونت اختیار کر لی اور ہم ان کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ گاؤں میں شاہ سنگھ کی نسل پر مشتمل کئی گھرانے آباد ہیں جب کہ دوسرے بھائی ساہس سنگھ نے گونڈہ کے اطراف میں کسی گاؤں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

شاہ سنگھ نے بے شک اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کی نسلوں کے افکار وعقائد میں شرک و بدعات کی آمیزش برقرار تھی، جس کی وجہ سے گاؤں میں تعزیے، محرم، عزاداری جیسے بہت سارے شرکیہ اعمال اسلام کی نسبت سے انجام دیئے جاتے تھے اور ہمارا گاؤں مذہبی حوالے سے خودساختہ رسومات پر عمل پیرا تھا لیکن پھر اللہ کی توفیق اور

مولانا یوسف فیض آبادی و مولانا ممتاز رحمانی رحمہم اللہ اور دیگر کچھ علمائے کرام کی دعوتی کوششوں سے اس گاؤں سے شرک و بدعات کا خاتمہ ہوگیا۔ اور بہت سارے کارشر جو عقیدت و محبت کے حوالے سے انجام دیئے جا رہے تھے۔ ان سب کا نام و نشان ختم ہو گیا۔ دادا کے وقت یا اس سے پہلے بھی ہمارے گھر میں دین داری کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ جمعہ کی نماز ادا کر لینا ہی دین کی مکمل تابعداری سمجھی جاتی تھی اگر چہ گھر میں پنجوقتہ نماز کا اہتمام نہیں تھا لیکن والد صاحب کی طبیعت بچپن سے ہی نماز کے لئے آمادہ رہتی تھی۔ اور اس معاملے میں مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ اور حافظ عبدالحمید رحمہ اللہ کی خاص شفقت اور رہنمائی بہت اہم ہے۔

عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ اگر چھوٹے بچے مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آتے ہیں تو بہت سارے مصلیان انھیں جھڑک اور ڈانٹ کر مسجد سے بھگا دیتے ہیں۔ جب کہ یہی بچے قوم کا مستقبل ہیں انھیں میں آنے والے وقت کے بہترین دماغ اور دعوتی امور کو انجام دینے والے بھی ہوتے ہیں اس لئے مولانا کا نقطہ نظر یہ تھا بچپن کی اچھی تربیت بچے کے اچھے مستقبل کی ضامن ہے۔ اسی لئے مولانا فرید رحمانی اور حافظ عبدالحمید رحمہم اللہ دیگر بچوں سمیت والد صاحب کو مسلسل نماز کی ترغیب اور دین کی بنیادی تعلیم دیا کرتے تھے تا کہ ہمارے گھر میں دین کے حوالے سے جو کمی اور خلاء ہے وہ پُر ہو جائے۔ مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ کی مشفقانہ تربیت و محبت نے نماز کی پابندی کے ساتھ دینی معاملات میں بھی دلچسپی پیدا کر دی۔ مولانا فکری تربیت کے لئے نہ صرف ابا کو اپنے ساتھ رکھتے بلکہ عملی مشق کے لئے کچھ چھوٹی ذمہ داریاں بھی سپرد کر دیتے۔

والد صاحب گیارہویں جماعت کے طالب علم تھے۔ غالباً ۱۹۶۹ء چل رہا تھا۔ مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ کے زیر نظامت ضلعی جمعیت بستی کا اجلاس پیکولیا میں منعقد ہوا جس میں اس وقت کے مشاہیر علمائے کرام شریک ہوئے۔ مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ کی

شخصیت تو خود ہی اہل علم میں معروف تھی۔لیکن مولانا نے اس جلسے کے لئے مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ،مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ،مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ،مولانا اداؤد راز رحمہ اللہ،مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ،مولانا امین ریاضی حفظہ اللہ سمیت دیگر علمائے کرام کو مدعو کیا تھا،اورابا کو ان سب کی خدمت کے لئے مامور کر رکھا تھا۔جس کی وجہ سے ان میں سے بعض علمائے کرام سے تاعمر مخلصانہ تعلقات باقی رہے۔اوروہ ہمیشہ اپنی شفقتوں سے نوازتے رہے۔مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ کی دعوت پر ایک ہفتہ ان کے یہاں قیام بھی رہا اور مولانا جب بھی ممبئ آتے ملاقات ضرور ہوتی،مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ سے بھی ممبئ آمد پر ملاقات ہوتی رہتی تھی،مولانا کی طبیعت میں بےانتہا سادگی تھی۔آپ کو جب بھی جلسے جلوس میں شرکت کی دعوت دی گئی آپ بغیر کسی ظاہری تکلف اور خاص لباس کے اہتمام کے بغیر ہی ساتھ میں نکل پڑتے۔

والد صاحب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ممبئ آگئے اور مہاراشٹرا کالج میں داخلہ ہوگیا لیکن تعلیم کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکا۔معاش کے سلسلے میں پہلے وڈالا میں ملازمت کی اس کے بعد ساکی ناکہ میں واقع ایک کپڑا مل میں سپروائزر کی حیثیت سے منسلک ہوگئے۔اور پھر ۱۹۷۶ء کے بعد جری مری میں رہائش کے ارادے سے بس گئے۔ اور تب سے اب تک یہیں مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں۔

۱۹۷۰ء کے آس پاس صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ کے قیام کی کوششیں اور افراد جماعت کی ممبر سازی کا کام شروع کیا گیا۔مولانا امین ریاضی حفظہ اللہ ممبر سازی کے لئے کافی فعال اور سرگرم تھے انھوں نے ممبئ واطراف کے علاقوں کا دورہ کرکے لوگوں کو جمعیت سے جوڑا۔جب ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں مومن پورہ کی جامع مسجد میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ کے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں لایا گیا تو مولانا مختار احمد

ندوی رحمہ اللہ پہلے امیر منتخب کئے گئے ۔اس وقت زمینی سطح پر مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ اور مولانا امین ریاضی حفظہ اللہ کافی سرگرم ومتحرک تھے۔ جری مری قیام کے بعد سب سے بڑا مسئلہ فرض نمازوں کی باجماعت ادائیگی کا درپیش ہوا کیونکہ یہاں کوئی اہل حدیث مسجد تھی نہیں، علاقے کی کنتھاریہ بلڈنگ میں حنفی امام کے پیچھے نماز ادا کی جاتی تھی۔ والد صاحب کو یہ خیال آیا کہ یہاں پر جماعت کی مسجد ہونی چاہئے ۔اس خیال کو پورا کرنے کیلئے ہم خیال لوگوں کی سخت ضرورت تھی، لیکن یہاں پر جماعتی افراد کا آپس میں نہ کوئی تعارف تھا اور نہ ہی تعارف کا کوئی ذریعہ۔ کنتھاریہ گراؤنڈ میں اکا دکا اہل حدیث نمازی نظر آجاتے تھے۔

اسی درمیان محلے میں ہی رہنے والے جناب اعجاز صاحب مرحوم کے بیٹے کا انتقال ہوگیا اور نماز جنازہ مولانا شہاب الدین مکی مجاہد رحمہ اللہ کی امامت میں ادا کی گئی والد صاحب کو ان سے ملاقات کر کے کافی خوشی ہوئی جماعتی امور اور مسائل کے سلسلے میں گفتگو شروع ہوئی اور جماعت سازی ومسجد کے قیام کے سلسلے میں بھی بات چیت ہوئی۔

جس پر مولانا نے کہا کہ تنظیم سازی کے سلسلے میں کئی ناکام کوششیں ہوچکی ہیں، مسجد کا معاملہ بھی زیر غور رہا ہے لیکن اب تک کوئی ترکیب کارگر نہ ہوسکی ہے۔ جناب محمد یعقوب صاحب مرحوم (پائپ والے) علاقے کی معروف شخصیت تھے مسلکی حمیت اور دعوتی جذبے سے بھرپور تھے دوران نماز بھی احناف کے درمیان مسلکی شان برقرار رکھا کرتے تھے۔ مولانا صاحب کے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ مولانا کے ذریعہ والد صاحب بھی ان سے مل چکے تھے۔ اس لئے ابا نے مولانا شہاب الدین مجاہد رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ محمد یعقوب صاحب مرحوم سے کہیں کہ وہ اپنی دوکان میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دے دیں۔ مولانا نے ان سے بات کی اور انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ جس وجہ سے ان کی دوکان میں لکڑی کا منزلہ بنا کر اس پر نماز ادا کی جانے لگی۔

یوں عارضی ہی سہی لیکن باجماعت نماز کا نظم ہو گیا۔ جماعتی افراد جو یہاں وہاں منتشر تھے ایک ٹیم کی شکل میں اکٹھا ہونے لگے۔

تقریباً چار سالوں تک جمعہ و جماعت کے علاوہ مکتب کی تعلیم بھی یہیں دی جاتی رہی۔ ابا، مولانا، جناب محمد یعقوب صاحب مرحوم، جناب شبیر احمد صاحب مرحوم عبدالنعیم خاں اور عبدالوحید خاں اور دیگر لوگ اس عرصے میں مستقل مسجد کے قیام کے لئے کوشاں رہے۔ اور ان سب کی محنتوں کے نتیجے میں جری مری علاقے کی پہلی مسجد میں قیام کے لئے بیس بائی بیس کی ایک جگہ خرید لی گئی اور پھر دھیرے دھیرے اسے وسعت دی گئی آج یہ سہ منزلہ عالیشان مسجد کی شکل میں موجود ہے۔ جس میں باضابطہ مکتب کی تعلیم دی جاتی ہے، اس مکتب سے تعلیم حاصل کرنے والے کچھ طلباء مدارس سے فراغت کے بعد دعوتی کام سے جڑے ہوئے ہیں، بیت المال کا نظام قائم ہے جس کے ذریعہ مستحقین کی مدد کی جاتی ہے دروس اور اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان ساری کوششوں کی وجہ سے علاقے میں جماعت اہل حدیث کی بنیادیں خوب مستحکم ہوئی ہیں۔ دعوتی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر کئی لوگوں نے سلفیت کو قبول بھی کیا۔ مسجد کے زیر اہتمام ہونے والے کئی اجلاس میں مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے اور پھر مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے ابا کی کئی ملاقاتیں ہوتی رہیں مولانا کی خصوصی دعوت پر سنابل اور اس کی اداروں کی زیارت کا شرف حاصل ہوا مولانا اپنی ممبئی آمد پر والد صاحب سے ملاقات کے لئے ضرور وقت نکال لیا کرتے تھے۔ مسجد ٹرسٹ کے رجسٹریشن کی ابتداء میں مولانا شہاب الدین مجاہد مکی رحمہ اللہ کو صدر منتخب کیا گیا (مولانا شہاب الدین بن عظیم اللہ مجاہد مکی رحمہ اللہ سدھارتھ نگر کے گاؤں بکینہاں خالصہ میں پیدا ہوئے مولانا کی ولادت ۱۹۴۸ء میں ہوئی جامعہ فیض عام سے فراغت ہوئی اور ام القریٰ مکہ میں مزید تعلیم حاصل کی، شیخ ابن باز رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کے

دروس سے بھی استفادہ کیا تھا مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ آخری عمر تک داعیانہ زندگی گذاری۔ میراث پر بطور خاص تقریر کرتے تھے عمر کے آخری ایام تک والد صاحب سے گفتگو اور مشورے ہوتے رہے۔ مقامی جمعیت اہل حدیث جری مری کے قیام میں ان کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ ۱۵ر دسمبر ۲۰۲۰ء کو الہ آباد میں ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے) والد صاحب کو پہلے خازن بنایا گیا۔ لیکن عملی سرگرمیوں کی بناء پر پھر آپ کو ناظم منتخب کرلیا گیا۔ عمر کی زیادتی وضعف کی وجہ سے اس وقت نظامت کی عملی ذمے داری محمد فاروق محمد یعقوب صاحب کے سپرد ہے۔ مسجد کے قیام کے بعد مقامی جمعیت کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اس میں بھی والد صاحب بحیثیت ناظم منتخب کئے گئے تھے۔ جس کی بناء پر آپ کا صوبائی جمعیت کی مشاورتی میٹنگ میں آنا جانا شروع ہوگیا۔ اور صوبائی جمعیت ومختلف مقامی جمعیتوں کے ذمہ داران سے تعارف اور شناسائی ہونے لگی۔

۱۹۹۰ء کے بعد صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی میں قیادت و دیگر تنظیمی معاملات نے آپسی انتشار کی شکل اختیار کر لی اور صوبائی جمعیت دھڑے بندی کا شکار ہو گئی۔ ایک گروہ کی قیادت وصدارت مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ کے ہاتھوں میں تھی تو دوسرے گروہ کی صدارت مولانا امین ریاضی حفظہ اللہ کررہے تھے۔ والد صاحب کو مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ نے بذات خود اپنے گروہ میں شامل کررکھا تھا۔ جماعتی انتشار کی وجہ سے احباب جماعت کافی فکر مند تھے۔ وہ اس انتشار کا خاتمہ چاہتے تھے۔ معاملہ مرکزی جمعیت کے سامنے بھی پیش ہوا۔ وہاں سے ناظم مرکزی جمعیت مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ ممبئی آئے۔ اور انھوں نے مولانا امین ریاضی حفظہ اللہ کے گروہ کو اصل صوبائی جمعیت قرار دیتے ہوئے مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ اور ان کے گروہ کو نہ صرف معزول قرار دیا بلکہ ترجمان میں ان کے پورے گروہ کو جماعت سے خارج کرنے کا اعلان بھی

شائع کرایا اس فہرست میں والد صاحب بھی شامل تھے۔ اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا کہ یہ کسی سیاسی جماعت کا پلیٹ فارم ہے۔ جہاں اپنی مرضی اور منشاء سے سرٹیفکیٹ جاری کئے جا رہے تھے کہ کون اہل حدیث ہے؟ اور کون جماعت سے خارج؟۔ سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا یہ جاہلانہ طرز کبھی کبھار ابھی بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔

ممبئی کے جماعتی احباب اس صورت حال سے خوش نہ تھے اس لئے ایک ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل دی گئی جس میں جناب عبدالعزیز صاحب، جناب بابو بھائی، جناب عبدالوہاب تاشقند صاحب، والد صاحب مولانا احسان اللہ صاحب پتر اوالے اور دیگر کچھ احباب تھے جنھیں یہ ذمہ داری دی گئی کہ موجودہ دونوں گروہ ختم کر کے نئے سرے سے جماعت کا انتخاب کرایا جائے تاکہ جماعتی انتشار کا خاتمہ ہو سکے۔ والد صاحب و مولانا رفیق اجمل حفظہ اللہ (کوٹ والے) پر مشتمل تین لوگوں کی ایک اور کمیٹی تشکیل دی گئی جنھیں مرکز کے ذریعہ صوبائی جمعیت قرار پانے والوں کا حساب لینے کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ طویل اور صبر آزما کوششوں، کافی محنت و مشقت اور جماعتی حلقوں کی ازسر نو تنظیم سازی کے بعد ۲۰۰۱ء میں جماعت کا انتخاب ہوا۔ جس میں مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ امیر منتخب کئے گئے۔ اور والد صاحب کو صوبائی جمعیت کا نائب ناظم منتخب کیا گیا۔ آپ دو تین سالوں تک فعال رکن کی حیثیت سے اس ذمہ داری سے جڑے رہے لیکن دو تین سالوں کی مسلسل کوشش اور بات چیت کے بعد بھی اسکول، اسپتال جیسی بنیادی ضروریات کو جماعت کے ایجنڈے کا حصہ نہ بنا پانے پر جماعتی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

ممبئی میں مستقل قیام کے باوجود گاؤں کے تعلیمی اور رفاہی مسائل شروع سے ہی آپ کے ذہن و دماغ تھے۔ اس لئے بمبئی میں رہنے والے گاؤں کے لوگوں کی اولین میٹنگ رے روڈ میں منعقد کی جاتی رہی اور بعد میں یہ جامعۃ الرشاد کرلا میں ہونے لگیں۔

رفاہی و تعلیمی معاملات میں دلچسپی لینے والے لوگ ان میں شامل ہوا کرتے تھے۔
۷۶۔۷۷ء میں جناب عبدالحکیم خاں صاحب مرحوم، جناب انیس صاحب مرحوم، ماسٹر محمد حنیف خاں صاحب مرحوم، جناب اختر حسین خاں صاحب اور دیگر لوگوں پر مشتمل امداد کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا والد صاحب اس کمیٹی کے ناظم بنائے گئے۔ کمیٹی میں ماہانہ تعاون دیا جاتا تھا تاکہ مستحقین کی امداد اور تعلیمی مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اس کمیٹی کے ذریعہ گاؤں کی عیدگاہ کی توسیع کا کام کیا گیا کمیٹی کے صدر جناب عبدالحکیم خاں صاحب کی خواہش تھی کہ وہ اکیلے ہی اس کار خیر کا انجام دیں لیکن آپسی مشورے کے بعد ان کے خصوصی اور گاؤں والوں کے عمومی تعاون سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ گاؤں کے مدرسے میں لڑکیاں اطمینان سے اپنی پڑھائی کر سکیں۔ اس لئے کمیٹی کی جانب سے لڑکوں کی تعلیم کے لئے گاؤں سے باہر مدرسہ کی تعمیر کروائی گئی، اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی لوگوں نے اپنی جگہیں مدرسہ کے لئے وقف کر دیں تھیں۔ جامعہ اصلاح المسلمین کی مسجد کی تعمیر کے لئے اس وقت کمیٹی کی جانب سے دس ہزار کا تعاون دیا گیا۔ اور پھر ناظم جامعہ مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے ادارے اصلاح المساجد کے خصوصی تعاون سے اس مسجد کی تعمیر کروائی۔

آپس میں تال میل کی کمی اور مستحقین کی جانب سے قرض کی عدم ادائیگی جیسی وجوہات کی بناء پر یہ کمیٹی بند ہوگئی کمیٹی بند ہو جانے کے بعد اس میں جمع شدہ بقیہ رقم مسجد میں دے دی گئی۔ اس کے بعد جب دوبارہ لوگوں کا تعاون شروع ہوا تو اصلاح کمیٹی کے نام سے دوسرا ٹرسٹ بنایا گیا اس میں بھی ناظم والد صاحب ہی تھے۔ ۱۹۹۴ء مولانا فرید رحمانی رحمہ اللہ کو نظامت سے معزول کر کے ایک نئی کمیٹی نے جامعہ و دیگر اداروں کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی لیکن یہ کمیٹی تعلیمی انتظام و انصرام کے معاملے میں ناکام رہی اور گاؤں میں مخالفت ہونے لگی۔ انتشار خلفشار بڑھتا دیکھ اصلاح کمیٹی کے ذمہ

داران نے انتظامیہ سے جامعہ کے اخراجات کا حساب طلب کیا، جس پر ذمہ داران نے استعفیٰ دے دیا۔ اور اصلاح کمیٹی نے جامعہ و اسکول اور دیگر اداروں کا نظم ونسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پھر اس کمیٹی کو اصلاح ویلفیر چیریٹیبل ٹرسٹ کے نام سے ۲۰۰۵ء میں از سرنو رجسٹرڈ کرایا گیا، جس میں جناب طارق خاں صاحب، جناب الیاس خاں صاحب، جناب ماسٹر عبدالمتین خاں صاحب، جناب اختر حسین خاں صاحب، جناب انیس صاحب وغیرہ ذمہ دار منتخب ہوئے اور والد صاحب بحیثیت ناظم چنے گئے۔ اس کمیٹی کے بیشتر ذمہ داران ممبئی میں اپنے اپنے علاقے میں واقع اہل حدیث مساجد کے بھی ذمہ داران ہیں۔ اور بھر پور سماجی و رفاہی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔

اس کمیٹی کی جانب سے گاؤں کی قدیم مسجد کو شہید کر کے از سرنو عالی شان مسجد کی تعمیر عمل میں لائی گئی (اس مسجد کی تعمیر ثانی کا سنگ بنیاد مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کے ہاتھوں رکھا گیا) جونیر ہائی اسکول کی منظوری حاصل کی گئی، شعبہ حفظ کا قیام ہوا۔ جامعہ کی اراضی کے حصول کے سلسلے میں جو قانونی دشواریاں آچکی تھیں ان کا ازالہ کیا گیا۔ جامعہ اصلاح المسلمین میں تعمیراتی کام کئے گئے، گاؤں کے مکتب میں تعمیراتی کام ہوئے، باغ میں مسجد کی درستگی کا کام ہوا، مولانا آزاد تعلیمی فاؤنڈیشن کے تعاون سے تین کمرے تعمیر کرائے گئے۔ والد صاحب لمبے عرصہ سے اس ٹرسٹ کی نظامت سنبھال رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی ٹیم بھی ان کاموں کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے۔ ممبئی اور گاؤں کی لمبی مسافت کی وجہ سے بہت سارے کاموں کی تکمیل مشکل ہو جاتی ہے، لیکن مستقبل کے حوالے سے بہت سارے منصوبے زیر ترتیب ہیں اللہ ان کی آسانی کی سبیل پیدا فرمائے۔

(۱) جامع مسجد کے جنوبی سمت میں خواتین کے لئے مسجد کی تعمیر (۲) جامعہ کے کمروں کی صاف صفائی اور درستگی (۳) جامعہ کی مسجد اور اس کے سامنے کے کمروں پر

مشتمل نئے احاطے کی تعمیر جس میں صرف درجہ پنجم تک کی تعلیم کا نظم ہوگا۔(۴) شمالی سمت میں نئے احاطے کی تعمیر جس میں درجہ ششم تا بارہویں تک کی تعلیم کا نظم ہوگا(۵) جامعہ کی مسجد از سرنو درستگی اور تزئین کاری کا کام کرنا(۶) آئی ٹی آئی (جاب اورینٹڈ ٹیکنیکل کورسیس) اور دیگر تعلیمی اداروں کی قیام کی کوشش کرنا۔(۷) دسویں اور بارہویں کی تعلیم کی سرکاری سطح پر منظوری حاصل کرنا۔(۸) فنڈ کی دستیابی کی صورت میں جامعہ کے احاطے کی حدود بندی کرانا۔ دیگر رفاہی کاموں کے بارے میں حسب مشورہ منصوبے ترتیب دے کر انھیں انجام دینے کی کوشش کرتے رہنا۔

والد صاحب کو اچھی ٹیم ملی لوگوں کا تعاون ملا جس کی وجہ سے کچھ کام ہو سکے اور کچھ ابھی تک خواب ہی ہیں جن کی تعبیر نہیں مل پائی ہے۔ اسباب ووسائل کی تلاش جاری ہے۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے مشکلات میں کئی گنا کا اضافہ ہو چکا ہے اہل خیر بھی معاشی طور سے پریشان ہیں تعاون کا سلسلہ رکا ہوا ہے اللہ سب کے لئے آسانی پیدا کرے۔ اب تک کی زندگی کا جو سفر رہا ہے اس میں جو بھی کوششیں اور کام ہوئے ہیں اللہ انھیں قبول کرے اور جتنے بھی احباب نے تعاون وساتھ دیا اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ اور انھیں ہمارا توشہ آخرت بنادے آمین۔

مطالعہ و کتب بینی: والد صاحب نے اگر چہ دینی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے لیکن آپ کو دینی علوم کی تحصیل کا خصوصی شغف رہا ہے، علمائے کرام کی مجلسوں میں شرکت کے علاوہ آپ نے بالخصوص قرآن فہمی کے لئے کافی مطالعہ کیا ہے قرآن کی اردو تفاسیر جیسے کہ ترجمہ ثنائی، احسن البیان، ترجمان القرآن، معارف القرآن، تفسیر ابن کثیر مترجم، تفہیم القرآن ودیگر اردو تفاسیر کو آپ کئی بار پڑھ چکے ہیں۔ کتب احادیث کے تراجم اور احکام ومسائل پر مشتمل کئی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہی ہیں قرآن کریم کے کئی پاروں کی تلاوت کئی سالوں سے روزانہ کا معمول بنا ہوا ہے۔

نسبی حالات :والد صاحب کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی دیرپا نہ ہوئی۔اس شادی سے فاطمہ خاتون نامی ایک بیٹی ہے۔دوسری شادی سے ایک بیٹی اور چھ بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام عائشہ خاتون ہے۔بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) جلال الدین خاں محمدی (۲) صلاح الدین خاں (۳) زین العابدین خاں

(۴) حافظ محمد ضیاء الدین خاں فیضی (۵) نور الدین خاں (۶) سراج الدین خاں

دو بیٹے مدرسے سے فارغ ہیں اور سارے ہی بیٹوں نے کم از کم گریجویشن تک تعلیم حاصل کی ہے۔سب کی شادیاں ہو چکی ہیں ۔سب برسر روزگار ہیں جبکہ جلال الدین محمدی پچھلے سترہ سالوں سے مسجد اہل حدیث وائرگلی کرلا میں امامت وخطابت کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہ مضمون والد صاحب کی یادداشت کے سہارے قلم بند کیا گیا ہے اور انھوں نے یہ گذارش کی ہے کہ اگر کسی کا نام یا اس کے کام وتعاون کا ذکر چھوٹ گیا ہو یا کسی واقعے میں کمی زیادتی ہوگئی ہو تو اسے ان کے ضعف وسہو پر محمول مان کر انھیں معاف فرمائیں۔والد صاحب اس سلسلہ میں پیشگی معذرت پیش کرتے ہیں۔

راقم جلال الدین ابن محمد شکیل خاں محمدی

جری مری کرلا ممبئی

بروز پیر ۲۰؍ستمبر ۲۰۲۱ء

۞۞۞

ڈاکٹر افروز طالب صاحب رحفظہ اللہ

(تاریخ پیدائش:۱۳/دسمبر ۱۹۶۷ء)

ازقلم:عبدالرؤف خاں ندوی

ڈاکٹر افروز طالب کی ولادت تلسی پور، ضلع بلرام پور کے ایک علمی وادبی خانوادے میں ۱۳/دسمبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی، ان کے والد مرحوم محمد طالب صاحب علمی، ادبی، رفاہی نیز سماجی حلقوں میں نمایاں پہچان رکھتے تھے۔

ڈاکٹر افروز طالب نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کیا اس کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس سے تعلیم حاصل کی بعدازاں سلفیہ یونانی میڈیکل کالج اینڈ ہاسپٹل دربھنگہ سے بی، یو، ایم، ایس کی ڈگری حاصل کی اس کے علاوہ ڈی، این، وائی، ایس اور ایم، ڈی (ای، ایچ) بھی کر کے ایک مستند اور رجسٹرڈ معالج کے بطور اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تعلیم سے دلچسپی کے باعث ایم، اے ہندی (اودھ یونیورسٹی) سے نیز آیورویدک رتن، ساہتیہ رتن، پتر کارتا ایوم جن سنچار وشارد (ہندی ساہتیہ سمیلن الہ آباد) اور ادیب کامل ومعلم اردو (جامعہ اردو علی گڈھ) سے کیا۔

گھر کا ماحول ادبی ہونے کی وجہ سے شعر وسخن سے بھی یاری ہوگئی اور ۱۹۹۰ء سے باقاعدہ اشعار کہنے لگے اور مشاعروں نیز دیگر ادبی، ملی، دینی وثقافتی پروگراموں میں شرکت کرنے لگے۔

ان کی شاعری میں حالات کی عکاسی اور قوم وملت کا درد نمایاں طور سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔نمونہ کلام نذر قارئین ہے:

جسے دیکھ کر لرزتا تھا یہ کل تلک زمانہ
ہمیں پھر سے دے دے یارب وہ صفات مومنانہ
اعمال صالحہ سے ملا تھا عروج ہم کو
اعمال بد ہوئے تو ہمیں بن گئے فسانہ
کہیں فقہ کے مسائل کہیں مسلکوں کے جھگڑے
اسلام بن رہا ہے تنقید کا نشانہ

بمباری مساجد پہ اور گولیاں سینوں پر
ہر ظلم روا رکھا غزہ کے مکینوں پر
نبیوں کی جو دھرتی ہے سجدے کو ترستی ہے
سنگینوں کے سائے ہیں پہرا ہے جبینوں پر

سچائی پر جھوٹ کا پردہ کب تک ڈالا جائے گا
سانپ کو آخر دودھ پلا کر کب تک پالا جائے گا
وقت نے کروٹ بدلی ہے اب مظلوموں کی باری ہے
ظالم تیرا سر نیزے پر اب تو اچھالا جائے گا

تشنگی بڑھ کر ہمارے جب جواں ہو جائے گی
خودندی ان ریگزاروں میں رواں ہو جائے گی
گنگ ہو ہی جائیں گی سب کی زبانیں ایک دن
یہ ہماری خامشی جس دن زباں ہو جائے گی

شاعری کے علاوہ ان کے نثری مضامین بھی مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں نیز آکاش وانی، دوردرشن سمیت دیگر الیکٹرانک چینلوں سے بھی ان کے پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر افروز طالب صاحب جہاں بطور معالج خدمت خلق انجام دے رہے ہیں وہیں وہ اپنے قلم کے ذریعے بھی ملک وملت کی خدمت کررہے ہیں، بطور صحافی اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا اور ہندی روزنامہ آج میں تقریباً ۲۰/سالوں تک اپنی خدمات پیش کیں، کئی ہفت روزہ اخبارات کے مدیر اور نائب مدیر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔آج بھی وہ کئی اخبارات اور رسائل نیز الیکٹرانک میڈیا سے بھی وابستہ ہیں، مذہبی ثقافتی اور سیاسی امور میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔

ڈاکٹرافروز طالب:موبائل نمبر 9450515673
6387446001

پتہ:

طالب کلینک تاتارپور جامع مسجد علی گنج لکھنؤ
طالب کلینک نئی بازار بلرامپور روڈ تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی
(صرف اتوار)

۞۞۞

فضیلۃ الشیخ رشیم احمد عبدالحلیم مدنی رحفظہ اللہ

سرپرست دارالخیر فاؤنڈیشن ممبرا ممبئی

(تاریخ پیدائش: ۲۷رجولائی ۱۹۷۳ء)

فضیلۃ الشیخ شمیم احمد عبدالحلیم مدنی حفظہ اللہ عقیدہ وعمل میں مسلک سلف کے پیروکاراور عامل بالکتاب والسنہ ہیں، دینی غیرت، سلفی حمیّت اور منہج سلف سے عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہیں آپ کی عملی زندگی آپ کی دینی حمیت اور عقیدہ وایمان کے طہارت کی بیّن دلیل ہیں۔

ہمارے فاضل دوست کی زندگی تحریک وعمل اور محبت واخلاص سے بھرپور زندگی ہے سچائی اور وفاداری امانت ودیانت کے ساتھ تواضع اور خاکساری آپ کا شیوہ ہے اسی کے ساتھ آپ اخلاق عالیہ اور خصائل حمیدہ میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں، خندہ پیشانی سے ملنا آپ کی طینت ہے بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا نمایاں وصف ہے آپ مہمان نواز ہیں بلکہ مہمانوں اورعزیز واقارب کا اپنے دادا حاجی مہندی حسن اور اپنے والد محترم جناب عبدالحلیم خاں رحمہم اللہ کی طرح خاص خیال رکھتے ہیں نیز اپنے دادا اور والد کی طرح خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اپنے سارے اساتذہ کرام کا بہت عزت واحترام کرتے ہیں آج اچھے اچھوں کو دیکھا گیا ہے کہ ذرا آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیت دی تو اپنے ابتدائی اساتذہ کو خاطر میں نہیں لاتے مگر ہمارے فاضل دوست اس گھٹیا صفت سے کوسوں دور ہیں اور اپنے سارے اساتذہ کے ساتھ بڑی سعادت مندی سے پیش آتے ہیں۔

مولانا مدنی حفظہ اللہ نے ۲۰۱۴ء میں بعض احباب واخوان اور مخلصین کے مشورے پر ''دارالخیر فاونڈیشن کے نام سے، دعوتی، تبلیغی، نشرواشاعتی اور رفاہی ادارے کا قیام عمل میں لایا جس کی چند سرگرمیاں یہ ہیں۔ دیہی علاقوں میں خطبات جمعہ کی ترتیب اور خطباء کی کفالت،

ماہانہ تربیتی واصلاحی پروگرام کا انعقاد، خواتین کے پندرہ روزہ درس کا اہتمام، نادار یتیم بچوں اور بچیوں کی تعلیمی کفالت، موسم حج کی آمد پر حجاج کرام کے لئے تربیتی کیمپ کا انعقاد، آسمانی آفات ومصائب سے متاثرین افراد کے لئے فوری طور پر ریلیف کا اہتمام، اردو و ہندی میں دینی کتابوں اور پمفلٹ ولٹریچر کی طباعت ومفت تقسیم، ماہ رمضان المبارک کی آمد پر ایتام وارامل اورفقراء ومساکین کے مابین مفت راشن کٹ کی تقسیم وتوزیع اور خاص کر لاک ڈاؤن کے دور میں حتی المکان غریب غرباء میں مثالی راشن کٹ تقسیم کرنا، بیوہ کی کفالت وغیرہ وغیرہ تفصیل کے لئے درج ذیل مضمون ملاحظہ فرمائیں ہمارے فاضل دوست نے جو دعوتی وتبلیغی، رفاہی اور عظیم الشان عمل انجام دیا ہے اور دے رہے ہیں وہ قابل صد ستائش اور زرّیں حروف سے لکھنے کے قابل ہے، میں شیخ شمیم احمد مدنی حفظہ اللہ کی ان تمام خدمات کو سلام پیش کرتا ہوں اور دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت، علم ،عمل، ہمت میں برکت دے اور انھیں اپنے مقصد عزیز میں کامیاب وکامران فرمائے اوران کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آمین تقبل یارب العالمین ۔(عبدالرؤف خاں ندوی)

نام و نسب: شمیم احمد بن عبدالحلیم بن مہدی حسن بن ناصر خاں

تاریخ پیدائش: ۲۷؍جولائی ۱۹۷۳ء موضع پرسا (گینسڑی بازار) بلرام پور یوپی

ابتــدائی تعلیم: مدرسہ عربیہ انوار العلوم سنگھ موہانی بلرام پور یوپی۔ درجہ طفلاں سے پنجم تک۔

درجہ ادنیٰ: مدرسہ زینت العلوم سمرہن کلاں، بلرام پور، یوپی۔

جماعت اولیٰ: مدرسہ عربیہ شمس العلوم سمرا، جھکہیا، سدھارتھ نگر، یوپی

جماعت ثانیہ تا فضیلت: ۱۹۸۷ء تا ۱۹۹۴ء جامعہ سلفیہ بنارس۔

سن فراغت : جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۹۴ء۔

اساتذہ کرام : ہندوستان میں زیر تعلیم رہتے ہوئے:

۞ شیخ الجامعہ عبدالوحید رحمانی رحمہ اللہ ۞ شیخ عبدالمبین منظر رحمہ اللہ
۞ شیخ مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ ۞ شیخ عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ
۞ دکتور رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری رحمہ اللہ
۞ شیخ علی حسین سلفی رحمہ اللہ ۞ شیخ عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ
۞ شیخ نعیم الدین مدنی رحمہ اللہ ۞ شیخ اصغر علی امام مہدی حفظہ اللہ
۞ شیخ محمد حنیف مدنی رحمہ اللہ ۞ شیخ صغیر احمد سلفی (سمرا) رحمہ اللہ
۞ شیخ نذیر احمد سلفی حفظہ اللہ ۞ شیخ عبدالرحیم امینی حفظہ اللہ
۞ شیخ نظام الدین (اونرہوی) حفظہ اللہ ۞ شیخ مقبول احمد قاسمی حفظہ اللہ
۞ جناب ماسٹر احمد حسین صاحب (بستی) ۞ جناب ماسٹر شاہ عالم صاحب (چورسیا)
۞ ماسٹر علی حسن صاحب گینسڑی وغیرہم

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد ۱۹۹۴ء کے اواخر میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زانوئے تلمذتہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔ الحمدللہ

ایک سال شعبہ عربی میں گذارا، پھر ۱۹۹۶ء میں مطلوبہ کلیہ میں داخلہ ہوا، ۲۰۰۱ء میں کلیۃ اصول الدین سے ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام: دوران تعلیم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ:

۞ شیخ عبدالمحسن العباد البدر ۞ شیخ محمد بن ھادی المدخلی
۞ شیخ عبد الرحمن الشبل ۞ شیخ عبدالوھاب العقیل
۞ شیخ محمد منیف ۞ شیخ محمد المرعی
۞ شیخ صالح السندی ۞ شیخ جازی بخیت الجھنی
۞ شیخ عبدالمحسن المحیسنی ۞ شیخ عبدالحمید العجلونی

۞ شیخ احمد المصری ۞ شیخ ابو اسامه الشمرانی

۞ شیخ عبدالعزیز الفریح ۞ شیخ سلیمان الرحیلی

جامعہ اسلامیہ سے ۲۰۰۱ء میں فراغت کے بعد سعودیہ عربیہ ہی میں ۲۰۱۲ء تک بحیثیت داعی ومترجم اسلامک دعوۃ سنٹروں میں دعوتی فرائض انجام دیتا رہا۔

بحوث و مقالات:

۞ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ حیات وکارنامے

۞ الخطابة و مکانتها فی الاسلام (عربی)

۞ النفاق و انواعه (عربی) ۞ کیف تصبح معلما ناجحا (عربی)

۞ پڑوسیوں کے حقوق ۞ بڑے گناہ

۞ حقوق العباد اور ہمارا معاشرہ ۞ دعا اور اس کے آداب

۞ بچیاں میراث سے محروم کیوں؟ ۞ سود ایک مہلک ناسور

۲۰۱۲ء سے تجارتی شہر ممبئی میں شفٹ ہو گیا ہوں اور تا وقت تحریر دعوتی و رفاہی اور تجارتی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہوں۔

دعوتی سرگرمیاں:

سوشل میڈیا پر دین کی نشر واشاعت (دینی اور دعوتی امیجز ز اور یوٹوب چینل، ٹویٹر، فیس بک پر دعوتی ویڈیو کلپ وغیرہ) بعد نماز عشاء یومیہ درس حدیث۔ ممبئی ومضافات کی مساجد میں بحیثیت خطیب شرکت۔ دعوتی وتربیتی اجلاس وکانفرنس میں بحیثیت خطیب شرکت۔

۲۰۱۴ء میں بعض احباب واخوان کے اصرار پر دار الخیر فاؤنڈیشن جیسے دعوتی و رفاہی ادارے کا قیام عمل میں آیا، جس کی سرگرمیاں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دیہی علاقوں میں خطبات جمعہ کی ترتیب وتنسیق اور خطباء کی کفالت۔

۲۔ ماہانہ تربیتی واصلاحی پروگرام کا انعقاد۔

۳۔خواتین کے پندرہ روزہ درس کا اہتمام۔
۴۔نادار و یتیم بچوں اور بچیوں کی تعلیمی کفالت۔
۵۔موسم حج کی آمد پر حجاج کرام کے لئے تربیتی کیمپ کا انعقاد۔
۶۔آسمانی آفات ومصائب سے متاثرین افراد کے لئے فوری طور پر ریلیف کا اہتمام۔
۷۔اردو ہندی میں دینی کتابوں اور پمفلٹ ولٹریچر کی طباعت ومفت تقسیم۔
۸۔سوشل میڈیا (واٹساپ،ٹویٹر،فیس بک کے ذریعہ دین کی نشر واشاعت کے نام سے
۹۔ویب سائٹ www.daraulkhaif.in کا قیام۔
۱۰۔ماہ رمضان کی آمد پر ایتام وارامل اور فقراء ومساکین کے مابین مفت راشن کٹ کی تقسیم وتوزیع۔
۱۱۔بیوہ کی کفالت۔
۱۲۔موسم سرما کی آمد پر اونی بلینکٹ اور شال کی مفت توزیع وتقسیم۔
۱۳۔تقریری وتحریری انعامی مقابلے کا انعقاد۔
۱۴۔حسب امکانیہ بچیوں کی شادی میں مالی اعانت۔
۱۵۔حسب امکانیہ مریضوں کی مالی اعانت۔
۱۶۔قرآن مترجم اور غیر مترجم کی مفت تقسیم وتوزیع وغیرہ
۱۷۔لوگوں کے مابین اختلاف کی صورت میں صلح ومصالحت کی کوشش۔وغیرہ

اللہ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

آپ کا دینی بھائی
شمیم احمد عبدالحلیم مدنی
سرپرست: دارالخیر فاؤنڈیشن ممبرا،ممبئی،
۶/ اکتوبر ۲۰۲۱ء

مولانا ذاکر عباس بن محمد عباس سلفی مدنی رحفظہ اللہ

(تاریخ ولادت: فروری ۱۹۷۴ء)

مولانا ذاکر عباس مدنی جامعہ سلفیہ بنارس کے ہونہار فضلاء میں سے ہیں، موصوف ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھیں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ٹھوس علمی و تصنیفی اور صحافتی خدمات انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی، اور اب بھی ایک ادارہ کی انتظامی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے تصنیف و تالیف کے میدان میں لگے ہوئے ہیں، اللہ ان کے علم میں برکت دے۔ آمین

نام، ولادت اور مولد و مسکن:

مولانا ذاکر عباس بن محمد عباس مدنی کی ولادت فروری ۱۹۷۴ء کو بمقام نزائن نگر ممبئ میں ہوئی۔

تعلیمی سفر:

موصوف نے اپنا تعلیمی سفر اپنے گاؤں کے مدرسہ شمس الہدیٰ جموہنا سے شروع کیا جہاں مکتب کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد مدرسہ قمر الہدیٰ کسمہی میں جماعت ادنیٰ اور جماعت اولیٰ کی تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئ پہونچے اور ۲/سال وہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا، مزید علمی تشنگی بجھانے کے لئے موصوف نے جامعہ اسلامیہ سنابل، دہلی میں داخلہ لیا اور وہاں ۴/سال گذار کر عالمیت کی سند سے سرفراز ہوئے اور پھر مزید حصول علم کے لئے بنارس کا رخت سفر باندھا اور جامعہ سلفیہ کے مرحلہ فضیلت میں داخل ہو کر ۱۹۹۶ء میں فضیلت کی سند حاصل کی پھر موصوف کو جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں حصول علم کا موقع ملا اور ۲۰۰۲ء میں کلیۃ الحدیث سے

لیسانس (بی اے) کی سند حاصل کی۔

میدان عمل میں : (الف)تدریسی خدمات:

جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے سے پہلے کے ایام میں موصوف نے تقریبا ایک سال جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ جامعہ اسلامیہ سے واپسی کے بعد موصوف جامعۃ الامام البخاری کشن گنج، بہار سے وابستہ ہوئے اور وہاں تقریباً ۲/سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے،اس کے بعد آپ كلية الصفا للشريعة اللغة العربية ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر تشریف لائے اور یہاں بھی کم وبیش ۴/سال تدریس کا فریضہ انجام دیا، پھر آپ جامعہ اسلامیہ دریا آباد گئے اور وہاں ۵/سالوں تک اپنا فیض جاری رکھا۔ ۲۰۱۴ء میں کلیۃ خیر النساء گرلس ٹیکنیکل کالج پیرا، مرغھوا پہونچے اور اب تک اس کے انتظام و انصرام کے ساتھ یہاں تدریسی، دعوتی اور تصنیفی وصحافتی خدمات انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے۔(آمین)

(ب) صحافتی خدمات:

مولانا ذاکرعباس مدنی، باذوق فاضل ہیں، زمانہ طالب علمی سے قلم و قرطاس سے ان کا مضبوط تعلق رہا ہے اور یہ علمی وتحقیقی مضامین لکھتے رہے ہیں، جامعہ سلفیہ کے زمانہ طالب علمی میں ندوۃ الطلبہ کے سالانہ میگزین ''المنار'' ۱۹۹۶ء کے ایڈیٹر تھے،ان کی خوش بختی اور لکھنے پڑھنے سے بے پناہ لگاؤ کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ جس ادارہ میں بھی رہے وہاں ان کے صحافتی ذوق کی تسکین کے اسباب فراہم رہے، چنانچہ کشن گنج سے مجلّہ ''پیام توحید'' شائع ہوتا تھا جس کی مجلس ادارت کے یہ ممبر اور مستقل مضمون نگار تھے۔ جب تک مالیگاؤں رہے وہاں کے ترجمان ''صوت الحق'' کی مجلس ادارت کے ممبر اور مضمون نگار رہے، کلیۃ الصفا ڈومریا گنج سے ان کے دور

میں ''الاعتصام'' نام سے عربی مجلّہ شائع ہورہا تھا، اس عربی مجلّہ کے یہ نائب ایڈیٹر تھے جامعہ اسلامیہ دریا آباد سے پہلے ''احتساب'' کے نائب مدیر اور مستقل مضمون نگار رہے، اور پھر جب آپ نے کلیۃ خیر النساء کی باگ ڈور سنبھالی تو اپنے صحافتی ذوق کی تسکین کے لئے اپنی ادارت میں مجلّہ ''الخیر'' شائع کیا جس کے کچھ شمارے منظر عام پر آئے مگر بعد میں کسی سبب سے اس کی اشاعت موقوف ہوگئی۔

(ج) تصنیفی و تالیفی خدمات:

موصوف نے اس میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان کی چھوٹی بڑی ۱۰/تصانیف ہیں، ان کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:

۱. المغنی فی الفاظ الجرح والتعدیل

مطبوع، صفحات ۱۲۶، سن اشاعت ۱۴۳۶ھ۔

اس کتاب کے اندر جرح وتعدیل کے کلمات کی توضیح اور ان کے مراتب کا بیان ہے۔

۲. الکافی فی معرفة أسباب النزول

مطبوع، صفحات ۲۳۲، سن اشاعت ۱۴۳۶ھ۔

یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں صحیح شان نزول کا ذکر اور باب ثانی میں ایسے اسباب نزول کا ذکر ہے جن کا ثبوت نہیں۔

۳. التعلیق المسدد علی المؤطا للإمام مالک

صفحات ۷۰۰/ (عربی کمپیوٹر شدہ/غیر مطبوع)

یہ عربی زبان میں مؤطا امام مالک پر حاشیہ ہے جس میں مندرجہ ذیل کام کئے گئے ہیں:

(۱) احادیث کی نمبرنگ (۲) احادیث پر حکم (۳) مشکل کلمات واسماء کی تشکیل

وتوضیح (۴) راجح قول کی تعیین علی الاکثر (۵) حدیثوں میں وارد مختلف پیمانوں کی عصری پیمانوں کی روشنی میں توضیح (۶) کتاب البیوع کے مسائل کو عصری قالب میں ڈھالنے کی کوشش۔

۴. تحفة الكرام بشرح بلوغ المرام (عربی/غیر مطبوع)

یہ کتاب بلوغ المرام کی عربی شرح ہے جس میں مندرجہ ذیل کام کئے گئے ہیں:

(۱) صحیحین کے علاوہ احادیث پر حکم لگانے کا اہتمام (۲) مشکل کلمات اور اعراب کی توضیح (۳) رواۃ صحابہ کے مختصر حالات زندگی (۴) فقہی اختلافی مسائل میں راجح قول کی تعیین (۵) فوائد حدیث

۵۔ پیارے رسول ﷺ کی پیاری نماز (اردو مطبوع صفحات: ۴۹)

اس رسالہ کے اندر نماز کے تمام مسائل صحیح احادیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔

۶۔ کیا نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ واقعات صحیح ہیں؟ (اردو مطبوع)

اس کتاب کے اندر سیرت نبوی کے چند منتخب واقعات کی تحقیق کی گئی ہے۔

۷. القراءة العربية: از اول تا پنجم (عربی/اردو)

حصہ اول مطبوع/صفحات ۴۹۔

اس کے ذریعہ ابتدائی درجات کے طلبہ وطالبات کے اندر عربی کا ذوق پیدا کرنے نیز افہام وتفہیم کے لئے مختلف اسالیب کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

۸۔ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب (اردو مطبوع)

اس کتاب کے اندر غیر مسلموں کی طرف پیش کردہ اعتراضات مثلاً گوشت خوری، مسلمانوں کا ختنہ کرانا وغیرہ کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

۹. كلمة لا اله الا الله (مطبوع، (ترجمہ) مؤلف: دکتور شریف حمدان)

۱۰. كيف تتعلم اللغة العربية والانكليزية (غیر مطبوع کمپیوٹر شدہ)

اولاد:

موصوف ۱۹۹۵ء میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے موصوف کا ۱۹۹۵ء میں مولانا معین الدین سلفی کی بڑی صاحبزادی سے رشتہ ہوا، جن سے پانچ بچیاں اور دو بچے بقید حیات ہیں۔ جن کے اسماء یہ ہیں:

(۱) سمیہ (۲) نائلہ (۳) نبیلہ (۴) امیمہ (۵) سدرہ (۶) ابوطلحہ (۷) عمار

آپ کی اہلیہ صاحبہ کلیہ عائشہ صدیقہ مالیگاؤں پھر کلیۃ خیر النساء گرلس ٹیکنیکل کالج پپرا امرغہوا میں تدریسی خدمات انجام دیں اور تقریباً بیس سالوں سے موضع جموہنا اور آس پاس کی بستیوں میں خواتین کا پروگرام منعقد کرتی رہیں، جس سے بہت ساری خواتین کی اصلاح ہوئی، اللہ ان کی دعوتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

۞۞۞

خودنوشت سوانح

مولانا محمد ہاشم بن عبدالجبار سلفی صاحب/حفظہ اللہ

(تاریخ ولادت: ۱۰ر فروری ۱۹۷۸ء)

نام و نسب: محمد ہاشم بن عبدالجبار بن محمد یاسین

تاریخ پیدائش: ۱۰ر فروری ۱۹۷۸ء

مولد و مسکن: برڈ پور نمبر ۸، ٹولہ، لدوا، پوسٹ برڈ پور، ضلع سدھارتھ نگر

خاندانی پس منظر:

الحمد للہ جس خاندان میں آنکھیں کھلیں وہ نہ صرف پڑھا لکھا تھا بلکہ اس خاندان کے بدست کئی تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور علمی چراغ روشن ہوئے ہیں، جس کی بنا پر اس خاندان کو علماء کا گھرانہ کہا جاتا رہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے ناچیز سمیت خاندان کا ہر فرد عالم دین ہے والد محترم اگرچہ مستند عالم دین نہیں ہیں مگر اپنے ہم عصروں کے امام رہے ہیں بہت ساری سورتیں زبانی یاد رہی ہیں اور اردو تفسیر برابر پڑھنے سے اچھا علم رکھتے ہیں اپنے دور شباب میں نہ صرف سفر میں بلکہ گاؤں کی مسجد میں بارہا خطبہ جمعہ دیتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔ اب یہ تحریر لکھنے کے وقت ان کی عمر سو سال کے قریب ہے اور مکمل خدمت کے مستحق ہیں۔

تعلیم و تربیت: میری تعلیم و تربیت مکمل چچا محترم مولانا محمد ادریس قاسمی رحمہ اللہ کے زیر نگرانی ہوئی ہے اس لئے وہ بذات خود اچھے عالم تھے دارالہدیٰ یوسف پور میں مدرس تھے یکم دسمبر ۲۰۱۹ء کو ان کا انتقال ہوگیا اور والد صاحب کھیتی باری کا کام کرتے تھے۔

ابتدائی تعلیم: میرے گاؤں کے مکتب مدرسہ سبل السلام جو اپنے ہی خاندان کا قائم کردہ ہے یہاں الف باء منشی عبدالغفار (رتن پور والے) نے پڑھانا شروع کیا اور

درجہ دوم تک سبھی کتابیں حساب سمیت آپ ہی نے پڑھایا درجہ سوم میں مولانا عظیم اللہ سراجی نے مکمل کتابیں پڑھایا۔

درجہ چہارم وپنجم علاقہ کے مشہور زمانہ مکتب ''مدرسہ تعلیم القرآن والسنہ گورابازار الیدہ پور میں انتہائی کہنہ مشق اور مشہور مدرس منشی رحم اللہ نے پڑھایا۔

جامعہ دارلھدیٰ یوسف پور:

جامعہ دارالہدی یوسف پور میں ادنی تا ثالثہ پڑھا، یہاں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا محمد ادریس قاسمی، مولانا محمد عبدالرحیم امینی، مولانا عبدالرشید اثری، مولانا اسد اللہ فیضی، مولانا محمد حسن فیضی، حافظ عبدالمبین وغیرہم کے نام سرفہرست ہیں۔

جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیھار:

جامعہ سراج العلوم کنڈ ؤبونڈ یہار میں جماعت رابعہ وخامسہ پڑھا اور یہاں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا وہ مولانا محمد عمر سلفی، مولانا محمد خلیل رحمانی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبدالرحمٰن لیثی ومولانا عبدالرحمٰن جلیلی، مولانا وصی اللہ ندوی، مولانا عطاء الرحمٰن سعیدی، مولانا محمد شمیم مدنی تھے اور حفظ وتجوید قاری زبیر احمد فرقانی نے پڑھایا۔

جامعہ سلفیہ بنارس:

کنڈ ؤبونڈ یہار میں خامسہ کی تعلیم مکمل کر کے اگلے سال شوال میں بنارس کے لئے رخت سفر باندھا اور یہاں مطلوبہ جماعت عالم ثانی میں داخلہ ہوگیا اور یہیں پر عالم ثالث بھی پڑھا، یہاں جن اساطیر علم وفضل سے براہ راست درس لیا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔
شیخ مقتدیٰ حسن ازہری، شیخ عبدالسلام مدنی، شیخ عبدالوہاب حجازی شیخ عزیز الرحمٰن سلفی، شیخ محمد مستقیم سلفی، شیخ نعیم الدین مدنی، شیخ در محمد ابراہیم مدنی وغیرہ ہیں، دعاء ہے اللہ

میرے اساتذہ مرحومین کو جنت میں اعلیٰ مقام دے اور موجودین کو صحت وعافیت، اس طرح یہ مختصر سا تعلیمی سفر یہیں پر ختم ہوا۔

۱۹۹۷ء تعلیمی میقات میں سند عالمیت حاصل کرنے کے بعد اب تعلیم ۱۹۹۸ء کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ گھر پر خانگی بٹوارہ ہوگیا اور والدین بھی اپنی عمر کے ساتویں دہائی کو پہونچ گئے تھے اور ۴/ جولائی ۱۹۹۶ء ہی کو میری شادی بھی ہوگئی تھی، بنابریں اب گھر خرچ کہاں سے پورا ہو یہ مسئلہ اہم تھا چنانچہ غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ لیا کہ اب والدین کی خدمت کرنے اور گھر خرچ چلانے کے لئے کہیں تدریس پر لگ جائیں اور مزید تعلیم کا شوق اب ختم کردیں۔

تدریس:

سب سے پہلے مدرسہ مفتاح العلوم سلفیہ گلہریا نیپال میں تقرری عمل میں آئی، جو اپنے ہی خاندان کے زیر نگرانی چل رہا تھا اور اس وقت مولانا عبدالعزیز اثری ناظم تھے یہاں تین سال تک بڑی محنت سے طلبہ کو تعلیم وتربیت دیا اس وقت یہاں جماعت رابعہ تک تعلیم ہوتی تھی، بعدہ اپنے علاقہ الیدہ پور کے ایک ادارہ جامعہ دارالسلام پھلوریا میں ۲۰۰۰ء میں تقرری عمل میں آئی اور مکمل ۴ سال تک یہاں درس دیا، یہ ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس کی شاخ تھا اور ۲۰۰۴ء کے آخر میں بعد رمضان، شوال میں صفا شریعت کالج ڈومریا گنج چلا گیا، یہاں تعلیم کے ساتھ طلبہ کی نگرانی اور کسی سال طلبہ کی تعلیمی وخوراکی فیس وغیرہ کا حساب وکتاب بھی میرے ذمہ تھا حتی کہ آخری سال میں عمید الکلیہ کا پرخار منصب بھی نصیب ہوگیا اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے بوجھل ہوگیا ساتھ ہی گھر پر والدین کی دیکھ بھال کھیتی باری وغیرہ مسائل کو حل کرنے میں انتہائی دشواری پیش آنے کی بناء پر ۵/سال مکمل کرکے استعفیٰ دے دیا اور اپنے گھر سے قریب ۱۰/کلومیٹر کی دوری پر نوگڈھ شہر میں واقع معہد الرشد/مرکز تحفیظ القرآن والدعوہ والتعلیم جو بدر اسکول سے مشہور رہا ہے یہاں

پر جگہ مل گئی اور ۱۰ ارشوال ۱۴۳۰ھ یعنی ۲۰۰۹ء کے غالبًا اگست ماہ سے یہیں پر تعلیم وتربیت میں گذرا، یہاں ۲۰۰۹ء ہی سے نسواں کی تعلیم کا الگ ادارہ کلیہ ام سلمہ للبنات کا قیام اور دھیرے دھیرے تعلیم بھی فضیلت تک ہونے لگی بنابریں جس سال فضیلت کا قیام ہوا اسی سال سے ذمہ داران کے حسب حکم اعلی درجات میں چند مادے یہاں بھی پڑھانے کا کام کرر ہا ہوں۔

دعوتی کام:

دعوتی کام جب سے شروع ہوا ہے الحمد للہ خطبہ جمعہ دینا اور چھوٹے بڑے جلسوں وکانفرنسوں میں برابر شرکت کرنے کا موقع ملتا رہا ہے اور ۲۰۱۳ء میں جب ڈاکٹر عبدالباری خاں ڈومریاگنج نے نوگڈھ میں خیر پبلک اسکول کے ساتھ مسجد تعمیر کی تب سے اس مسجد میں مستقل خطیب کی حیثیت سے آج یہ سطور لکھنے تک برابر خطبہ دے رہا ہوں الا یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے۔

جماعتی خدمات:

ویسے تو ہمیشہ جماعت وجمعیت کے مفوضہ کام کو کرتا رہا لیکن ۲۱رنومبر ۲۰۱۹ء کے انتخاب میں جمعیت اہل حدیث حلقہ نوگڈھ کا ناظم منتخب کیا گیا ایک ذمہ دار کی حیثیت سے جمعیت کا کام کرر ہا ہوں۔

تحریری خدمات:

ویسے تو طالب علمی کے دور سے ہی لکھنے کا شوق رہا ہے جس کا نتیجہ یہ رہا کہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور جامعہ سلفیہ بنارس کے حائطیہ اور سالانہ مجلوں میں جگہ ملتی رہی میرے مضامین چھپتے رہے بعد میں بھی کئی مضامین ماہنامہ اتحاد ممبئی اور دہلی کے بعض اخبار جیسے ہمارا سماج، سیاسی تقدیر وغیرہ میں میرے مضامین شائع ہوئے ہیں مگر مستقل کوئی کتاب اب تک نہیں لکھ سکا مقالہ سند عالمیت کے جو اس عنوان سے ہے ''عورت

اسلام کی نظر میں‘‘ اپنے خطبات جمعہ کو جمع کرنے کا ارادہ ہے اللہ سے توفیق کا سوال ہے۔

اولاد:

میری شادی ۴؍جولائی ۱۹۹۶ء کو ہوئی ہے اور اب تک اللہ نے ۸؍بچوں سے نوازا ہے سب سے پہلی بچی محمودہ پیدا ہوئی اور اس سال ۲۰۲۱ء میں فضیلت پاس ہو جائے گی ان شاء اللہ، اور باقی ۷ بچے ہیں جن میں ابتدائی دو بچے سلمان وسلیمان حافظ قرآن ہو کر اول مرحلہ عالمیت جامعہ سلفیہ سے اور دوسرے جماعت ثانیہ میں ہیں، اور باقی سبھی بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ فالحمد للہ، اللہ سب کو دین کا عالم و خادم بنائے اور اس کمترین و گنہ گار کی تمام تعلیمی تدریسی دعوتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

اعتذار:

مجھ جیسے حقیر و فقیر کی یہ بساط وحیثیت کہاں جس کی حیات و خدمات کو مرتب کیا جائے، یہ صرف مخدومی المحترم مولانا عبدالرؤف خاں ندوی صاحب حفظہ اللہ کی ذرہ نوازی ہے کہ یہ چند سطور جمع ہو گئے۔ اللہ موصوف کو صحت و عافیت بخشے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

محمد ہاشم سلفی
۳؍ستمبر ۲۰۲۱ء

✿✿✿

خودنوشت حالات

ابومعاذ محمدی ایک نظر میں

(تاریخ پیدائش: یکم جون ۱۹۷۹ء)

نام: حافظ اشفاق احمد ابن مختار احمد (ساکن: گولڈن نگر، مالیگاؤں)

تاریخ پیدائش: یکم جون ۱۹۷۹ء (عمر ۴۲ سال)

دینی تعلیم: دیوبندی، اہل حدیث دونوں مکتب فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ۔

تعلیمی لیاقت: ۹۶-۱۹۹۳ء حفظ القرآن وتجوید وقرأت

(جامعہ بیت العلوم، مدرسہ تقویۃ الاسلام، مدرسہ ریاض العلوم)

تجارت: ۹۶-۱۹۹۷ء ٹیکسٹائیل (پاورلوم اسپئیر پارٹس)

دورئہ حفظ: ۹۹-۱۹۹۸ء دورۂ حفظ القرآن مع تجوید جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں

عقیدہ: ۲۰۰۰ء میں مسلک کتاب وسنت اختیار کیا۔

مدرس: ۲۰۰۲-۱۹۹۹ء تک مدرس شعبۂ حفظ مع تجوید، مدرسہ عثمانیہ، رونق آباد، مالیگاؤں

مدرس: ۲۰۰۲ء مدرسہ شعبۂ حفظ مع تجوید، مدرسہ سلیمان السدیس، مسجد طاہرہ، مالیگاؤں

امامت: ۲۰۰۲ء (تاحال) امام جامع مسجد اہل حدیث، گولڈن نگر، مالیگاؤں

ناظم مدرسہ: ۲۰۰۳ء (تاحال) مدرسہ محمدیہ، مالیگاؤں

نائب ناظم جمعیت: ۱۱-۲۰۰۶ء نائب ناظم مقسامی جمعیت اہل حدیث، مالیگاؤں

ناظم امتحان: ۰۹-۲۰۰۷ء آل مہاراشٹر امتحان چمن اسلام کا آغاز ہوا۔

(تین سال بعد اسٹاف کی کمی کے سبب یہ سلسلہ بند ہوگیا)

ناظم مدرسہ ناظم مدرسہ: ۰۹-۲۰۰۷ء ناظم مدرسہ جمیلہ للبنات (دسویں وبارہویں

کامیاب طالبات

کے لئے دو سالہ مختصر مدتی عالمہ کورس کا ایک بیچ فارغ ہوا)

انچارج: ۱۵-۲۰۱۰ء آفس انچارج صوبائی جمعیت اہل حدیث، مہاراشٹر

ناظم جمعیت: ۱۳-۲۰۱۱ء ناظم اعلیٰ مقامی جمعیت اہلحدیث، مالیگاؤں۔

(ماہ اپریل ۲۰۱۳ء میں مستعفی)

ٹیچر: ۲۰۱۵ء-۲۰۱۳ء ٹیچر اقراء اسلامک انٹرنیشنل اسکول، جعفرنگر، مالیگاؤں

ملازمت: ۲۰۱۶ء سے ۲۰۱۸ء ایک پرائیویٹ کمپنی کی آفس میں ملازمت اختیار کرلی۔

آفس انچارج: ۲۰۱۹ء سے تاحال اہل حدیث منزل گولڈن نگر میں صوبائی ومقامی جمعیت کے دفتر میں آفس انچارج کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔

نصاب تعلیم پر کوشش: محمدی قاعدہ، نمازِ نبوی ومنتخب احادیث، اسلامی عقیدہ و سیرت النبی ﷺ کورَز

تاریخی کانفرنسیں: صوبائی جمعیت کی سرپرستی میں ''اِتباع سنت کانفرنس ۲۰۱۱ء''

''دین رحمت کانفرنس ۲۰۱۵ء'' (افتتاح اہل حدیث منزل)،

''منہج سلف کانفرنس ۲۰۱۹ء'' میں نظم ونسق میں کلیدی کردار رہا۔

نوٹ: ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۲ء تک جامعہ منصورہ کے شعبۂ حفظ وشعبۂ تجوید وقرأت کے ششماہی وسالانہ امتحانات کے لئے مدعو کیا جاتا رہا، اس کے علاوہ تین ماہ شعبۂ حفظ میں مدرس رہا۔

اشفاق احمد محمدی

✿✿✿

خودنوشت سوانح

حافظ عنایت اللہ خاں محمدی حفظہ اللہ

ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث، مہاراشٹر

(تاریخ پیدائش: ۳/اپریل ۱۹۸۱ء)

نام: حافظ عنایت اللہ ابن حقیق اللہ خاں

تاریخ پیدائش: ۳/اپریل ۱۹۸۱ء

مقام پیدائش: گرام بکینہاں، پوسٹ (دلدلہ) بلوہا بازار۔تحصیل بانسی سدھارتھ نگر(یوپی)

ابتدائی تعلیم: پانچ جماعت۔مدرسہ کنز العلوم السّلفیہ، بکینہاں، بلوہا بازار ضلع سدھارتھ نگر(یوپی)

حفظ کی ابتدائی تعلیم: مدرسہ کنز العلوم السّلفیہ، بکینہاں، بلوہا بازار ضلع سدھارتھ نگر(یوپی)

استاذ: حافظ عتیق الرحمٰن، مولانا علاء الدین، مولانا احمد صاحب وغیرہ ۹/سال کی عمر میں حفظ مکمل کیا۔

مکمل حفظ: انوار العلوم بہرائچ (یوپی)

قابل ذکر اساتذہ: قاری نہال صاحب، قاری عبد اللطیف صاحب، قاری فیروز صاحب وغیرہم۔

عالمیت کی تعلیم: جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

قابل ذکر اساتذہ: مولانا راحت اللہ مدنی، مولانا منصور الدین مدنی، مولانا شاہ جمال ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، حافظ ادریس سلفی، ماسٹر افضال سر، مولانا کوثر مدنی،

مولانا علاء الدین ندوی وغیرہ

تاریخ شادی: ۲۴/مئی ۱۹۹۹ء

اولاد: چار بچے ہیں

☆ایک لڑکا عبدالمالک ۲۱/سال بارہویں پاس۔

☆دوسرا لڑکا عدنان ملک ۱۹/سال بارہویں پاس۔

☆ تیسرا لڑکا محمد عفان ۱۷/سال دسویں پاس۔

☆چوتھی بیٹی ثانیہ خاتون ۱۳/سال چھٹی پاس

نماز تراویح: ۱۹۹۵ء سے ۲۰۱۰ء تک اندور میں تراویح کی نماز مچھلی بازار کی اہل حدیث مسجد میں ۱۶/سال تک ۲۰۱۰ء سے مسلسل اورنگ آباد محمدی مسجد میں نمازِ تراویح

خصوصیت: الحمدللہ ۲۶/سال مکمل ہوگئے ہیں تراویح فی سبیل اللہ پڑھاتے ہوئے۔

عھدہ و منصب:

☆ چار سال سے نائب امیر جمعیت اہل حدیث مالیگاؤں

☆ایک سال سے ناظم شعبہ مالیات جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر

☆ ۲۷/جون ۲۰۲۱ء سے ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر

معیشت: کنٹرکشن، رئیل اسٹیٹ، بلڈنگ بنانے کا کام

فرم کا نام: I.K BULDAR AND DEVLOPORS

آئی۔کے بلڈرس اینڈ ڈیولپرس

آفس: سوپر مارکیٹ ۱۵/مالیگاؤں

رھائش کا پتہ: سروے نمبر 7812 پلاٹ نمبر 57 اولڈ آگرہ روڈ نزد دنیا فاران ہاسپٹل مالیگاؤں ضلع ناسک مہاراشٹر 9226122691۔

عنایت اللہ خاں محمدی ، مالیگاؤں، مہاراشٹر

خودنوشت حالات

ڈاکٹر عزیر احمد سنابلی حفظہ اللہ

(تاریخ ولادت: یکم جنوری ۱۹۸۳ء)

میری پیدائش ضلع بلرام پور کے ایک مردم خیز گاؤں اونزہوا میں ہوئی۔ گاؤں میں پیدائش کے اندراج کا رواج نہیں تھا، مدرسہ میں داخلہ کے وقت تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۸۳ء لکھ دی گئی جواب سرکاری دستاویزات کے مطابق میری تاریخ پیدائش ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بارے میں مجھے اتنا یاد ہے کہ ابتدا میں مجھے گاؤں ہی کے مدرسہ نورالہدیٰ میں داخل کرایا گیا تھا، جہاں ایک سال بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ والد محترم کے انتقال کا سانحہ پیش آیا، اس وقت ہم سبھی بھائی بہت چھوٹے تھے خاندان میں سب سے بڑے میرے چچازاد بھائی رضوان اللہ خاں تھے، وہ اس وقت دہلی میں رحمانی صاحب کے ادارہ معہد میں غالبا چوتھی جماعت میں پڑھ رہے تھے۔ چونکہ میرے بڑے والد جناب کتاب اللہ اور میرے والد مولانا اسرائیل رحمانی رحمہ اللہ کے انتقال کے درمیان صرف ایک ہفتے کا فاصلہ تھا اس وجہ سے گھر والوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ رضوان بھائی کے اوپر پورے گھر کی ذمہ داری آگئی اور انھیں تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر آنا پڑا۔ اس موقع پر میرے نانا جناب مولانا فرید احمد رحمانی نے میری اور میرے بڑے بھائی قاری زبیر احمد کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔ میں نے بھی اسکول جانا شروع کیا تھا جبکہ زبیر بھائی درجہ ایک میں پڑھ رہے تھے، ہم دونوں کو نانا اپنے یہاں پیکولیا مسلم لے آئے جہاں میں نے اور میرے بڑے بھائی زبیر احمد نے درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی۔ ننہال میں تعلیم حاصل کرنے کا فائدہ بھی ہوا اور نقصان بھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ گاؤں سے دور رہنے کی وجہ سے سارا وقت پڑھائی اور اس سے متعلق سرگرمیوں میں گذرتا تھا، نقصان یہ ہوا کہ

بچپن سے ہی گاؤں سے دوری کی وجہ سے اپنے گاؤں کے لئے میں اجنبی بن گیا۔لیکن وطن سے دوری کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ والد محترم کے نہ ہونے کا سائڈ افیکٹ مجھ پر نہیں پڑا، نانا جان اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے اور اسی طرح اپنا پیار لٹاتے تھے ان کے مزاج میں سختی تھی لیکن اس کے باوجود میری علمی پیش رفت پر وہ بہت خوش تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرا داخلہ انھوں نے اپنے یہاں درجہ دوم میں کرایا تھا۔حالانکہ میں نے اپنے گاؤں میں درجہ ایک کی تعلیم مکمل نہیں کی تھی۔اس کے باوجود جب سالانہ امتحان کا رزلٹ آیا تو میں نے اپنے کلاس میں ٹاپ کیا تھا، اپنے کلاس میں پہلی پوزیشن لانے والوں کو اسکول کی طرف سے انعام دیا گیا تھا جب کہ نانا نے میرے بارے میں یہ اعلان کیا کہ عزیر کو انعام میں دے دوں گا، یہ ان کی خوشی کا اظہار تھا لیکن میرے چھوٹے سے ذہن میں یہ بات نہ آسکی اور میں سب کے ساتھ انعام نہ پاکر اتنا دکھی ہوا کہ روتے روتے مجھے بخار آ گیا۔ نانی محترمہ نے جب یہ بات سنی تو نانا پر بہت خفا ہوئیں۔ بہر حال اس کے بعد میں درجہ پنجم تک ہر سال کلاس میں نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوتا رہا، نانا جان کا سینہ فخر سے چوڑا ہوتا رہا، جامعہ اصلاح المسلمین پیکولیا مسلم میں جن اساتذہ سے کسب فیض کا موقع ملا ان میں حافظ عبدالحمید، جنہیں پورے گاؤں والے بڑھنو حافظ جی کہا کرتے تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ میری والدہ میرے ماموں بھی ان کے شاگرد تھے، انھوں نے مدرسہ میں پڑھانا چھوڑ دیا تھا لیکن ایک سال کے لئے دوبارہ مدرسے میں پڑھانے کے لئے آئے تھے اس طرح مجھے بھی ان سے تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہو گیا، دوسرے استاذ جن کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ ہیں مولانا عبید الرحمٰن صاحب، وہ مجھے بہت عزیز رکھتے تھے، ایک اور شخصیت جن کو میں کبھی نہیں بھول سکتا وہ ہے حافظ عبدالقیوم صاحب کی۔حافظ جی آنکھوں سے نابینا تھے لیکن جس محنت اور لگن کے ساتھ وہ بچوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ویسی محنت اور لگن میں نے کسی کے اندر نہ دیکھی۔عام طور پر قرآن مجید

ناظرہ کی تعلیم کے وقت بچوں کے مخارج پر دھیان نہیں دیا جاتا لیکن وہ بچوں کا منہ کھول کھول کر بتاتے تھے کہ زبان کو یہاں لگاؤ تو فلاں لفظ ادا ہوگا۔ نانا محترم نے ایک مرتبہ ششماہی امتحان کی چھٹی میں مجھے اور میرے بڑے بھائی زبیر بھائی کو ان کے پاس حفظ کے لئے بھیج دیا۔ ششماہی امتحان کی چھٹیوں میں جہاں دوسرے بچے چھٹی کا مزہ لے رہے تھے وہیں ہم دونوں کے لئے یہ پوری چھٹی سزا بن گئی تھی۔ حافظ جی بہت سخت تھے۔ وہ اپنے شاگردوں پر جس طرح پیار لٹاتے تھے اسی طرح سبق یاد نہ ہونے پر سزا بھی دیتے تھے، میں مدرسے میں سبھی اساتذہ کے سامنے شرارتیں کرجایا کرتا تھا لیکن حافظ جی کے سامنے شرارت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ایک زمانہ بعد بھی جب اپنے ننہال جاتا ہوں تو حافظ جی سے ملنا نہیں بھولتا۔ سلام کی آواز سنتے ہی نام سے مخاطب کرتے ہیں ان کے منھ سے اپنا نام سنتے ہی میں اپنے بچپن کے دنوں میں پہنچ جاتا ہوں، میں ان کے سامنے خود کو سات سال کا بچہ محسوس کرکے خوشی محسوس کرتا ہوں، نانا محترم نے اپنے زمانے میں جامعہ اصلاح المسلمین پیکولیا میں ایک سے ایک قابل اساتذہ کی ایک کہکشاں اکٹھا کررکھی تھی جس میں مولانا شکر اللہ صاحب، مولانا عزیر عرف نئے مولوی صاحب، مولانا ولی محمد صاحب، مولانا ولی اللہ صاحب وغیرہ موجود تھے، جامعہ میں عربی چہارم تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ باہری طلبا ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے، ہم لوگ بھی جو درجہ چہارم یا پنجم میں ہوتے تھے رات میں وہیں قیام کرتے تھے اور اپنی پڑھائی کرتے تھے۔

مکتب کی تعلیم کے بعد نانا محترم نے مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے یہاں شعبہ حفظ میں مجھے داخل کرادیا۔ میرا مزاج شعبہ حفظ سے میل نہیں کھاتا تھا لیکن نانا محترم کی خواہش کے احترام میں چار سال تک شعبہ حفظ میں رہ کر حفظ مکمل کیا۔ شعبہ حفظ میں میرے استاد قاری رحمت اللہ صاحب مفتاحی تھے۔ جس طرح میرا مزاج شعبہ حفظ کے لئے مناسب نہیں تھا اسی طرح قاری رحمت اللہ صاحب بھی شعبہ حفظ کے

لئے ایک مناسب استاذ نہیں تھے، ان کی انتظامی صلاحیت اچھی تھی۔ ان کو اگر تنظیمی کاموں کے لئے رکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے معہد التعلیم الاسلامی میں داخلہ لیا۔ جماعت اولی کے ششماہی امتحان میں نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوا۔ مولانا الیاس سلفی رحمہ اللہ کتاب الصرف پڑھایا کرتے تھے، انھوں نے کبھی اپنی کتاب میں کسی کو پورے نمبرات نہیں دئے تھے۔ میں نے پہلی دفعہ ان کا یہ ریکارڈ توڑا تھا جس کی وجہ سے پورے معہد میں میری ایک پہچان بن گئی تھی، مولانا الیاس صاحب کافی خوش ہوئے اور انھوں نے کہا کہ تمہاری کاپی میں قلم رکھنے کی گنجائش نہیں تھی اس وجہ سے مجھے پورے نمبرات دینے پڑے۔ ششماہی امتحان کے بعد دہلی میں ڈینگو کی بیماری بڑے پیمانے پر پھیل گئی جس کا شکار میں بھی ہوا۔ میری طبیعت اس قدر خراب ہوگئی کہ میرے لئے بستر سے اٹھنا مشکل ہوگیا۔ مجھے خود اپنا ہوش نہیں تھا۔ مجبوراً سالانہ امتحان سے پہلے ہی گھر آنا پڑا۔ میں نے سالانہ امتحان نہیں دیا تھا اس وجہ سے قانونی طور پر دوسری جماعت میں نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن میں کسی بھی صورت ایک جماعت نیچے جانے کو تیار نہیں تھا۔ بالآخر نانا محترم نے بستی کی شاخ معہد ابوبکر صدیق میں میرا داخلہ کرادیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ نانا محترم اور بڑے بھائی جو میری طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کافی پریشان تھے میری کامیابی پر بہت خوش ہوئے اور مبارکبادیاں دیں۔ اس کے بعد یہ تعلیمی سلسلہ شروع ہوتا ہوا جامعہ اسلامیہ سنابل میں ختم ہوا۔ جب میں چوتھی جماعت میں تھا اسی دوران نانا محترم کے انتقال کی خبر سامنے آئی۔ جب چوتھی جماعت کے امتحان کی تیاریوں میں مصروف تھا اسی دوران خبر آئی کہ بھائی رضوان بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ نانا محترم اور بھائی رضوان اللہ کا انتقال میرے لئے بہت گہرے صدمے کا باعث تھا۔ اب تک کے تعلیمی سلسلہ میں دونوں کا تعاون مجھے حاصل تھا۔ بھائی رضوان نے بہت ساری امیدیں مجھ سے لگا رکھی تھی۔ عین امتحان کے

وقت ان کے انتقال کی خبر سن کر میرے اوپر بجلی سی گر گئی۔ کسی طریقہ سے میں نے امتحان کا وقت کاٹا اور امتحان دے کر گھر پہنچا۔ اس وقت میں نے یہ بات ٹھان لی کہ بھائی صاحب کے خوابوں کو میں پورا کر کے رہوں گا وہ مجھے جس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں ان شاء اللہ اس مقام تک خود بھی پہنچوں گا اور ان کے بیٹے احسان اللہ کو بھی اعلیٰ تعلیم دلواؤں گا جامعہ اسلامیہ سنابل سے فراغت کے بعد میں صفا شریعت کالج ڈومریا گنج میں ایک سال تک درس وتدریس سے وابستہ رہا۔

صفا شریعت کالج کے زمانے کی بات ہے ایک دن میری ملاقات خیر العلوم میں استاذ حدیث مولانا نیاز طیب پوری سے ہوئی۔ میں نے انھیں بتایا کہ جامعہ اسلامیہ سنابل سے فراغت کے بعد میں یہاں صفا میں پڑھانے کے لئے آیا ہوں، انھوں نے سننے کے بعد کہا ابھی آپ کے پڑھنے کی عمر تھی آپ پڑھ لکھ کر آگے نکل سکتے تھے، کہاں آگئے؟ ان کی یہ بات مجھے بہت ناگوار گذری تھی لیکن بہت غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا انھوں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ درست تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ صفا شریعت کالج سے نکل کر دہلی جاؤں اور وہاں کوئی نوکری کر کے ساتھ میں تعلیم بھی حاصل کرتا رہوں۔ اتفاق سے بہن کے علاج کے لئے میں دہلی چلا گیا اور یہاں آکر بھائی ذکی ایشیا والے کی فرمائش پر ان کے یہاں رہ کر ایک کتاب ''اسلامی تعلیمات قرآن کے آئینہ میں'' لکھا۔ اس کتاب میں اسلامی احکامات پر مشتمل قرآنی آیات کو مناسب عنوان کے تحت ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس دوران میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پرائیویٹ بی اے عربی آنرس کا فارم بھرا اور اس کی تیاری میں بھی لگ گیا۔ مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے مجھ سے اپنے ادارے میں آنے کے لئے کہا۔ میں نے ان سے کہا کہ ابھی میں ذکی بھائی کے یہاں ہوں، کتاب کا کام مکمل ہوتے ہی میں خود اپنے بھائی کے ساتھ آپ کے ادارے میں چلا آؤں گا۔

چنانچہ بھائی ذکی کے یہاں سے فراغت کے بعد میں رحمانی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں اور میرے بڑے بھائی قاری زبیر صاحب آپ کے مرکز میں آنا چاہتے ہیں۔ رحمانی صاحب کافی خوش ہوئے اور انھوں نے سکریٹری صاحب سے بات کر کے کہا انھیں ان کی دلچسپیوں کی مناسبت سے ذمہ داری دے دیجئے۔ قاری زبیر صاحب کو معہد عثمان میں تدریس کے لئے رکھ لیا گیا جب کہ مجھے مرکز کے اشاعتی ادارہ **مجمع البحوث العلمیة الاسلامیہ** میں رکھ لیا گیا، عملی طور پر میرے ذمہ ماہنامہ التبیان میں مضامین لکھنے وہاں کی کتابوں کی اشاعت اور پرچے کی تیاری کی ذمہ داری تھی۔ ادارے سے وابستگی کے دوران مجھے جامعہ اسلامیہ سنابل میں درس و تدریس کے لئے بھی بھیجا گیا۔ یہاں کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کا ذکر یہاں پر اس لئے بھی کرنا چاہوں گا کہ رحمانی صاحب کے تعلق سے ایک رائے لوگوں کے دل میں یہ ہے کہ وہ اپنی مخالفت کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کرتے۔ دوسروں کے ساتھ ان کا معاملہ جو بھی رہا ہو لیکن میں نے اپنے معاملے میں ان کو اس سے مختلف پایا۔ تعلیمی سال کے شروع میں مجھے جامعہ اسلامیہ سنابل میں تدریس کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ وہاں کے جو ذمہ دار تھے وہ میرے استاذ بھی تھے لیکن انھوں نے معلوم نہیں کیوں ساری کتابیں ادنیٰ جماعت کی پڑھانے کے لئے دیں۔ میں جامعہ اسلامیہ سنابل میں تدریس کے لئے یہ سوچ کر گیا تھا کہ یہاں بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا، لیکن ٹائم ٹیبل پر میں نے دیکھا کہ منہاج العربیہ اور اردو قاعدہ کے علاوہ کوئی کتاب میرے ذمہ نہیں ہے تو مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ میں نے خاموش احتجاج کیا کسی سے ایک لفظ کہے بغیر میں روزانہ اسٹاف روم میں بیٹھتا اور کوئی کلاس نہیں لیتا یہاں تک کہ حاضری رجسٹر میں دستخط بھی نہیں کرتا تھا۔ تقریباً پچیس دن ہو گئے کسی نے مجھ سے کسی کلاس میں جانے کے لئے نہیں کہا۔ بہت سارے لوگوں کو یہ امید تھی کہ رحمانی صاحب

اس بغاوت کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے لیکن چھبیسویں دن میں نے دیکھا کہ سکریٹری صاحب جامعہ اسلامیہ میں موجود تھے۔ انھوں نے سبھی اساتذہ کی میٹنگ بلائی اور میرے سامنے ٹائم ٹیبل رکھتے ہوئے کہا کہ اپنی مرضی کی جو کتابیں آپ پڑھانا پسند کریں وہ چن لیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہاں موجود سبھی میرے اساتذہ ہیں آپ جو بھی کتاب مجھے دینا چاہیں میں بخوشی پڑھانے کے لئے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے مجھے بھی کچھ سیکھنے کو ملے، بہر حال سکریٹری صاحب کی فرمائش پر میں نے ٹائم ٹیبل لیا اور دو کتابوں کو میں نے اپنی مرضی سے منتخب کرنے کے بعد ٹائم ٹیبل ان کے حوالے کر دیا اور کہا کہ ان دو کتابوں کے ساتھ باقی جو کتابیں وہ دینا چاہیں بخوشی پڑھا لوں گا۔ چنانچہ جب ٹائم ٹیبل بنا میں نے پورے سال بچوں کو پڑھایا۔ دوران تدریس تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ رحمانی صاحب نے یار محمد سلفی صاحب کو میرے پاس بھیجا کہ دہلی کے کسی سیٹھ کے یہاں جا کر ایک تعاون کا خط دے کر ان سے ادارے کے لئے چندہ لے آؤں۔ یہ چیز میرے مزاج کے خلاف تھی اس وجہ سے میں نے انھیں منع کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ رحمانی صاحب نے مجھے بھیجا ہے میں نے کہا کوئی بات نہیں آپ کہہ دیں کہ میں اس کام کے لئے راضی نہیں ہوں۔ رحمانی صاحب نے میری اس بات کا برا نہیں مانا۔ بلکہ ایک دفعہ انھوں نے اساتذہ کے ساتھ میٹنگ میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری ایک بات مجھے پسند ہے کہ جو کام پسند نہیں ہوتا اس کو فوراً منع کر دیتے ہو۔

بہر حال سنابل میں رہ کر میں نے بی۔ اے مکمل کیا۔ ادارہ میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مجھے ابھی وہ زمانہ یاد ہے جب ادارے والوں سے بچ کر امتحان کا وقت شروع ہونے کے آدھا گھنٹہ کے بعد جامعہ کی چہار دیواری پھلانگ کر امتحان دینے کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ جاتا تھا اور امتحان کا وقت ختم ہونے سے

آدھا گھنٹہ پہلے ہی آکر خاموشی سے آفس میں بیٹھ جایا کرتا تھا۔اس وقت ماہنامہ التبیان کی آفس الگ ہوا کرتی تھی جس میں میرے اور ابراہیم سجاد تیمی کے علاوہ کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔ہم دونوں نے ایک دوسرے کی پردہ پوشی کا زبانی معاہدہ کررکھا تھا۔ہوسکتا ہے کہ ادارے والوں کے علم میں یہ بات رہی ہو لیکن انھوں نے جان بوجھ کر چشم پوشی کی ہو۔ جو بھی ہو ان لوگوں کا تعاون ہی تھا جس کی وجہ سے میں نے بی اے مکمل کیا۔ دوسرے سال ایم اے میں داخلہ کے لئے میں نے دہلی یونیورسٹی کا رخ کیا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مجھے نوکری کرتے ہوئے تعلیم حاصل کرنا ہے۔ چونکہ جامعہ میں کلاسوں میں حاضر ہونا ضروری ہے جبکہ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ایم اے سال اول میں داخلہ لیا۔ سنابل میں تدریس کے دوران ایک عجیب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا، ہوا یہ کہ ششماہی امتحان کی چھٹی میں مجھے تدریسی اسٹاف کے مطابق چھٹی نہیں دی گئی تھی۔ سکریٹری صاحب نے کہا تھا کہ سالانہ چھٹی میں دیکھا جائے گا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے سالانہ چھٹی کے بارے میں اس بار بھی پوچھ لیا تو اس بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ میں ایم اے سال آخر میں کچھ مہینے باہر رہ کر یکسوئی کے ساتھ پڑھائی کرنا چاہتا تھا، اس وجہ سے بغیر ادارے کو خبر کئے اساتذہ کے ساتھ میں بھی روانہ ہوگیا۔ دوسری طرف شعبہ متوسطہ کے عمید صاحب نے اساتذہ کی سالانہ رپورٹ میں میرے بارے میں یہ رائے دے دی تھی کہ میں پڑھاتا تو ٹھیک ہوں، بچے بھی میرے طریقہ تدریس سے خوش ہیں لیکن میں کسی بھی اینگل سے مدرسہ کا استاذ نہیں معلوم پڑتا ہوں۔ سالانہ امتحان کی چھٹیاں مکمل ہوئیں تو مجھے سنابل سے پھر واپس ماہنامہ التبیان کی آفس میں بھیج دیا گیا۔ یہ جگہ میرے آگے کی تعلیم کے لئے مناسب ثابت ہوئی۔ یہاں پر میں اپنی مرضی کے مطابق چھٹیوں کا استعمال کرسکتا تھا۔ چنانچہ میں مہینہ میں دو یا تین مرتبہ چھٹی لے کر دہلی یونیورسٹی جاتا تھا اور باقاعدہ کلاس میں شامل ہوتا تھا۔ میں نے

ایم اے میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ جس سال میں نے ایم اے پاس کیا اسی سال یونیورسٹی کے وائس چانسلر دیپک پنڈل نے ایک اسکیم متعارف کرائی تھی Earn while you learn یعنی تعلیم کے دوران کماؤ۔ اس کے تحت ہر شعبہ سے ایم اے میں نمایاں نمبرات حاصل کرنے والے ایک یا دو طلبا کو اسسٹنٹ ٹیچر کے طور پر ڈیپارٹمنٹ میں تقرری دی جاتی تھی اور ساتھ ہی انہیں پی ایچ ڈی بھی کرنا تھا۔ اس کے لئے باقاعدہ انٹرویو ہوا۔ رحمانی صاحب کے یہاں رہتے ہوئے جو کتابیں میں نے لکھی تھیں وہ کام آئیں۔ انٹرویو کے اکسپرٹ شمس الحق عثمانی صاحب نے میرے کام کی تعریف کی اور کہا کہ اگر آپ نے ایم اے سے پہلی بار اس معیار کا کام کیا ہے تو امید کی جاتی ہے موقع ملنے پر اردو ادب میں بھی اچھا کام کروگے۔ صدر شعبہ ارتضی کریم نے یہ کہہ کر میری حوصلہ شکنی کرنی چاہی کہ یہ سبھی کتابیں دینیات سے متعلق ہیں ادب سے ان کا کیا تعلق؟ میری طرف سے عثمانی صاحب نے میرا دفاع کیا اور کہا کہ جو شخص اس عمر میں دینیات میں تحقیقی مضامین اور کتابیں لکھ سکتا ہے وہ موقع ملنے پر اردو ادب میں بھی تحقیقی کام کرسکتا ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ عثمانی صاحب نے میرے لئے صدر شعبہ کی دشمنی مول لے کر میرا تقرر اس پوسٹ پر کیا۔ اسسٹنٹ ٹیچر کی ذمہ داریاں شعبہ میں برائے نام تھیں، میرا کام صرف یہ تھا کہ صبح جا کر رجسٹر پر دستخط کرنا اور پھر لائبریری جا کر پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری کرنا۔ اس پوسٹ کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ طلباء کو مالی اعانت فراہم کی جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے پہلی دفعہ مالی دشواریوں سے بے نیاز ہو کر پڑھائی کی۔ اس سے پہلے بی اے اور ایم اے میں نے ملازمت کے دوران کیا تھا اس وجہ سے صرف امتحان کی تیاری کے لئے ہی پڑھائی کی تھی۔ یونیورسٹی اسسٹنٹ ٹیچر بننے کے بعد میرا سارا وقت ادب کے مطالعہ کے لئے وقف ہو گیا۔ چار سال تک میں نے شعبہ اردو میں اسسٹنٹ ٹیچر کے طور پر کام کیا اور ساتھ ہی پی ایچ ڈی

بھی مکمل کیا۔ اس بیچ میں نے جے آر ایف بھی کوالیفائی کیا لیکن اس کے پیسے لینے کی نوبت نہیں آئی، اسسٹنٹ ٹیچر کے چار سال جب مکمل ہو گئے تو میں نے چار یا پانچ مہینوں کے لئے جے آر ایف کے پیسے لینے کے لئے درخواست دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تعلیم کے دروازے کھول دیئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ آگے کے راستے کھولتا رہا۔ جس کی وجہ سے اساتذہ کا دست شفقت بھی شامل حال رہا۔ دہلی یونیورسٹی میں پروفیسر ابن کنول صاحب کی نگرانی میں اقبال تنقید پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ میرے ممتحن جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب تھے۔ انھوں نے پی ایچ ڈی کے کام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک میں نے دہلی یونیورسٹی کے دیال سنگھ کالج میں پڑھایا۔ چھ سات مہینے کے بعد یو جی سی کی ایک اسکیم پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلوشب کے لئے منتخب ہو گیا، اس طرح ایک بار پھر میں اپنے شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں تین سال کے لئے آ گیا یہاں میں نے اردو افسانوں میں دیہی زندگی کی عکاسی پر مقالہ لکھا۔ اسی دوران بنگال میں کالج سروس کمیشن کے تحت اردو اسسٹنٹ پروفیسر کے لئے انٹرویو ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر کامیابی نصیب فرمائی اور تقریبا چار سو امیدواروں میں میرا تقرر بحثیت اردو اسسٹنٹ پروفیسر ہوا۔

اب تک کی تعلیمی سفر کو جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر باپ کا سایہ ہمارے اوپر سے چھین لیا تھا تو اس کے بدلے میں اس نے ہمیں ایسے مشفق اساتذہ اور ایسے سرپرست عطا فرمائے جنھوں نے تعلیم کے ہر مرحلے میں ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اساتذہ کرام میں جامعہ اسلامیہ سنابل کے شیخ نور الحسن مدنی، ڈاکٹر مفضل مدنی، شیخ عبدالبر مدنی، شیخ فضل الرحمٰن ندوی، شیخ عبدالعزیز مدنی، مولانا الیاس صاحب سلفی اور ماسٹر ثروت حفظہم اللہ کی خاص شفقت وعنایت

مجھے حاصل رہی۔ دہلی یونیورسٹی میں پروفیسر ابن کنول، پروفیسر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر ابو شہیم، ڈاکٹر محمد اکمل، پروفیسر نجمہ رحمانی، ڈاکٹر ارشاد نیازی، ڈاکٹر امتیاز احمد وغیرہ سے کسب فیض کا موقع ملا خاص طور پر پروفیسر ابن کنول صاحب کا احسان میں اس لئے نہیں بھلا سکتا کیونکہ انھوں نے مجھے باپ جیسی شفقت عنایت فرمائی۔ روزانہ اپنی گاڑی سے دہلی یونیورسٹی لے جاتے اور شام کو اپنی گاڑی سے واپس لاتے تھے۔ اوکھلا اور دہلی یونیورسٹی کے بیچ کے سفر میں استاذ محترم کی رفاقت میری زندگی کے سب سے قیمتی لمحات میں سے ایک ہیں۔

پی ایچ ڈی کے دوران ہی ۲۰۱۱ء میں میری شادی نائمہ بنت عبدالسلام ممبئی میں ہوئی۔ وہ میرے چھوٹے نانا کی نواسی ہیں۔ الحمد للہ ان سے دو بچے ہیں ایک کا نام ارحم دوسرے کا نام ارقم ہے۔

حفظ قرآن، عالمیت اور فضیلت کے بعد یونیورسٹی کی تعلیم اور پھر کالج میں اردو زبان وادب کی تدریس کا سفر ایک لحاظ سے کامیاب سفر کہا جا سکتا ہے لیکن یہاں آ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ سنابل میں رہتے ہوئے میں نے اسلامیات پر جو کام کیا تھا اس سے میرا رشتہ ٹوٹ سا گیا ہے، میں نے وہاں رہتے ہوئے کھرے سکے اور کھوٹے سکے کالم کے تحت سیکڑوں تحقیقی مضامین لکھے تھے۔ احادیث کی صحت اور ضعف کی نشاندہی میرا محبوب مشغلہ تھا۔ اسلامی موضوعات پر کئی اہم تحقیقی مضامین لکھے تھے، اب ان مضامین کو دیکھتا ہوں تو خود کو یقین دلانا پڑتا ہے کہ یہ میرے مضامین ہیں۔ بعد میں کھرے کھوٹے کے تحت شائع ہونے والے مضامین کو میں نے اکٹھا کر کے اندھیرے اجالے کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی۔ دینی موضوعات پر اجالے کے علاوہ میں نے نماز جمعہ کے احکام ومسائل، نماز وتر کے احکام ومسائل پر بھی کتاب لکھی تھی لیکن ابھی تک یہ شائع نہیں ہوئی ہیں۔ میرا ارادہ اسلام میں جانوروں کے حقوق پر ایک تحقیقی کتاب لکھنے کا تھا، مواد

بھی اکٹھا کرلیا تھا لیکن مکمل نہیں کرسکا تھا، اب ارادہ ہے کہ فرصت ملتے ہی اس کو مکمل کروں گا، ادبی کتابوں میں ''ابن کنول بحثیت افسانہ نگار''، ''اقبال تنقید''، ''اردو اور جدید ٹکنا لوجی'' کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، کشمیر یونیورسٹی اور ناسک یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب کی تیاری میں اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع ملا ہے، کوشش یہ ہے کہ جہاں بھی رہوں قوم وملت کی بھلائی کے لئے جو بھی ہوسکے کرتا رہوں۔

نظم

٭ نتیجۂ فکر: ڈاکٹر افروز طالب حفظہ اللہ

کتاب وسنت نبویؐ سے رشتہ توڑ بیٹھے ہیں
کچھ ایسے لوگ ہیں جو دین سے منھ موڑ بیٹھے ہیں

جہاں جب جس کا جی چاہا نیا آغاز کر ڈالا
کہ لوگوں نے شریعت کو ہی خانہ ساز [1] کر ڈالا

لئے اسلاف کا پرچم صف تصنیف میں آیا
قلم کے اس مجاہد نے ہمیں آئینہ دکھلایا

ہے ان کا نام عبدالرؤف ندوی دیدہ ور ہیں یہ
محقق ہیں مصنف ہیں بڑے عالی نظر ہیں یہ

ہمارے معاشرت کی ہو نہ یوں دنیا میں بدنامی
بتایا ہم کو کیا ہیں اصل میں آداب اسلامی [2]

وہ عورت جس کے حصے تھی فقط ذلت ورسوائی
ہوئی عالی مقام اسلام کے سائے [3] میں جب آئی

دعا مقبول [4] ہو کیسے نبی کا کیا طریقہ ہے
ہمیں بتلا دیا کہ مانگنے کا کیا سلیقہ ہے

---

[1] مراد مؤلف کی مشہور کتاب خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب وسنت ہے [2] مراد کتاب ''اسلامی آداب معاشرت'' [3] مراد کتاب عورت اسلام کے سائے میں [4] ''کتاب الدعا''

کہاں سے دیں کو زک پہونچا کنھوں نے فتنے برپائے
سبق [1] آموز تاریخی حقائق سامنے لائے

خطا لمحے کی ہوتی ہے سزا صدیوں کو ملتی ہے
کرو تسلیم سچے دل سے جو بھی اپنی غلطی ہے

مسلمانوں نماز پنجگانہ فرض ہے تم پر
ضروری ہے ادا کرنا یہ رب کا قرض ہے تم پر

نمازیں تم پڑھو اے مومنو! مثل رسول اکرمؐ [2]
تمہارے جسم کی اور روح کی بس ہے یہی ہمدم

اندھیرے شرک وبدعت کے کبھی جب دین پر چھائے
ہمارے نیک دل اسلاف حق کی روشنی لائے

مزین ہے سلف کا کارواں [3] نادر نگینوں سے
گہر سے، لعل سے، ہیرے، زمرد، آبگینوں سے

پرانے اور دور حاضر کے نیک بندوں کا
کہ اس میں تذکرہ ہے قوم کے ان دردمندوں کا

مورخ ہیں، مولف ہیں ہمارے ندوی مولانا
ہمیشہ ان پہ تو اللہ میرے فضل فرمانا

دعا افروز کی ہے کاش یہ مقبول ہو جائے
شریعت ہی ہماری زیست کا معمول ہو جائے

❁❁❁

[1] مراد مولف کی کتاب عبرت آموز تاریخی واقعات [2] مراد مؤلف کی کتاب رسول اکرم ﷺ کی نماز
[3] مراد مؤلف کی مشہور ومعروف کتاب کاروان سلف اول تا نہم

علم وحکمت کی زمین کے آسماں

کاروان سلف کے روح رواں
آپ جیسا دوسرا کوئی نہیں

یاد رکھیں گے ہمیشہ اہل دیں
آپ کے جہد وعمل کی داستاں

کھل اٹھے ہیں انگنت لفظوں کے پھول
شخصیت ہے آپ کی اک گلستاں

شب کی تنہائی میں ہے یاد خدا
اور محفل میں ہیں گل افشانیاں

ذہن کو شاداب کرتی ہیں مرے
دوستو! ان کے قلم کی شوخیاں

آپ کی خدمات وافکار پر
ناز کرتی ہے بہت اردو زباں

اپنی کم علمی پہ شرمندہ ہوں میں
کیسے لکھوں آپ کی سب خوبیاں

نام نامی آپ کا عبدالرؤف
علم وحکمت کی زمیں کے آسماں

زاہد آزاد جھنڈانگری

صدر انجمن ارتقاء اردو ادب نیپال، مشرف جامعہ خدیجۃ الکبریٰ جھنڈانگر نیپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران:۱۰۳)

تم سب متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

تاریخ

اہل حدیث بلرام پور یو پی

تالیف

عبدالرؤف خاں ندوی

ترتیب و پیشکش

زبیر احمد عبدالمعبود مدنی

ناظم اعلیٰ

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور یو پی

ناشر

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

محلّہ پُروا، تلسی پور، ضلع بلرام پور (یو پی)

انتساب

قائد جماعت شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے نام جن کی شش جہت شخصیت کو بلا تفریق مسلک ومشرب اسلامیان ہندو پاک کبھی فراموش نہیں کر سکتے آریہ کا چیلنج ہو، یا سناتن کی ہرزہ سرائی، قادیانیت کا طلسم ہو یا منکرین حدیث کی یاوا گوئی ہر موڑ ومحاذ پر آپ کی زبان کی گل ریزیاں اور قلم کی نگارشات کام آتی رہیں مناظرے کا خاردار میدان ہو یا مباہلے کا دہکتا آتش دان ہر جگہ سینہ تان کر کھڑے رہے، زبان وقلم کی معرکہ آرائیوں میں فریق مخالف کو دندان شکن جواب دے کر مہر بلب کرنے کا ہنر کوئی آپ سے سیکھتا آپ کی ذات ستودہ صفات میں نہ جانے کتنی ہنر مندیاں اور خوبیاں مجتمع ہوگئی تھیں یہ کتاب شیخ الاسلام علامہ امرتسری رحمہ اللہ سے سچی عقیدت کا اظہار ہے اور علامہ امرتسری سے وابستگی کا ایک مظبوط ذریعہ۔

(عبدالرؤف خاں ندوی)

فہرست مضامین

(تاریخ اہل حدیث بلرام پور، یوپی)

نمبر شمار	مضامین	اسمائے مضمون نگار	صفحہ
1	انتساب	شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	311
2	شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اہل حدیث	شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ	318
3	اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں	علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ	319
4	عرض ناشر	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور	321
5	یہ تھے ہمارے سلف صورت مہ وخورشید	عبدالرؤف خاں ندوی	333
6	اسلام اور اہل حدیث	شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ	355
7	تہنیت وتبریک	فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ امیر جماعت اہل حدیث بلرام پور	363

8	مقدمہ	فضیلۃ الشیخ شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال	366
9	تحریک اہل حدیث منزل منزل	فضیلۃ الشیخ ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ استاذ صفا شریعت انٹر کالج ڈومریا گنج سدھارتھ نگر یوپی	381
10	داستانیں لکھ کے رکھ لیں چند عنوانوں کے ساتھ	فضیلۃ الشیخ محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ صدر ابوالکلام آزاد اویکننگ سنٹر نئی دہلی	390

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
11	ضلع گونڈہ، بلرام پور، بستی اور سدھارتھ نگر کی تاریخ اہل حدیث کے چند اوراق	394
12	آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا قیام	402
13	کانفرنس کے سالانہ جلسے	403
14	تاریخ اہل حدیث گونڈہ و بلرام پور	407
15	ضلعی جمعیت گونڈہ منزل بہ منزل	429
16	قیام دفتر	429
17	دستور اساسی	430
18	جمعیت کا نصب العین	430
19	اجرائے مکاتب و مدارس الحاق و تنظیم	430
20	نصاب تعلیم	431
21	دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں	431
22	نشر و اشاعت	432
23	جمعیت لائبریری	432
24	اخبارات و رسائل	433
25	جمعیت کتاب گھر	433

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
26	مشاہدات وتاثرات	434
27	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ صاحبِ مرعاۃ المفاتیح	434
28	خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگریؒ سابق ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال	435
29	مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس	436
30	فخر جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند	437
31	مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ سابق ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس	439
32	تقسیم ملک کا حادثہ	440
33	کاظمی بل	441
34	مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا رہنما اصول	442
35	جمعیت گونڈہ وبستی کی مشترکہ تشکیل	444
36	آل انڈیا اہل حدیث نوگڈھ کانفرنس کی منظوری	445

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
37	آل انڈیا اہل حدیث نوگڈھ کانفرنس	446
38	علامہ بسکوہری کا عربی قصیدہ	447
39	مولانا زین اللہ ضیغم کے چند اشعار	449
40	اثرات ونتائج	450
41	مرکزی دار العلوم بنارس	451
42	جمعیت گونڈہ کی الگ تشکیل	451
43	ریاستی کانفرنس تلسی پور	452
44	ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کا مثالی دور	452
45	ایک عظیم جماعتی وملی حادثہ	454
46	جمعیۃ گونڈہ وبلرام پور کے عہدیداران کی تفصیل	455
47	ضلعی جمعیت کی جامع مسجد پوروہ تلسی پور کی تعمیر	459
48	آفس ومدرسہ ریاض الاسلام کی تعمیر	463
49	استدراک	464
50	ضلعی جمعیت بلرام پور کے چند اہم نمایاں خدمات	467
51	شعبۂ دعوت وتبلیغ	467
52	شعبۂ نشر واشاعت	468

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
53	شعبۂ کفالت ایتام وارامل	470
54	تعلیمی مظاہرہ کا انعقاد	471
55	تعلیمی وتربیتی اور ٹیچر ٹریننگ منعقد کرنا	471
56	مکاتب اسلامیہ کا تعلیمی مظاہرہ اور سالانہ امتحان کرانا	471
57	ضلعی جمعیت بلرام پور کے عزائم ومنصوبے	472
58	موجودہ اسماء اراکین عاملہ وشوریٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور	474
59	موجودہ اسماء اراکین عاملہ وشوریٰ مدرسہ ریاض الاسلام پوروہ تلسی پور	479
60	موجودہ نظماء حلقہ جات ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور	481
61	اسمائے مدارس ومکاتب ملحقہ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور	482
62	نصاب تعلیم برائے مکاتب ملحقہ ضلعی جمعیت بلرام پور	497
63	اخوان جماعت کی خدمت میں دردمندانہ اپیل	504
64	مرض اور علاج	507
65	بالاکوٹ کے غار سے پوچھو	508
66	جمعیت اہل حدیث نظم	509
67	ترانۂ توحید	511

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہٗ اللہ
اور
اہل حدیث

اهل الحديث من اعظم الناس بحثاً عن اقوال النبی صلی الله علیه وسلم وارغب الناس فی اتباعها وابعد الناس عن اتباع الهویٰ فهم فی اهل الاسلام کاهل الاسلام فی سائر الملل (منهاج السنة)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب منہاج السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی تلاش وجستجو اوران کے اتباع کی خواہش ورغبت نیز خواہشات نفسانی کے اتباع سے دوری میں سب سے عظیم الشان مقام اہل حدیث کا ہے، بنا بریں اہل حدیث کا مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں وہی درجہ ہے جو خود مسلمانوں کا باقی ادیان وملل والوں کے مقابلہ میں۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں

یہ صحیح ہے کہ ہمارے درمیان کوئی اسماعیل نہیں، کوئی ولایت علی اور اولاد حسین نہیں، کوئی یحییٰ علی اور احمد اللہ نہیں، کوئی نذیر حسین، صدیق حسن اور عبدالعزیز رحیم آبادی نہیں، کوئی ثناء اللہ اور ابراہیم سیالکوٹی نہیں، اور یہ صحیح ہے کہ یہ عظیم وجلیل شخصیتیں اپنی اپنی جگہ ایک ایک امت کی حیثیت رکھتی تھیں ان میں ایک ایک فرد کئی کئی جماعتوں اور اداروں اور تنظیموں پر بھاری تھا، تنہا ثناء اللہ امرتسری کی شخصیت نے دور آخر میں جو کارنامے انجام دیئے، دس تنظیمیں بھی مل کر اس کا عشر عشیر نہیں انجام دے سکتیں لیکن دوستو! ہم کب تک ماتم کرتے رہیں گے کب تک مرثیہ پڑھتے رہیں گے ہمارے ہاتھ میں کتاب وسنت تو ہے حُبّ الٰہی اور حُب نبوی کا جذبہ تو ہے اتباع کتاب وسنت کی کلید تو ہمارے پاس ہے اور جماعت کی پوری عظیم الشان تاریخ کے ہم وارث تو ہیں ان علماء کی رہنمائیاں ان کی ہدایات اور ان قدوسیوں کے نقوش قدم تو ہمارے سامنے ہیں اور سب سے بڑی وہ دولت تو محفوظ ہی ہے جس نے انھیں اپنے وقت کا امام و مصلح اور مجدد بنایا اور وہ ہے تحریک حدیث مسلک اہل حدیث اتباع کتاب وسنت کا مشن۔

آیئے ہم کتاب وسنت کے مشعل کو ہاتھ میں لیں اسوۂ نبوی ہمارا رہنما ہو اسلاف کی قربانیاں ہمارے لئے مہمیز بنیں اور ہم پھر خلفاء راشدین، صحابہ و تابعین، اتباع تابعین، شافعی، احمد، ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن قیم، محمد بن عبدالوہاب، ولی اللہ، اسماعیل دہلوی، نذیر حسین، صدیق حسن، عبداللہ غزنوی، عبدالعزیز رحیم آبادی، ثناء اللہ امرتسری، فاخرزائر الہ آبادی رحمہم اللہ کے نقوش قدم کو تابندہ اور شرک وکفر، الحادو زندقہ، اباحیت، اشتراکیت وشیوعیت، بدعات و خرافات اور ہر باطل کے سامنے سینہ سپر ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق و مدد سے نوازے آمین۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

(مجموعہ مقالات جلد اص ۱۹۶۔ از علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہٗ اللہ)

عرض ناشر

مذہب اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دین فطرت ہے، اس نے اپنے جاننے والوں کو اجتماعیت اور شورائیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا لا جواب عمدہ ضابطہ مہیا کیا ہے۔ اجتماعی نظم و جماعت کو اللہ رب العزت کی خوشنودی کا ذریعہ بھی بنایا۔ ارشاد ربانی ہے ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ (الحجرات:۱۰) بیشک تمام مومن باہم بھائی بھائی ہیں، مومنوں کے آپس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہئے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ“ [1]

تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور معاون و مددگار ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو ایک دوسرے کا مددگار و معاون اور ہمدرد قرار دیا ہے، اور وہ اپنے اسی تعلق کی بناء پر ایک دوسرے سے خیر خواہی کرتے ہوئے باہم نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور پنجوقتہ نمازیں مل کر ادا کرتے ہیں۔ مالدار اپنے غریب بھائیوں کو زکوٰۃ دے کر انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرتے ہیں، اور ان کی باہمی اجتماعی زندگی کا اہم شعار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ ارشاد نبوی ہے ”يد الله مع الجماعة“ [2]

اللہ کا ہاتھ اس کی (مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہماری زندگی کا حقیقی مقصد اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی ہے، جو منہج سلف کی روشنی میں کتاب و سنت کی اطاعت و اتباع ہی میں ممکن ہے، لہذا رب کی بندگی اور دعوتی زندگی میں اجتماعی نظم کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہی وہ اصل زندگی ہے،

[1] التوبة:۷۱ [2] سنن ترمذی:۲۱۶۶

جس کے لئے انسانوں اور جنوں کی تخلیق ہوئی جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:
﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]
میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت و بندگی کے لئے پیدا کیا ہے، تاکہ تمام صلاحیتوں کو جمع کرکے پوری طاقت وقوت کو اس انبیائی دعوتی مشن کے لئے لگایا جاسکے۔ارشاد ربانی ہے۔﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[2]

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی جانب بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

اسی اجتماعی نظم کے قیام و استحکام کے لئے رسول اکرم ﷺ نے ایک ایسی جماعت کی خوشخبری دی جو ہمیشہ دین حق پر قائم رہے گی، ارشاد نبوی ہے" لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرين لا يضرهم من خذلهم حتى ياتی امر الله وهم كذلك"[3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہتے ہوئے (دلائل و براہین کے ساتھ) غالب رہے گا۔ جو ان کی مخالفت کرے گا وہ انھیں نقصان نہیں پہونچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا (یعنی قیامت) اور وہ بدستور اسی حال میں ہوں گے،، وہ جماعت اہل حدیث ہی ہے جس کا وجود اسلام کے وجود سے منسلک و مربوط ہے اور اہل حدیث اس وقت سے ہیں جب سے صحابہ کرام ہیں کیونکہ صحابہ کرام بھی قرآن وسنت کی ہی اتباع کرتے تھے اور اہل حدیث حضرات بھی قرآن وسنت ہی کی اتباع کرتے ہیں ان کا منہج بھی قرآن وحدیث پر مبنی تھا اور اہل حدیث

[1] الذاریات:٥٦ [2] آل عمران:١٠٤ [3] صحیح مسلم:٤٩٥٠

حضرات کا منہج بھی قرآن وسنت پر ہی مبنی ہے۔

ہندوستان میں بھی اہل حدیث اسی وقت سے ہیں جب سے یہاں اسلام کی کرن پھوٹی اور جب ۹۲ھ میں محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا قافلہ سندھ کی سرزمین پر اترا، اس وقت مذہب اربعہ کا وجود اور نام ونشان تک نہیں تھا اس لئے یہ کوئی اور جماعت نہیں بلکہ خالص متبع کتاب وسنت اور اہل حدیثوں کی جماعت تھی، جیسا کہ ابوعبداللہ محمد بن احمد المقدسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم** (ج۱رص:۴۸) میں سندھ کی ایک بستی اور اس کے اطراف واکناف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **مذاهبهم اكثر هم أصحاب الحديث** ۔ان میں سے اکثر اہل حدیث کے مذہب پر تھے۔

۞ اس جماعت کا نام اہل حدیث کیوں رکھا گیا؟ اہل قرآن وحدیث کیوں نہیں رکھا گیا؟

تو جواب یہ ہے کہ ایسا پانچ وجوہات واسباب کی بناء پر کیا گیا۔

(۱) چونکہ قرآن کے حجت اور دلیل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جبکہ حدیث کی حجیت کے سلسلے میں بعض نا اہل لوگوں نے اختلاف کیا ہے، لہذا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ اہل قرآن ہے تو ممکن ہے کہ وہ منکر حدیث ہو، جبکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اہل حدیث ہے تو اس کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث دونوں کا ماننے والا ہے۔

(۲) اس معنی کی اصطلاح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں موجود تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”انه سياتي ناس يجادلو نكم بشبهات القران فخذو هم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله“۔

بے شک کچھ لوگ تمہارے پاس قرآن کریم کی متشابہ آیات لے کر آئیں گے تم سنت کے ذریعہ ان کی پکڑ کرنا کیونکہ اصحاب سنن قرآن کریم کے بارے میں زیادہ علم

رکھتے ہیں۔

اس اثر میں اصحاب سنن سے مراد اہل حدیث ہیں کیونکہ سنت حدیث کا ہی دوسرا نام ہے اور اصحاب اہل کے معنی میں آتا ہے۔

(۳) حدیث کا اطلاق قرآن وحدیث دونوں پر ہوتا ہے جیسا کہ خود رب العالمین نے قرآن کے اندر ارشاد فرمایا﴿ اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ﴾ [1]

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے۔

(۴) آپ تمام مذاہب پر نظر دوڑا کر دیکھ لیں ہر کوئی اپنے امام کے قول کو درست ثابت کرنے کے لئے کبھی حدیث کی تاویل کرتے ہیں تو کبھی صراحتاً رد کر دیتے ہیں جبکہ اہل حدیث ہی وہ جماعت ہے جس کے سامنے اگر کوئی حدیث آجائے تو اس کے مقابلے میں کسی اور کی رائے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، لہٰذا اس ناحیہ سے صرف اہل حدیث ہی مکمل طریقے سے حدیث پر عمل پیرا ہیں جبکہ دوسرے مذاہب والے حدیث پر اس وقت عمل کرتے ہیں جب وہ ان کے مذاہب کے مطابق اور موافق ہو۔

(۵) اہل حدیث اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اہل حدیث پہلے دلیل تلاش کرتے ہیں پھر اگر کبھی امام کا قول اس کے خلاف ملے تو ان کے لئے عذر تلاش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے انہیں یہ حدیث نہ ملی ہو، جبکہ دوسرے مسالک والے پہلے اپنے امام کا قول تلاش کرتے ہیں پھر اگر کوئی حدیث اس قول کے مخالف ملے تو کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ امام صاحب کے پاس کوئی اور حدیث رہی ہوگی جو ہم تک نہیں پہونچی فریق اول حدیث پر عمل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے

[1] الزمر:۲۳

جبکہ فریق ثانی امام کے قول پر عمل کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔[1]

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل حدیث عہد صحابہ سے ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جب کسی نوجوان طالب علم کو دیکھتے تو کہتے "انکم خلوفنا وأهل الحديث بعدنا" [2]

بے شک تم ہمارے خلف ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔

اس جملہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ خود کو اہل حدیث کہتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ ہمارے بعد تم لوگ ہی ہمارے خلف اور اہل حدیث ہو اور اہل حدیث کا لقب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان معروف ومشہور تھا۔

علامہ نسوی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

أهل الحديث هم أهل النبي وان

لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

اہل حدیث نبی اکرم ﷺ کے ساتھی ہیں (ان میں سے) جن کی زندگی میں آپ ﷺ کی صحبت میسر نہ آسکی تو اسے آپ کی مبارک سانسوں (حدیث پاک) سے تو شرف صحبت حاصل ہے۔

جماعت اہل حدیث کتاب وسنت پر عمل کرنے والی جماعت ہے۔ یہ جماعت شریعت اسلامیہ کے دونوں مصدر ومنبع پر اتباع کرنے والی جماعت ہے، جماعت اہل حدیث کلمہ اسلام "لا اله الا الله محمد رسول الله" پر اس کے کامل مفہوم کے ساتھ ایمان رکھتی ہے، بے شک اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور اس کے رسول ہیں۔ نیز قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں

[1] مذہب اہل حدیث عہد صحابہ سے عصر حاضر تک ص:۶/۴ [2] شرف اصحاب الحدیث: ص۲۲

توحید و رسالت اور عقائد و ایمانیات سے متعلق جتنی بھی چیزیں ہیں جماعت اہل حدیث ان سب پر بعینہ اسی طرح عقیدہ رکھتی ہے جس طرح کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

جماعت اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ پر دین مکمل کیا جا چکا ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔اسی طرح جماعت اہل حدیث انبیائے کرام کی توہین کو کفر اور بزرگان دین کی توہین کو فسق قرار دیتی ہے۔

جماعت اہل حدیث کتاب وسنت کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری سمجھتی ہے اور ان کے مقابلے میں عقلی آراء اور مسلکی اقوال کو پیش کرنا اور ان سے چمٹے رہنا حرام تصور کرتی ہے۔

جماعت اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس سے احکام شرعیہ میں غلطی کا امکان نہ ہو لہذا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی بھی متعین شخص کو تمام شرعی امور میں مرجع مان لینا درست نہیں ہے۔

جماعت اہل حدیث نہ صرف کتب ستہ کی حدیثوں کو بلکہ ہر اس حدیث کو دلیل وحجت مانتی ہے جس کی سند محدثین کے متعینہ اصول وضوابط کے مطابق معتبر ہو نیز وہ غیر معتبر احادیث کو دلیل وحجت نہیں مانتی خواہ وہ کسی بھی کتاب میں وارد ہو۔

امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی سنن دارمی ۱۲۴/۱ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کلام روایت کیا ہے ”کتاب اللہ اور سنت رسول کے ہوتے ہوئے کسی کی رائے کو قبول نہیں کیا جا سکتا ہے ائمہ دین کی رائے اور قول کو اس وقت قبول کیا جائے گا جب کتاب اللہ اور سنت رسول میں وہ حکم موجود نہ ہو۔“

یہ تمام مذکورہ باتیں اہل حدیث کی خصوصیات اور امتیازی خوبیوں میں سے ہیں۔

جماعت اہل حدیث کا طرۂ امتیاز سلسلۂ روایت حدیث بھی ہے، امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ” الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء

ما شاء" (مقدمہ صحیح مسلم) اسناد دین کا حصہ ہے اور اگر سند کا اہتمام نہ ہوتو جس کے جی میں جو آتا کہتا پھرتا، تحقیق سند اور صحت روایت کا اہتمام کرنے کی غرض سے محدثین کرام نے جس قدر محنت اور کاوش کی۔ آج اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی کتابیں اس کی شاہد عدل ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں " **لولا الاسناد وطلب هذه الطائفة (اهل الحديث) له وكثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام**"[1]

اگر سند نہ ہوتی اور اہل حدیث اس کا خصوصی اور با قاعدہ اہتمام نہ کرتے تو آج دین اسلام کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔

صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے ادوار میں ائمہ دین ومحدثین سب اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک جو تحریک شہیدین سے مشہور ہوئی جس نے ایک ایسے مثالی معاشرہ کے لئے سعی وکوشش کی جو کتاب وسنت کا فدائی ہو اور اس میں تمام احکام الٰہیہ جاری وساری ہوں، جہاں تمام معاملات نبوی طریقہ پر فیصل ہیں اور دستور العمل بھی نبوت کے طریقے پر ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے مبارک خانوادے پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں جنہوں نے مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے آشنا کیا اور کتاب وسنت کی جانب توجہ دلائی، کتاب وسنت کی اس مسند پر اس مبارک خانوادے کے بعد شیخ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل علامہ سید محمد نذیر حسین میاں محدث دہلوی رحمہ اللہ کی نمایاں شخصیت ہے جنہوں نے پون صدی تک اس مسند کو زینت بخشی اور کتاب وسنت کے بے شمار خدام پیدا کردیئے، اللہ ان سبھوں کی قبروں کو نور سے بھردے۔ آمین۔

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث: ص ٦

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ کوئی بھی کام نظم وضبط اور اتفاق واتحاد کے ساتھ کیا جائے تو کافی موثر ہوتا ہے بنا بریں خدام دین وحاملین کتاب وسنت اور اکابر علمائے اہل حدیث نے دین خالص کی تبلیغ واشاعت کے لئے ایک منظّم پروگرام بنانے کی ضرورت محسوس کی ۔ اور ۱۹۰۶ء میں ’’ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس‘‘ کے نام سے تنظیم عمل میں آئی ۔ اس تنظیم کے سب سے پہلے با اتفاق رائے صدر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ علامۃ العصر فاتح قادیان مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ منتخب ہوئے ۔ اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے زیر اہتمام ملک کے طول وعرض میں مختلف جہات سے دعوتی، تنظیمی اور تبلیغی کام ہوتے رہے، ضلع گونڈہ حال بلرام پور کے مشہور ومعروف گاؤں کنڈؤبونڈھیار میں ۱۹۲۸ء میں سہ روزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی، اس کے بعد تقسیم ملک کا دلدوز حادثہ پیش آگیا جس میں ہماری جماعت کا عظیم نقصان ہوا اور جماعتی شیرازہ بکھر کر رہ گیا، حالات جب کچھ سازگار ہوئے تو ضلعی جمعیت گونڈہ، بلرام پور، سدھارتھ نگر اور بستی کے افراد جماعت کے شب وروز محنت سے قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ کی صدارت میں’’ آل انڈیا اہل حدیث نوگڈھ کانفرنس‘‘ کا سہ روزہ مثالی اجلاس سرزمین سدھارتھ نگر (نوگڈھ) میں منعقد ہوا۔ تقسیم ملک کے بعد ایسی مثالی تاریخی اجلاس پورے ملک میں دیکھنے کو نہ ملا اور بظاہر نہ کوئی امید ہے ۔ الا ان یشاء اللہ ۔

اس کانفرنس کے بعد ۱۹۶۳ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کا وجود عمل میں آیا، پورے ملک میں جماعتی شیرازہ جو بکھرا ہوا تھا اس کی تنظیم سازی ہوئی، پورے ملک میں مقامی، ضلعی اور صوبائی جمعیتوں کا قیام عمل میں آیا، گونڈہ وبستی جمعیتوں کی متحدہ تشکیل ہوئی،

جس کے صدر باتفاق رائے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ اورنائبین صدر ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبستی مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ ومولانا عبدالقدوس ٹکریاوی رحمہ اللہ وناظم اعلیٰ مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر سمراوی رحمہ اللہ منتخب ہوئے۔ پورے ملک میں صوبہ یوپی آبادی ورقبہ کے لحاظ سے بہت بڑا ہے اس لئے یوپی کی جمعیت کو مشرقی یوپی اور مغربی یوپی کے نام سے تقسیم کردیا گیا ہماری جمعیت اہل حدیث بلرام پور مشرقی یوپی کی تنظیم سے وابستہ اوراس کی ایک زرّیں کڑی ہے، جب کام کا پھیلاؤ زیادہ ہوا تو ارباب جمعیت گونڈہ وبستی کے مشورے پر ضلعی جمعیت گونڈہ وبستی کی الگ تشکیل عمل میں آئی۔ سب سے پہلے ضلعی جمعیت گونڈہ کے صدر مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ جناب فصیح الدین خاں رحمہ اللہ باتفاق رائے منتخب ہوئے اور یہ دونوں حضرات ضلعی جمعیت گونڈہ وبلرام پور کو آخری سانس تک اپنے خون جگر سے آبیاری کرتے رہے، واضح رہے کہ ضلعی جمعیت گونڈہ وبلرام پور کا صدر دفتر شروع ہی سے تلسی پور رہا ہے۔

محترم قاری عبدالقوی اثری رحمہ اللہ نے ۸۵-۱۹۸۴ء میں ایک سال نائب ناظم کے عہدہ پر فائز رہ کر حتی الامکان جمعیت کے عروج وارتقاء کے لئے کوشاں رہے، بلکہ موصوف نے جمعیت میں دوبارہ نشاۃ ثانیہ کے طور پر روح پھونکی جو جمود وتعطل کا شکار ہوچکی تھی، ماشاء اللہ ایک سال کی مدت میں نمایاں خدمات انجام دی ہے، قاری صاحب رحمہ اللہ کے دور میں بحیثیت آفس سکریٹری مولانا سعید احمد قاسمی رحمہ اللہ اور بحیثیت آرگنائزر ماسٹر محمد ادریس رحمہ اللہ تھے کئی سالوں تک مولانا نظام الدین ندوی حفظہ اللہ نے بحیثیت آفس سکریٹری جمعیت کے مفوضہ فرائض انجام دیتے رہے، اور حتی الامکان جمعیت کے چراغ کو جلائے رکھا۔

جب جمعیت جمود و تعطل کا شکار ہوئی تو ارباب جمعیت کی موجودگی میں استاذ الاساتذہ مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ نے اپنی نگرانی میں بتاریخ ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ ایک ایڈھاک کمیٹی بنائی، اور پھر دوسرے سال ۸ر مارچ ۲۰۰۷ء بروز جمعرات از سرنو جمعیت کی تشکیل کی گئی اور اسی میٹنگ میں مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ کو امیر جمعیت اور نائبین امیر جمعیت مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ اور مولانا تبارک حسین قاسمی رحمہ اللہ اور ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ اور معاون ناظم مولانا صغیر احمد سراجی مدیر الکلیۃ الاسلامیہ تلسی پور حفظہ اللہ اور زبیر احمد عبدالمعبود مدنی باتفاق رائے منتخب ہوئے۔

پھر بتاریخ ۲ر مئی ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ ایک ہنگامی میٹنگ ہوئی جس میں امیر جمعیت فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ اور ناظم اعلیٰ راقم الحروف خاکسار زبیر احمد عبدالمعبود مدنی کو باتفاق رائے منتخب کیا گیا جو جمعیت کے مفوضہ امور کی انجام دہی میں کوشاں ہے۔

ضرورت تھی کہ اس قدیم جمعیت کی تاریخ مرتب کی جائے چونکہ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور ایک دعوتی، تبلیغی، تنظیمی، اصلاحی، رفاہی اور نشریاتی ادارہ ہے، کتاب ''تاریخ اہل حدیث بلرام پور'' کی تالیف کے لئے ارباب جمعیت اہل حدیث بلرام پور نے فضیلۃ الشیخ عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کو مکلّف کیا، بفضل اللہ موصوف اپنی ایک آنکھ سے متاثر، مستقل بیماری اور کاروان سلف کا سلسلہ جاری ہونے کے باوجود اس اہم ذمہ داری کی تکمیل کے لئے آمادہ ہو گئے، اور نہایت دقّت اور عرق ریزی کے ساتھ کتاب تیار کردی۔ فجزاہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

یہ کتاب مختصر مگر محقق وجامع ہے فضیلۃ الشیخ عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کی وہ شخصیت ہے جن کے بارے میں بلا مبالغہ عرض ہے کہ آپ نے پوری زندگی اسلام اور

مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کردی ہے آپ کی پوری زندگی مسلسل جدوجہد وپیہم سعی اور کاوش سے عبارت ہے آپ کی زندگی ہم سبھی کے لئے درس عبرت ہے، آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں تالیف کی ہیں جو بہت ہی مفید، کارآمد، قابل قدر، متداول اور مقبول خاص وعام ہیں، عم محترم کی دعوتی، تدریسی، ادارتی، انتظامی اور اصلاحی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

اہل علم وفکر کی نظر میں آپ انڈیا کے محمد اسحاق بھٹی ہیں جیسا کہ استاذ الاساتذہ فضیلۃ الشیخ ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ نے اپنی نظم میں کہا ہے۔

پاک میں تھے وہ اسحاق بھٹی مگر — فخر ہندوستان کاروان سلف
ندوی محترم کی ہیں گلکاریاں — خوشنما گلستاں کاروان سلف

البتہ واضح رہے کہ اس علمی وتاریخی کتاب کی تالیف کے محرک فضیلۃ الشیخ عطاء الرحمٰن عبداللہ سعیدی مدنی حفظہ اللہ ہیں کہ موصوف نے اس کتاب کی تالیف اور منظر عام لانے پر وقت کی اہم ضرورت قرار دیا نیز اس اہم تاریخی کتاب کی طباعت میں اپنا بیش قیمت تعاون بھی پیش فرمایا۔ **جزاکم اللہ أحسن الجزاء**۔ اور بتقاضائے حدیث **"لا يشكر الله من لا يشكر الناس"** [1]

یہ ضروری ہے کہ میں اللہ عظیم کی شکر گذاری کے بعد ان تمام مخلصین ومحسنین کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں مختلف قسم کا تعاون فرمایا ہے۔ بالخصوص فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی، فضیلۃ الشیخ ابوالعاص وحیدی، فضیلۃ الشیخ شمیم احمد ندوی، فضیلۃ الشیخ محمد رحمانی مدنی حفظہم اللہ کا شکریہ ادا کرنا تو بے حد ضروری ہے کہ ان حضرات نے عدیم الفرصتی کے باوجود اس تاریخی کتاب کے لئے بڑی قیمتی

[1] اخرجہ البخاری فی الادب المفرد: ۲۱۸

تاریخی معلومات وتاثرات سپرد قلم فرمائے۔قارئین کرام کواس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے ان کو سدا خوش رکھے اور ان کی نیکیوں میں اضافہ فرمائے اور ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن فرمائے اور مداومت کے ساتھ حسن عمل کی توفیق سے نوازے نیز اس کتاب کے مؤلف، ناشر اور جملہ معاونین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔(آمین)

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین

طالب دعا

زبیر احمد عبد المعبود المدنی

ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

۳/ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ - ۱۵/جون ۲۰۲۱ء بروز منگل

۞۞۞

یہ تھے ہمارے سلف صورت مہ وخورشید

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین نبینا محمد و علی اله و صحبه وسلم

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

موجودہ دور میں انسان نے اپنے آپ کو مادی ترقیوں سے جس قدر ہمکنار کرلیا ہے اسی قدر کرب و بے چینی الجھن و پریشانی اس کا مقدر بن گئی ہے دنیا اس کے علاج کی کھوج میں ہے مگر تعجب ہے ان دماغوں اور نگاہوں پر جو پوشیدہ دولت کی تلاش کے فن میں جتنے ماہر ہیں اس سے کہیں زیادہ اپنے ہاتھ کی دولت کو کھودینے میں طاق ہیں اس دولت سے میری مراد دولت اسلام ہے۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ہے

اللہ کا شکر ہے کہ ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اسی کو موجودہ دور کی کلفتوں کا آخری علاج سمجھتے ہیں نیز اس کے حصول کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کی تڑپ بھی رکھتے ہیں انفرادی طور پر وہ جو کچھ کر سکتے ہیں اس سے بے فکر اور غافل بھی نہیں لیکن اس سلسلہ میں سب سے بڑی جو کوتاہی پائی جاتی ہے اور محض اس کوتاہی کے باعث ہماری قربانیاں بار آور نہیں ہوتیں وہ محض فکری اور عملی انتشار ہے جو اہل نظر سے مخفی نہیں اگر اس گئی گذری حالت میں بھی ہماری موجودہ طاقت تنظیم کی شکل اختیار کرلے تو گمراہی اور دین بیزاری کا بڑے سے بڑا طوفان اس پہاڑ سے ٹکرانے کی

جرأت نہ کر سکے گا۔

اس سے قبل کہ ہم ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور کی مساعئ جمیلہ کا ذکر کریں ماضی کی طرف ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ میں جب کبھی مسلمانوں پر ادبار آیا تو ایک جماعت نے تجدید واحیاء کا اہم فریضہ ادا کرنے کے لئے میدان میں نکل کھڑی ہوئی اور تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ جماعت ہمیشہ کتاب وسنت کی خدام تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کہ

''میں تم کو دو چیزیں چھوڑے جا تا ہوں''کتاب اللہ و سنتی ''جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے صراط مستقیم سے نہیں بھٹکو گے''

بلا خوف لومۃ لائم خدمت اسلام کا فریضہ انجام دیا اور مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو ساحل پر لگایا یہ مقدس جماعت ہے جنھیں ابتدائے اسلام سے اصحاب الحدیث کہا جا تا تھا۔

اسلام کی تاریخ میں ایسی نمایاں ہیں جیسے خاکستر میں چنگاری یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عبد اللہ بن مبارک، حضرت مالک بن انس اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے زریں کارنامے اتباع کتاب وسنت سے تعبیر کیا جا تا ہے اس سنہری زنجیر کی کڑیاں اسلام کے ہر دور میں موجود رہی ہیں، چنانچہ زوال بغداد کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں کی مساعی جمیلہ زندہ وجاوید ہیں۔ اسی طرح عرب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی سرگرمیاں افریقہ میں امیر عبد القادر الجزائری شیخ سنوسی امیر عبد الکریم، مصر میں مفتی محمد عبدہ اور علامہ رشید رضا اور ترکی میں سید جمال الدین افغانی رحمہم اللہ خود ہمارے ملک میں حضرت مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد نے کتاب وسنت کا جو چراغ روشن کیا تھا اور جس نے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید وغیرہم کے جہاد فی سبیل اللہ اور نصب امارت کی صورت

اختیار کی یہ تمام واقعات تاریخ کو از بر ہیں، اسلام نے اپنے چودہ سو سالہ دور میں بہت سے ہولناک مصائب کا مقابلہ کیا ہے اور آڑے وقت میں تمسک بالکتاب والسنہ کے ساتھ اس کی دست گیری کی ہے۔علامہ اقبال نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

ہندوستان میں پہلی صدی میں اسلام آیا اس وقت تقلید ائمہ کا رواج نہیں تھا تجارتی راستوں سے جن عرب تاجروں نے ہندوستان میں تجارت کی وہیں انھوں نے عملی اور اعتقادی مسائل کو محض اخروی اجر کی خاطر پیش کیا بلکہ اس سسکتی انسانیت کے سامنے اسلام کی وہ تعبیر انھوں نے پیش کی بت پرستی تو دور کی بات ہے شخصیت پرستی کا ذرہ برابر تصور قابل برداشت نہیں تھا۔

۹۲ھ محمد بن قاسم ثقفی سندھ میں تشریف لائے انھوں نے آتے ہی سندھ، ملتان کے علاقوں کی کایا پلٹ دی۔ وہاں کے باشندوں کے دلوں سے شرک وبدعت پرستی کے جراثیم کو نکال کر توحید کی صاف ستھری اور نکھری تعلیمات کو اس انداز سے پیش کیا کہ پورا خطہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اور اسی وقت جبکہ یہ اصلاحی تحریک اپنے شباب پر تھی، محمد بن قاسم کی معزولی کا حکم آن پہونچا تو یہاں کے باشندے چیخ اٹھے اور یہ کہہ کر ان کی معزولی کو چیلنج کیا کہ یہ تو رحمت کا فرشتہ ہے ہم اسے جانے نہیں دیں گے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شہاب الدین غوری کے دور میں کیا حالات پیش آئے اس وقت شہاب الدین غوری کا بھائی شمس الدین غوری آگے بڑھا اور بادشاہ ہونے کے باوجود سنت کی تجدید کی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ محمد تغلق بادشاہ نے اپنی سلطنت میں اسلام کی سر بلندی اور اس ملک میں اسلام کے مٹتے آثار ونقوش کی تجدید میں اپنا فرض ادا کیا تھا۔

محمد تغلق بادشاہ کے دور میں جب کیفیت یہ ہوئی کہ مفتی رکن الدین اور نظام الدین اولیاء میں مناظرہ ہوا اور مفتی رکن الدین نے یہ کہا کہ تم امام ابوحنیفہ کے مقلد ہو تمھیں حدیث رسول کی کیا ضرورت ہے؟ امام صاحب کا کوئی قول پیش کرو، تاریکیاں یہاں تک بڑھ گئیں تو عین اسی دور میں محمد بن تغلق بادشاہ نے تقلید پرستی و دیگر رسوم و رواج کو ختم کیا۔

مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ کے بعض تلامذہ شام ومصر سے ہندوستان آئے تھے اور شاہ محمد تغلق کو ارباب تصوف کی بے اعتدالیوں اور خرافات اور قبر پرستی کے خاتمہ کے لئے راضی کیا نیز صلاۃ قائم کرنے اور نقوش اسلام جو مٹنے کو تھے انھیں از سرنو تازگی وتابندگی عطا کرنے پر ابھارا اور ساتھ ہی عقائد عبادات، معاملات، الغرض زندگی کے تمام گوشوں میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے طریق کو حرز جاں بنانے کی ترغیب دلائی اور انھوں نے باطل روایات وتقالید اور بدعات وخرافات کے قلع قمع کرنے میں قابل قدر حصہ لیا جن میں تین تلامذہ سرفہرست ہیں:

(۱) علامہ عبدالعزیز اردبیلی رحمہ اللہ (۲) شیخ علیم الدین رحمہ اللہ (شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے) (۳) علامہ شمس الدین ابن الحریری رحمہ اللہ

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے ''آئینہ حقیقت نما'' میں شیخ محمد اکرم (المتوفی ۱۹۷۳ء) نے آب کوثر میں مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ [1] نے ڈاکٹر محمد اسماعیل ندوی نے عرب و ہند تعلقات کی تاریخ میں ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جنھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے جنھوں نے محمد تغلق بادشاہ کو

[1] تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند ص: ۲۴-۲۵

بدعات و منکرات کے ازالہ و خاتمہ کی دعوت دی اور اوہام و خرافات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ترغیب دلائی۔ [1]

محمد تغلق بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق (۷۵۳۔۷۹۰) نے زمام حکومت سنبھالی اس نے اللہ کے کلمہ اور اس کے پرچم کو بلند کرنے کی راہ میں ایسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ اس سے قبل کے مسلمان بادشاہوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ تغلق خاندان کی حکومت نے اپنی سلطنت سے شرک و بدعت ہندوانہ رسوم و رواج کو ختم کیا یہاں تک کہ پختہ قبریں ڈھا دی گئیں، یہی وجہ ہے کہ آج غیر مسلم دنیا، شیعی دنیا آج کی قبوری دنیا میلاد پرست دنیا اور شخصیت پرست دنیا محمد تغلق بادشاہ کی تاریخ پر دسیوں دبیز پردے ڈال رہی ہے۔

پھر تاریخ کا وہ دور پڑھو جب اکبر جیسا ملحد چودہ سال کا ایک نوجوان بچہ ہندوستان کے تخت پر ۹۶۳ھ میں بیٹھا کچھ پیروں، کچھ سجادہ نشینوں، کچھ سادھوؤں اور کچھ یہودیوں کے ایجنٹوں نے اس کے کان میں یہ پھونکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی عمر چھ سو سال تھی جبکہ محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ایک ہزار سال سے زیادہ نہیں چل سکتی اور ایک ہزار سال پورے ہو رہے ہیں، لہذا اب ایسے دین کی ضرورت ہے جس میں عیسائیت کی بوباس ہو یہودیت بھی ہو، ہندو دھرم بھی ہو بدھ مت بھی ہو جین دھرم بھی ہو محمد ﷺ کی شریعت کے کچھ اجزاء بھی ہوں، چنانچہ شہنشاہ اکبر الحاد کے راستہ پر چل پڑا۔ مذہب کی ایک فیکٹری دین اکبری کے نام سے بنائی وہاں بیٹھ کر اپنے وزیروں کو نماز کے وقت پکڑ لیا کرتا تھا تاکہ وہ نماز نہ پڑھنے پائیں داڑھی منڈوانا ضروری قرار دیا اور حلال جانور کا ذبیحہ حرام قرار دیا گیا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہندو قوم کو خوش کرنے کے لئے اپنے

[1] آئینہ حقیقت نما ص ۴۳۳

ماتھے پر ٹیکہ لگا کر ایوان میں داخل ہوتا تاریخ نے عجب نقشہ بدلا کہ دین گورکھ دھندا بن گیا اس دین اکبری کے خلاف عوام وخواص اور علمائے حق نے اس کی سخت مخالفت کی بادشاہ نے اس مخالفت کو سختی سے کچل دیا، عوامی بغاوت فوجی طاقت کے ذریعہ دبا دی گئی، ملا محمد یزدی اور ملا یعقوب جیسے علماء کو دھوکے سے قتل کرا دیا گیا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے (المتوفی: ۱۰۳۴ھ) اس کے خلاف افضل الجہاد کا فریضہ انجام دیا، بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کے جرم میں جہانگیر نے انھیں قلعہ گوالیار میں قید کر دیا اور شہزادہ خرم (شاہجہاں بادشاہ) نے شیخ عبدالرحمٰن کو ان کے پاس جیل میں بھیج کر ان سے درخواست کی کہ وہ فقہ میں دی گئی رخصت کے تحت بطور اضطرار بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کر لیں جس سے وہ اضطراری طور پر عنداللہ گنہگار نہ ہوں گے اور بادشاہ سے سفارش کر کے انھیں قید سے رہائی دلانے کا موقع مل جائے گا تو مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کمال بے نیازی سے فرمایا کہ عزیمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔

علمائے حق کی تاریخ یہی رہی ہے کہ انھوں نے رخصت کے مقابلہ میں ہمیشہ عزیمت کو ترجیح دی ہے، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کے اسی کردار سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں ان لرزہ خیز حالات میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ دین اکبری کے خلاف مقابلہ میں آتے ہیں۔

کسی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو لکھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی اس کے قائل ہیں کہ اللہ عالم الغیب نہیں ہے اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں جس میں دین کی حمیت اور شریعت کے بارے میں ان کی غیرت وحساسیت صاف نظر آتی ہے۔

"فقیر کو ہرگز اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں بے اختیار میری رگ فاروقیت حرکت میں آجاتی ہے اور ایسے اقوال کی تاویل وتوجیہ کی فرصت نہیں دیتی اس

طرح کا مقولہ شیخ کبیر یمنی کا ہو یا شیخ اکبر شامی کا ہمیں محمد عربی ﷺ کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی وصدر الدین قونوی وعبدالرزاق کاشی کا ہم کو نصوص کتاب وسنت درکار ہیں نہ کہ نصوص الحکم فتوحات مدینہ (یعنی تعلیمات کتاب وسنت) نے ہم کو شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فتنۂ دین اکبری کے خلاف لسانی و قلمی جہاد کیا اور اس ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا کہ یہاں لادینیت کا دور دورہ ہوجائے اسلام کا رشتہ اس ملک سے کٹ جائے اور دینی حس ختم ہوجائے آپ کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی: ۱۷۶۲ء) کا دور آتا ہے آپ کے دور میں شرک و بدعت کا بازار گرم تھا قبروں پر عرس اور میلے لگنے لگے غیر اللہ سے مرادیں مانگی جانے لگیں ،رسول اللہ ﷺ کے بعد چوتھی صدی میں تقلید کا شوشہ چھوڑا گیا، ایک امام کی پیروی لازم کردی گئی ،اپنے ائمہ کی فضیلت ومنقبت میں حدیثیں گھڑی گئیں نوبت بایں جارسید کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعوے ہوئے کہ وہ مذہب حنفی کے مطابق فیصلے کریں گے اس وحی رسالت سے فیضیاب رسول اللہ ﷺ کو آستانہ تقلید پر جھکانے کی جرأت بے جا کی گئی۔

وقد جعل الله الحكم لا صحابه واتباعه من زمنه الىٰ هذه الايام الىٰ ان يحكم بمذهبه عيسىٰ عليه السلام [2]

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۵۳ء) شاہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دور کی مجموعی صورت کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''ہندوستان کی یہ کیفیت تھی کہ جب اسلام کا وہ اختر تاباں نمودار ہوا جس کو

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۲ ص: ۲۴۶۔ علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

[2] سیرۃ البخاری علامہ عبدالسلام مبارکپوری ص: ۱۱۸

دنیا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام سے جانتی ہے مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا جھوٹے فقراء اور نام نہاد مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسند درس بچھائے اور اپنے بزرگوں کی مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق وحکمت کے ہنگاموں سے پُر شور تھا فقہ اور فتویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی مسائل فقہ میں تحقیق وتدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی ومطالب اور احادیث کے احکام وارشادات اور فقہ دین کے اسرار ومصالح سے بے خبر تھے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا وجود اس عہد میں اہل ہند کے لئے ایک موہبت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ تھا۔ [1]

مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری رحمہ اللہ (التوفی: ۱۹۹۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب فکر محدثین کے علمبردار، مشن محدثین کے نقیب وترجمان اجتہاد کے دروازے کو ہمیشہ وا رکھنے کے حامی، متمسک بالسنہ، بدعات و منکرات سے نفور، توحید وسنت کے ترجمان، تقلید شخصی سے بیزار، ائمہ اربعہ سے استفادے کے قائل، تحقیق وتفتیش کے داعی، فقہ الحدیث کے نام سے ایک نئے مکتب فکر کے مؤسس اول، فرقہ واریت سے بہت بالا کتاب وسنت کے مبلغ عصری حضری اعتقادی فکری نظری اساسی اور مذہبی فتنوں کے نقاد، تحقیق وتدقیق علم وآگہی اور قرآن و سنت کے پرچارک تھے۔'' [2]

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس پُر آشوب دور اور الم انگیز حالات میں پیغام محمدی کی از سر نو تجدید کا بیڑا اٹھایا اور موجودہ حالات کے خلاف لسانی و قلمی جہاد کیا احادیث کے خلاف رائے وقیاس اور تاویلات فاسدہ کی دھجیاں بکھیر دیں،

[1] مقالات سلیمان جلد ۲ صفحہ ۴۴ [2] تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں ص: ۲۰۷

تقلید کی بندشوں اور بندھنوں کو توڑا، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور اپنی جلیل القدر اور بے نظیر تصانیف سے انھوں نے ہندوستان میں علوم و معارف کے دریا بہائے اور علوم کتاب و سنت کے اس دریا سے بے شمار نہریں کٹ کٹ کر ہندوستان کے گوشے گوشے کو سیراب کیا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ شروع فرمایا جب کہ اس وقت ہندوستان کے دنیا پرست مولوی قرآن کو دوسری زبان میں ترجمہ کو بدعت کہتے تھے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ ۱۷۳۲ء میں حرمین شریفین سے ہندوستان واپس ہوئے تو قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ فتح الرحمٰن کیا اور اپنی شاہکار و عہد ساز کتاب حجۃ اللہ البالغہ تصنیف کیا، قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ایک انقلابی قدم تھا آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، دنیا پرست مولویوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور کچھ غنڈوں اور اکھاڑے کے پہلوانوں کو لیکر وہ ایک دن عصر کی نماز کے وقت مسجد فتح پوری کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ نماز پڑھا رہے تھے اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور شاہ صاحب کے عقیدت مندوں کے للکارنے پر ان غنڈوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، جب شاہ صاحب نے ان مولویوں سے اس ارادہ قتل کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تو نے نہ صرف ہمیں نقصان پہنچایا بلکہ قرآن مجید کا ترجمہ کرکے بالکل عوام الناس کی نظروں میں ہماری وقعت کو کھو دیا ہے دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑتا جاتا ہے اور ہمارے معتقد کم ہوتے جا رہے ہیں بہت بڑا صدمہ تو نے نہ صرف ہمیں پہنچایا ہے بلکہ ہماری نسل کو پہنچایا، ہماری اولاد کی آئندہ زمانے میں اتنی وقعت نہ رہے گی جتنی اب ہماری ہے اس پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ نے جواب دیا کہ اللہ کی نعمت تم خاص کرنا چاہتے تھے میں نے عام کردی۔ [1]

[1] حیات طیبہ ص: ۱۳۰۔ از مرزا حیرت دہلوی مطبوعہ ثنائی برقی پریس امرتسر ۱۹۳۳ء

حجاز سے واپسی کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مختصر مدت میں یہ مدرسہ حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ بن گیا جہاں ملک کے گوشے گوشے سے تشنگان علم حدیث آکر علمی پیاس بجھاتے تھے صحاح ستہ کی تدریس کا رواج اس سے پہلے ہندوستان میں نہیں تھا یہ کام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ نے شروع کیا ہندوستان میں ایسا کوئی عالم دین نہیں جس کی سند شاہ صاحب تک نہ پہونچتی ہو اور جس نے کسی نہ کسی صورت میں ان سے استفادہ نہ کیا ہو، یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ جہاد کی تحریک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۂ اللہ کے زمانہ سے شروع ہوئی مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جن سے دہلی کے مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ نہیں تھی ۱۷۶۱ء میں شاہ صاحب نے شاہ ابدالی کو افغانستان سے بلایا جس نے مرہٹوں کو ایسی شکست فاش دی کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مرہٹوں کا کوئی گھر نہیں بچا جہاں ماتم نہ ہوا ہو، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۷۶۲ء) کے بعد ان کے حوصلہ مند فرزندوں نے اپنے باپ کے مشن کو اور آگے بڑھایا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۸۲۳ء) نے حدیث کی تدریس و ترویج کو عام کیا، شاہ رفیع الدین (المتوفی: ۱۸۱۸ء) اور شاہ عبدالقادر (المتوفی ۱۸۱۵ء) نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا اور جب انگریزوں نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کرلیا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جہاد کا فتویٰ جاری کیا جو انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے یہ ایک انتہائی جرأت مندانہ اقدام تھا اس فتویٰ سے ملت اسلامیہ ہند میں حرارت عمل پیدا ہوئی۔

اس کے بعد شاہ عبدالغنی (المتوفی: ۱۸۱۲ء) کے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی: ۱۸۲۳ء شاہ رفیع الدین (المتوفی: ۱۸۱۸ء) شاہ عبدالقادر (المتوفی ۱۸۱۵ء) کے بھتیجے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی: ۱۷۶۲ء) کے پوتے اور شاہ

عبدالرحیم کے پڑ پوتے عالم جلیل مجاہد کبیر مجدد عصر پُر جلال با عزیمت شاہ محمد اسماعیل شہید (المتوفی ۱۸۳۱ء) نے اصلاح عقائد کے اس مشن کو سنبھالا انھوں نے اسے ایک طوفانی رخ عطا کیا جامع مسجد کی سیڑھیاں دہلی کے گلی کوچوں بادشاہ کے دربار اور طوائفوں کے کوٹھوں تک اس کی نوائے صداقت پہنچی، انھوں نے عقیدہ پر وہ عظیم الشان کتاب لکھی جس کا نام تقویۃ الایمان ہے یہ کتاب اپنی زبان اپنے اسلوب اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے تقویۃ الایمان جیسی کتاب کی مثال بہت کم ملے گی تقویۃ الایمان ان کی انبیائی دعوت توحید نے کلکتہ سے پشاور تک اور شمالی ہند سے جنوبی ہند کے ایوان ہائے بدعت میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا، یہ کتاب جس گھر میں پہونچی وہاں شرک و بدعت کے اندھیرے سمٹ گئے اور توحید خالص کے چراغ روشن ہو گئے۔

متکلم اسلام علامہ مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۸۷ء) تحریر فرماتے ہیں:

''اسلامی ہندوستان میں تحریک احیاء اسلام کی نشاط آفرینیوں کو اگر کسی مرکز وسر چشمہ کا کرشمہ قرار دیا جا سکتا ہے تو اس کا دوسرا نام خاندان ولی اللہی ہے اس خاندان کے ہر فرد اصلاح وتجدید کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا ہے علم وبصیرت اور ذوق واجتہاد سے سرشار یہی وہ گھرانہ ہے جس کے فیوض و برکات سے آج بھی اذہان وقلوب تابندہ و روشن ہیں اور آئندہ بھی جب کوئی قدم فکری وعملی نوعیت کا اسلام کی سربلندی کے لئے اٹھے گا تو ضروری ہے کہ وہ انہی خطوط کی روشنی میں اٹھے جن کی نشاندہی ان بزرگوں نے اپنے علم وکردار سے کی ہے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی عظمت فکر وعمل کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ جس شخص کے خلاف عناد ومخالفت کے طوفان اٹھائے گئے جس کو کفر والحاد کا ہدف قرار دیا گیا جس کے عقائد وافکار پر بحث ومناظرہ کی مجلس آراستہ کی گئیں اور جس سے متعلق عوام میں ناحق یہ تاثر پھیلایا گیا کہ اس نے اپنی

تصنیفات میں ملحدانہ شوخیوں کا اظہار کیا تاریخ کی نظر میں اس شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے اللہ کی محبت کس طرح اس کی رگ رگ میں جاری وساری ہے توحید کے انوار وتجلیات اس پر کس درجہ واضح ہیں علم وادراک کے دریچے اس کے سامنے کس طرح وا ہیں اور اس کے جذبۂ عشق وفا اور حمیت وغیرت دین نے کیونکر بخاک وخون غلطیدن کی روایات پارینہ کو زندہ رکھا ہے۔ [1]

شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ اللہ (التوفی ۱۹۳۸ء) فرماتے ہیں:

اگر شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے بعد ان کے مرتبہ کا ایک عالم دین بھی پیدا ہوجاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گذارتے۔ [2]

شاہ محمد اسماعیل شہید ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۵/ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں اپنے رفقاء کے ساتھ سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تحریک شہیدین کی شہادت کے بعد جس خاندان نے جہاد کے اس گرتے عَلَم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور سب کچھ قربان کردیا وہ خاندان صادق پور تھا انگریزوں نے آزادی کے متوالوں اور اسلام سرفروش دیوانوں کو دردناک اذیتوں اور سخت آلام و مصائب میں مبتلا کیا ان پر مقدمات چلائے گئے ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں ان کے گھروں پر بلڈوزر چلائے گئے انھیں کالا پانی میں قید کردیا گیا اور وہیں جلاوطنی میں سپرد خاک ہوئے علمائے اہل حدیث صادق پور کو جو تکلیفیں دی گئیں اور جن دردناک اذیتوں سے دوچار کیا گیا وہ تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے مرقوم ہیں ان کے تصور ہی

---

[1] گلستان حدیث از علامہ بھٹی ص: ۶۴

[2] بحوالہ استقبالیہ وصدارتی خطبات سیالکوٹ اپریل ۱۹۵۶ء علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی

سے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جس کا اعتراف ہمارے ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس چمن کے سر سبد مولانا عبدالخبیر صادق پوری رحمۃ اللہ پٹنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا تھا۔

''اگر ہم متحدہ ہندوستان کے تمام علماء کی قربانیوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور خاندان صادق پور کی لازوال قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں رکھیں تو صادقپور خاندان کا پلڑا جھک جائے گا۔[1]

اولئک آبائی فجئتنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہیدین کی شہادت کے بعد تجدید احیاء دین و جہاد کا اندرونی و بیرونی نظم علمائے اہل حدیث کے ہاتھوں میں رہا اور اس سلسلہ کی ساری مصیبتیں اور پریشانیاں انھوں نے جھیلیں جزائر انڈمان انھیں کے دم سے آباد ہوا ہندوستان کے گوشے گوشے میں ان کا نظم تھا بعض دوسروں نے بھی تعاون کیا لیکن اصل ذمہ داریاں انھیں کے کندھوں پر تھیں اور ساری آزمائشوں کا شکار یہی رہے۔

قابل ذکر ہستی میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی (المتوفی: ۱۹۰۲ء) کی ہے جو مسند ولی اللہی کے جانشین تھے مدرسہ نذیریہ پھاٹک حبش خاں دہلی اپنے دور کی سب سے عظیم یونیورسٹی تھی میاں صاحب کو شیخ الکل فی الکل کا اعزاز حاصل ہے جنھوں نے ساٹھ سال دہلی میں درس حدیث دیا ہزاروں شاگرد ہوئے آپ سے حجاز و نجد و تیونس و مراکش، مصر و سوڈان، چین و تبت سے لے کر ایران و افغانستان، بخارا و سمرقند غزنی و قندھار اور متحدہ ہندوستان کے سارے صوبوں کے ایسے طلبہ نے تعلیم حاصل کی جن میں سے اکثر مفسر، محدث، مناظر، مفتی، مورخ، ادیب، واعظ، محقق، مفکر بن گئے میاں

---

[1] جریدہ ترجمان دہلی ۲۰۰۱ء

صاحب کے پاس جناب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے خط لکھا کہ:

''میرے عزیز میرے یہاں بھوپال میں چیف جسٹس کی جگہ خالی ہے آپ آجایئے آپ کی تنخواہ ایک ہزارروپے ماہانہ ہوگی''۔

یہ ۱۸۸۷ء کی بات ہے جو ایک لاکھ روپیہ سے کم نہیں تھی تو میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے لکھا کہ:

''میں تو وہاں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مسند لگائے بیٹھا رہونگا یہ غریب طلبہ چٹائی پر بیٹھنے والے مجھ کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے''

الغرض چوتھی صدی کے مجدد میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی نے اپنی ساٹھ سالہ تدریس کے ذریعہ پوری دنیا کو کتاب وسنت سے روشناس کرایا اور ہندوستان میں زندگی کے تمام شعبوں میں آپ نے سلفیت کی تجدید فرمائی۔

تو اس ایثار وقربانی کے ساتھ جماعت کی یہ درسگاہیں چلیں ۱۹۴۷ء کے بعد تمام تر پریشانی اور حالات کی ستم ظریفی کے باوجود ہماری جماعت نے کروٹ لی اور پورے ملک میں جماعت کے مرکزی وذیلی درس گاہوں کا ایک جال بچھا دیا اور الحمد للہ اپنی تمام تر کمزوریوں اور مجبوریوں کے باوجود جتنی درسگاہیں ہماری جماعت نے قائم کیں اور جتنے ادارے اپنی تعداد اور تناسب کے اعتبار سے ہماری جماعت چلا رہی ہے کہیں بھی کوئی جماعت اس تناسب کے اعتبار سے تعلیمی وتربیتی ادارے نہیں چلا رہی ہے۔علمائے اہل حدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمات کے سلسلہ میں علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کا قلم اور سرمایہ شیخ العرب والعجم میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ جن میں ہر ایک اپنی جگہ علم وفضل کا ایک مینار اور تحقیق ودانش کا سمندر ہے۔جماعت کی قدیم درسگاہیں جنھوں نے علماء وداعیان اسلام کی ایک بڑی جماعت پیدا کرلیں جو ہمیشہ قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی اس طرح حدیثوں کے خادموں میں صاحب

مسک الختام و عون الباری ازعلامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی صاحب تحفة الاحوذی محمد عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب عون المعبود علامه شمس الحق محدث عظیم آبادی صاحب مرعاة المفاتیح شیخ الحدیث عبید الله رحمانی مبارکپوری ،ترجمہ بخاری شریف وحاشیہ علامہ داؤد راز دہلوی صاحب انوار المصابیح ترجمه مشکوٰة المصابیح محدث عبدالسلام بستوی،شرح بلوغ المرام اتحاف الکرام ازعلامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری،شرح صحیح مسلم منة المنعم ازعلامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری،امام بخاری اوران کی کتاب صحیح بخاری پر مولانا انورشاہ کشمیری کے داماد کے ہفوات کا دندان شکن جواب ''اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات ۷جلدیں''ازعلامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ التعلیق المنتقی علی سنن المجتبیٰ جلد۲عربی شرح سنن نسائی التعلیق الملیح علی مشکوٰة المصابیح جلد۲عربی شرح ازشیخ الحدیث علامہ عبدالسلام مدنی ٹکریاوی رحمہم اللہ وغیرہم قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں۔

میاں صاحب محدث دہلوی کے ایک شاگرد حافظ عبد المنان وزیرآبادی آنکھوں سے نابینا تھے بعد میں استاذ پنجاب کے لقب سے مشہور ہوئے آپ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ جس نے محدث وزیرآبادی سے حدیث نہیں پڑھی اس نے گویا حدیث ہی نہیں پڑھی،علم حدیث حاصل کرنے کا شوق انھیں دہلی میں میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں لے گیا میاں صاحب سے داخلہ کی اجازت طلب کی میاں صاحب نے فرمایا داخل تو کرلوں گا لیکن کھانے کا انتظام میرے پاس نہیں ہے علم حدیث سے محبت کا یہ عالم تھا عرض کرتے ہیں حضرت آپ کے یہ طلبہ جب کھانا کھانے لگیں تو اپنے کھانے سے ایک ایک لقمہ توڑ کر میرے حصہ سے الگ رکھ لیا کریں اور یہ سارے لقمے جمع کر کے مجھے دیدیا کریں ان کے کھانے میں کمی نہیں آئے گی اور میرے کھانے کا

سامان بھی ہو جائے گا حافظ مولانا عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے علم حدیث کو مکمل کرلیا تو کچھ فنون کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہوا تو میں ایک مدرسہ میں گیا جب ارباب مدرسہ کو علم ہوا کہ میں مسلکاً اہل حدیث ہوں تو مجھے اس شرط پر داخلہ ملا کہ رفع الیدین اور آمین بالجہر کو ترک کرنا پڑے گا ورنہ نعوذ باللہ ہمارے طلبہ پر اچھا اثر نہیں پڑے گا میں نے چند دن کے لئے منظور کرلیا رات کو خواب میں مجھے ایک مجلس نظر آئی جس میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما ہیں جب اس مجلس کی طرف جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا اس نابینا شخص کو مجھ سے دور رکھو اس نے میری سنت چھوڑ دیا ہے میں صبح اٹھا اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگی بستر اٹھایا اور گھر پہنچ گیا اس دن کے بعد میں نے کسی سنت کو حتی المقدور ترک کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ رفع الیدین تو نماز کی زینت ہے اللہ کے نبی ﷺ نے عمر بھر ترک نہیں فرمائی۔ آپ نے ساری عمر درس وتدریس، دعوت وتبلیغ میں گذار دی اور کبھی تنخواہ نہیں لی قوت لایموت پر گذارہ کیا لیکن کسی کے سامنے کشکول گدائی لے کر نہیں گئے نواب صدیق حسن خاں نے آپ کو بھوپال آنے کی دعوت دی تو جواب دیا ابھی تک وزیرآبادیوں سے مایوس نہیں ہوا ہوں آپ کی ہمدردی وپیشکش کا شکریہ۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری (المتوفی: ۱۹۴۸ء) امام العصر علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۵۶ء) محدث عصر علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ گجرانوالہ (المتوفی: ۱۹۶۸ء) آپ کے خاص تلامذہ میں سے تھے علامہ حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۳۴ھ) جب حدیث پڑھتے تھے تو معلوم ہوتا کہ حدیث رسول کا دریا بہہ رہا ہے اور یہ شخص ابھی ابھی مدینۃ الرسول سے حدیث سن کر آیا ہے جب آپ کا انتقال ہوا تو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ

امرتسری رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۴۸ء) نے بے ساختہ فرمایا کہ ''آج ہندوستان کا امام بخاری دنیا سے رخصت ہوگیا''۔

بارہ دفعہ آپ کی نماز جنازہ ہوئی جنازہ کی نماز پڑھنے والے بتاتے ہیں کہ آپ کی وفات ۱۶ ررمضان المبارک ۱۳۳۴ھ میں ہوئی سخت تپش وگرمی تھی جب تک آپ کی نماز جنازہ ہوتی رہی اس وقت تک آسمان پر برابر ابر رحمت کا سایہ قائم رہا۔ [1]

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی شخصیت سے کون ایسا شخص ہے جو واقف نہ ہو آپ اپنے دور میں اسلام کے عظیم داعی اور مجاہد تھے خطابت کے بادشاہ تحریر میں یکتائے روزگار مناظرہ میں فاتح قادیان شیر پنجاب اخلاص وتواضع اور عبادت الٰہی میں فنائیت کاملہ کا درجہ رکھتے تھے۔

علامہ رشید رضا مصری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۴ھ) بلاد عربیہ کے عظیم مصلح ومجدد آپ کو اپنے دور کا ''رجل الٰہی'' قرار دیتے ہیں۔ [2]

علامہ امرتسری رحمہ اللہ اس قدر حاضر جواب اور ذہین انسان تھے کہ ان کے بارے میں علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ اگر رات میں دنیا کے اندر کوئی نیا فرقہ پیدا ہو جائے تو ثناء اللہ صبح اٹھ کر اس کا جواب دے سکتا ہے۔ [3]

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۵۳ء) فرماتے ہیں موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں مسلمانوں اور قادیانیوں میں جب مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ہمالیہ سے لیکر خلیج بنگال تک رواں دواں رہتے تھے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کا حملہ روکنے کے لئے ان کا قلم

[1] صراط مستقیم برمنگھم [2] مجلہ المنار ۱۳۵۱ھ ص: ۶۳۹ [3] بزم ارجمنداں از علامہ بھٹی

شمشیر بے نیام ہوتا تھا انھوں نے اسی مجاہدانہ خدمت میں زندگی بسر کر دی فجزاہ اللہ عن الاسلام احسن الجزاء مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے زبان وقلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات عطا فرمائے۔ ؎۱

علامہ عبدالحمید رحمانی (المتوفی ۲۰۱۳ء) فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۴۸ء) نے ہندوستان میں پیدا ہونے والے علمی فکری عقائد سیاسی معاشرتی اور معاشی فتنوں کے مقابلے میں مکمل ساٹھ سال تک تنہا وہ خدمات انجام دی ہیں جو ہندوستان کا کوئی بڑا سے بڑا ادارہ بھی اپنی اجتماعی تاریخ میں انجام نہیں دے سکا ایک فتنہ ہو تو ذکر کیجئے ایک فرقہ کا مقابلہ ہو تو قید تحریر میں لائیے ایک دشمن کا مقابلہ ہوتو اسے زبان وقلم کی گرفت میں لیجئے ایک میدان ہو تو اس کا احاطہ کیجئے یہاں تو حالت یہ ہے کہ قادیانیت اپنے مقابلہ میں پکار رہی تھی آریت و سناتن دھرم اور شدھی سنگٹھن کے فتنے الگ سر اٹھائے کھڑے تھے عیسائی مشنریاں پوری ہندوستانی سوسائٹی کو الگ گمراہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور رفض وشیعیت بہائیت بریلویت اور تقلید وجمود الگ ''ھل من مبارز'' کی صدائیں بلند کر رہے تھے ان حالات میں یہ مجدد اعظم عبقری وقت ہر طرح کے ہتھیار سے مسلح میدان کارزار اور جاء الحق وزھق الباطل کی تفسیر اور اس کا صحیح مصداق بن گیا۔ ؎۲

قاضی محمد عدیل عباسی رحمہ اللہ ایڈوکیٹ بستی فرماتے ہیں کہ:

قلوب پر فالج گرا دینے والے ان لرزہ خیز حالات میں ایک مرد کامل نکلا جو ہمہ صفت موصوف تھا عالم جلیل، مفسر، محدث، واعظ، مناظر، محقق، مفکر، مرد آہن، یقین و محکم کا مبلغ اور استقلال مزاج کا پیامبر ۔

؎۱ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ مئی ۱۹۴۸ء ؎۲ پندرہ روزہ ترجمان دہلی یکم و ۱۵ ارفروری ۱۹۷۲ء

اگر ہو رزم تو شیران غاب کی مانند
وگر ہو بزم تو رعنا غزال تا تاری

اس نے نفرت کا جواب محبت سے تضحیک کا جواب سنجیدگی سے غصہ کا جواب مسکراہٹ سے علم کی پیچیدہ گتھیوں کا جواب تحقیق سے اس طرح دیا کہ ہر قدم پر زبان حال سے آواز آنے لگی۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جا است

یہ تھے مجدد عصر مبلغ اعظم محقق اکبر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نور اللہ مرقدہ اس زمانے کی نئی مسلم پود پر ان کا احسان بے پایاں ہے اگر آج ہم لوگ اس عالم پیری میں ایمان ویقین سے بہرہ ور ہیں تو اسی مرد مجاہد کا طفیل ہے اور آنے والی نسلوں پر ان کا احسان بدستور باقی اور قیامت تک باقی رہے گا۔ [1]

حضرت حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی رحمہ اللہ اپنے شاگرد رشید علامہ ثناء اللہ امرتسری کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز اگر مجھ سے پوچھا کہ تم آنکھوں سے اندھے تھے ہم نے تم کو عزت عطا کی، تم بے علم تھے ہم نے تم کو علم کی دولت سے نوازا اور کتنے ہی بڑے بڑے علماء کو تمہارے حلقہ شاگردی میں داخل کیا بتاؤ اس احسان عظیم کے بدلے میں ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو، اس مجلس میں علامہ امرتسری بھی موجود تھے حافظ عبد المنان وزیر آبادی رحمہ اللہ نے علامہ امرتسری رحمہ اللہ کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا میں اس کے جواب میں بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا کہ ثناء اللہ کو لے کر حاضر ہوا ہوں امید رکھتا ہوں کہ اس خدمت کی وجہ سے مستحق مغفرت سمجھا جاؤں گا۔ [2]

---

[1] پندرہ روزہ ترجمان دہلی یکم نومبر ۱۹۷۱ء [2] بحوالہ بزم ارجمنداں ۱۶۷۔ از علامہ بھٹی

آپ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جمعیۃ علماء ہند تحریک خلافت اور احرار کے بانیوں میں سے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی ہمہ جہتخدمات ہیں آپ نے آریہ سماجیوں، عیسائیوں، قادیانیوں، شیعوں اور احناف کے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں پچاس سے زیادہ مناظرے کئے مولانا کی تصنیفات وتالیفات کی کل تعداد ایک سوتیں ہے ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر آپ کی زیرادارت ۱۳/نومبر ۱۹۰۳ء کو جاری ہوا اور چوالیس سال تک پابندی سے جاری رہا اس کا آخری شمارہ یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا اس چوالیس سالہ عرصہ میں ایک شمارہ بھی ایسا نہیں گذرا کہ اس اخبار کا ناغہ ہوا ہو سن شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک یہ عظیم مجاہد اسلام اسلامی تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور اسی راہ میں پوری مجاہدانہ شان سے اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی قوم و ملت اور جماعت کی خدمت میں آپ نے نہ کبھی آرام کی فکر کی نہ تھکان کا نہ دن دیکھا نہ رات نہ صحت نہ بیماری ہمیشہ مصروف کار نظر آئے ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک حادثہ میں آپ کا زبردست نقصان ہوا آپ کے اکلوتے بیٹے مولانا عطاء اللہ ثنائی کو دستی بم سے اڑا دیا گیا تمام گھریلو سامان لوٹ لیا گیا عظیم الشان کتب خانہ برباد ہو گیا اور آپ کی ساری جائداد غیروں کے قبضہ میں چلی گئیں مولانا امرتسری رحمہ اللہ لٹے پٹے خالی ہاتھ لاہور پہنچے پھر گوجرانوالہ ہوتے ہوئے سرگودھا پہونچے اور وہاں سکونت اختیار کی ۱۲/فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فالج کا شدید حملہ ہوا افسوس وہ مرد آہن، مجاہد عظیم مناظر، مفسر، محدث، مفتی، مقرر، محقق، فاتح قادیان، شیر خدا اپنے دور کی تمام حریف طاقتوں سے عمر بھر پنجہ آزما رہا کبھی کسی کے سامنے مات نہ کھائی اور کسی کے سامنے سرنگوں نہ ہوا لیکن فرشتہ اجل نے موت کا پیغام دیا تو سر جھکا دیا اس عالی مرتبت شخص کی کتاب حیات کا آخری ورق بتاریخ ۱۵/مارچ ۱۹۴۸ء بروز دوشنبہ ختم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون .

اللہ تعالیٰ اسلامی دعوت کے اس زبردست مجاہد اور علم دین کے اس عالم جلیل پر رحمت کی بارش برسائے اور کشادہ جنت میں ان کا مسکن بنائے۔(آمین)

آخر میں راقم ان تمام داعیان کتاب وسنت کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے جنھوں نے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت اور شرک وبدعت کا قلع قمع کیا اور دین کے اجارہ داروں اور رسم ورواج کے ٹھکیداروں استعمار اور اس کے پیروکاروں سے زندگی بھر برسر پیکار رہے، شرک وبدعت کے ساتھ ادنیٰ مصالحت گوارہ نہیں کی حالانکہ ان کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی کالا پانی کی سزائیں برداشت کیں قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں ان کو باغی قرار دیا گیا ان کو پھانسی دی گئی ان کو مسجدوں سے نکالا گیا ان پر کفرو ضلالت کے فتوے لگائے گئے لیکن ان تمام آزمائشوں اور مشکلات کے باوجود اپنے خون جگر سے چمن اسلام کی آبیاری کرتے ہوئے انمٹ نقوش ثبت کر گئے اور شریعت محمدیہ کے نفاذ اور خالص اسلام کا نظام برپا کرنے کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہادیا۔

یہ تھے ہمارے سلف صورت مہ وخورشید
جو تجھ سے ہو سکے ان کا جواب پیدا کر

اس کتاب کی تالیف سے میرا مقصد مستقبل کے مورخ کے لئے مواد فراہم کرنا اور جوانوں کو ان کے اسلاف کے زریں کارناموں سے متعارف کرانا ہے اللہ کرے مجھے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو اور قافلۂ توحید کو اس ادنیٰ سی خدمت سے رضائے الٰہی نصیب ہو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تابناک ماضی کی روشنی میں حال ومستقبل کا لائحہ عمل مرتب کرنے اور اخلاص وللٰہیت کے ساتھ تحریک اہل حدیث کی آبیاری کی توفیق مرحمت فرمائے۔(آمین)

عزیزی مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی سلمہ اللہ نے اس کتاب کی ترتیب دے کر میرا بوجھ ہلکا کردیا، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے(آمین)

ارباب جمعیت بالخصوص عزیزان شیخ عطاء الرحمٰن سعیدی مدنی و شیخ زبیر احمد عبدالمعبود المدنی ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور یوپی نے مجھ کم علم و بے بضاعت سے کتاب تاریخ اہل حدیث بلرام پور لکھنے کی خواہش و باصرار تقاضا کیا جسے میں نے اپنی ناسازئ طبع اور تصنیف و تالیف میں مشغولیت کے باوجود باعث سعادت اور باعث اعزاز سمجھ کر قبول کیا کہ اس اجر جزیل اور کار عظیم میں مجھ ناچیز کی بھی شرکت ہو جائے۔فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی امیر جماعت بلرام پور وفضیلۃ الشیخ شمیم احمد ندوی ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ و مدیر مسئول ماہنامہ السراج جھنڈا نگر وفضیلۃ الشیخ ابوالعاص وحیدی صاحب استاذ کلیۃ الصفا شریعت کالج ڈومریا گنج سدھارتھ نگر و فضیلۃ الشیخ محمد رحمانی سنابلی مدنی صدر مرکز ابوالکلام آزاد اویکننگ سنٹر نئی دہلی حفظہم اللہ کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہے کہ ان ذی علم شخصیات نے اس کتاب پر تاریخی و علمی وقیع تحریریں قلمبند کیں، تشجیعی اور دعائیہ کلمات سے نوازا نیز ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا دینی اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں جمعیت کی کسی بھی طرح کا تعاون فرمایا اللہ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کی مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور بروز قیامت کتاب وسنت کے خادمین کی صف میں شامل فرمائے۔آمین۔انه سميع مجيب والحمد لله رب العالمين

عبدالرؤف خاں ندوی

۲۰/اگست ۲۰۲۱ء

بروز جمعہ

۞۞۞

اسلام اور اہل حدیث

از: شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

اسلام کی مختصر تاریخ:

پہلے اس سے کہ ہم یہ بتادیں کہ فرقہ بندی کس طرف سے ہے اسلام کی مختصر سی تاریخ بیان کردینا مفید ہوگا۔

کچھ شک نہیں کہ اسلام کی تاریخ دنیا میں روشن ہے، اس کے ابتدائی، درمیانی اور آخری واقعات سب روشن ہیں، اس کا سنہ ہجری ۱۳۳۵ (اس سنہ میں حضرت مرحوم نے یہ مقالہ لکھا تھا) ہجری ہے، مگر ابتداء کو ۱۳۴۸ سال ہوئے ہیں جب کہ مکہ معظمہ میں اس کی تعلیم بزبان ترجمان الہام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوتی تھی تیرہ سال قبل ہجرت مکہ معظّمہ میں گذارے، دس سال بعد ہجرت مدینہ میں رہے، کل ۲۳ سال آپ کی نبوت کا آفتاب دنیا میں ظہور پذیر رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی مدت میں جو تعلیم آپ نے دی اس کا کیا اثر ہوا؟ جواب صرف یہ ہے کہ اس پر کل دنیا کی تاریخ متفق ہے کہ عرب تمام صاف ہوگیا، جو مشرک، کافر، ملحد اور زندیق تھے وہ سب خدا کے پرستار بن گئے، جو لٹیرے اور ڈاکو تھے، وہ مدبران سلطنت ہوکر تمدنی تعلیم میں دنیا کے استاد مانے گئے۔

اس پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کو مذہبی احکام کا دستور العمل کوئی دیا تھا یا نہیں؟ اس کا جواب بھی بالکل صاف اور صحیح یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ دیا تھا، اور نہ دیا ہوتا تو وہ لوگ باوجود ضروریات کثیرہ کے تعمیل کیونکر کرتے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں دستور العمل کیا تھا؟ یعنی احکام شرعیہ کہاں سے اخذ کرتے تھے؟ اس کا جواب بھی ایک اور صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ اخذ کرنے کا طریقہ ان میں یہ تھا کہ پہلے قرآن مجید کو دیکھتے، ساتھ ہی اس کے اگر کوئی روایت انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی یا کوئی فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا یا سنا ہوتا تو اس کو بھی ملحوظ رکھ کر بطور سندِ شرعی کے پیش کرتے، چنانچہ سب سے پہلا اختلاف جو صحابہ کرام میں پیدا ہوا وہ انتخاب خلیفہ پر تھا، انصار مدینہ یہ کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہوگا۔ اس اختلاف کا فیصلہ یوں ہوا کہ مہاجرین کی طرف سے ایک حدیث پیش کی گئی جس کے الفاظ یہ تھے۔ الائمۃ من قریش خلیفہ قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث پیش ہوتے ہی فیصلہ مہاجرین کے حق میں ہوگیا۔

دوسرا اختلاف وراثتِ نبی علیہ السلام کے متعلق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں نے خلیفہ کے پاس دعویٰ پیش کیا کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے حصہ ملنا چاہئے جیسے دوسرے مسلمانوں کے وارث حصہ پاتے ہیں۔ خلیفہ کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ملا تو اختلاف پیدا ہوا۔ آخر جب حدیث نبوی پیش ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ: ''ہمارا مال ورثہ نہیں ہوگا بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ ہوگا'' تو نزاع ختم ہوگئی۔

تاریخ اسلام کا کسی اور واقعہ پر اتفاق ہو یا نہ مگر اس امر کا پورا اتفاق ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو بات پیش آتی اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا لیتے اور بعد زمانہ نبوت زمانہ خلافت میں جو پیش آتی اس کے لئے احکام کی تلاش قرآن وحدیث میں کرتے۔ یہ طریقہ مسلمانوں میں بہت عرصہ تک جاری رہا۔ مگر ہم آسانی کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ تیس سال تک ایسا ہوتا رہا جو زمانہ خلافتِ راشدہ کا ہے۔

اب ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جملہ آبادی میں یعنی ابتداء سے آج تک جتنے طبقے بھی ہوئے ہیں ان میں بحیثیت دین اور بحیثیت دنیا اور بحیثیت اعلیٰ اخلاق اور بحیثیت جاہ وحشمت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بحیثیت منظوری اور مقبولیت خدا کے کون طبقہ ممتاز رہا ہے؟

اس کا جواب بھی ایک اور صرف ایک ہی ہے کہ وہ طبقہ سب سے اعلیٰ اور افضل تھا جو نبوت کی گود میں تربیت پا کر دوسروں کا رہنما بنا رضی اللہ عنہم، پس اب مطلع بالکل صاف ہے، کہ جو طریقہ اور برتاؤ ان لوگوں کا تھا وہی دین الٰہی اور منظور مصطفائی تھا۔ دگر ہیچ۔

طبقہ اولیٰ میں فرقہ بندی نہیں تھی:

اب سوال یہ ہے کہ اس طبقہ میں فرقہ بندیاں تھیں؟ کیا کوئی شیعہ تھا؟ کوئی حنفی تھا؟ شافعی کہلاتا تھا؟ مالکی تھا؟ یا حنبلی تھا؟ اس کا جواب ان بزرگوں کی تاریخ ولادت سے مل سکتا ہے جن کی طرف سے یہ فرقے منسوب ہیں۔ سب سے بڑی عمر کے امام ان میں ابوحنیفہ صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے پندرہ سال بعد امام مالکؒ پیدا ہوئے، ان کے بعد امام احمدؒ اور امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔ گو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی پیدائش پہلی صدی ہجری میں ہے مگر بحیثیت ایک عالم، مفتی اور مجتہد کے وہ دوسری صدی میں دنیا کے سامنے آتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبقۂ اولی (زمانہ صحابہؓ) میں ان چار فرقوں کا نام نہ تھا۔ کیونکہ جن اماموں کی طرف ان فرقوں کی نسبت ہے وہی نہ تھے تو فرقہ کہاں؟ پس ان فرقوں کی بابت اس سوال کا جواب اسلامی تاریخ یہی دیتی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں صرف سیدھے سادے مسلمان تھے جن کا دستور العمل قرآن اور اقوال نبی علیہ السلام تھا اور بس اس کے سوا کوئی فرقہ نہ تھا، نہ فرقہ بندی۔

اب ہم آج کل کی فرقہ بندیوں کی ذرا کیفیت سنا کر فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں۔سب سے بڑا شگاف جو اسلام کے قلعے میں سب سے پہلے آیا وہ شیعہ سنّی کا اختلاف تھا۔اس شگاف کی بنا صرف یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ:''خلافت اول حضرت علیؓ کا حق تھا اور وراثت حضرت فاطمہؓ کا''......سنی اس کے منکر ہیں۔

چونکہ ہمارے مضمون کا روئے سخن تاریخی پہلو سے ہے، اس لئے ہم اس میں مذہبی دلائل سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔صرف تاریخی پہلو سے اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقہ اولیٰ میں جو اسلام اور اہل اسلام کا اعلیٰ نمونہ تھا یہ اختلاف تھا؟ یا اس اختلاف کا کوئی اثر تھا؟ تاریخ جواب دیتی ہے کہ کوئی نہیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے،سب نے اطاعت کی۔حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے سب نے اطاعت کی،حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے،سب نے اطاعت کی،حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو وہ بھی برحق مانے گئے۔

بہرحال اس اختلاف کا اثر ہم اس زمانہ میں کچھ نہیں دیکھتے گو پہلے حضرت علیؓ خلیفہ نہ تھے تاہم خلافت کے کاموں میں برابر دخیل تھے، باب عالی کے رکن تھے،عہدہ دار تھے،مشیر کار تھے،خلافت سے جو خدمت سپرد ہوئی تھی بجالاتے تھے،غرض جہاں تک ظاہری علامات رہنما ہوسکتی ہیں۔ہمیں ان کے اعمال واطوار میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ہوسکتا۔

علیٰ ہذا القیاس تقسیم وراثت کا مسئلہ بھی اس طبقہ میں ہم کو کسی طرح باعث تفریق معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کوئی اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتا تھا۔ جب اس پاک زمانہ میں اس کا کوئی اثر نہ تھا تو اب اس کو ایسا بنا کر تفریق کرنے والا فرقہ بندی کے الزام سے کیوں ملزم نہ ہوگا۔

فرقہ بندیوں نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا:

اس فیصلہ کے بعد ہم دیگر فرقہ بندیوں پر توجہ کرتے ہیں جس نے اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اسلامی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرقوں کی بڑی لائنیں دو ہیں۔جن کو شیعہ، سنی کے اختلاف نے پیدا کیا ہے پھر ان لائنوں میں برانچ لائنیں بھی ہیں۔ان پر غور کرنے سے جو فریق مور دِالزام ہوگا ہمیں اس کے ملزم بنانے میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ان فرقوں سے مراد حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذہب ہیں جن کو رجسٹرڈ بتانے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ مکہ معظّمہ میں کعبہ شریف کے اردگرد بھی چار مصلے (زمانہ نبوت کے آٹھ سو برس بعد جب چاروں مذاہب والوں میں امامت اور اقتدار کے بارے میں زیادہ اختلاف اور جھگڑے واقع ہونے لگے، تو رفع فساد کے لئے حاکم وقت نے نویں صدی ہجری میں الگ الگ چار مصلے بنا دیئے، پس ان مصلوں کی حقیقت یہ ہے) ہیں۔ اس لئے اس اختلاف میں فیصلہ کرنے کے لئے ان مذاہب کی تعریف اور وجہ تفریق بیان کرنا ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان مذاہب کے اصل الاصول وہی ہیں جو زمانہ صحابہ میں تھے، یعنی یہ چاروں مذاہب قرآن وحدیث کو دستور العمل جانتے ہیں۔ بحمد للہ اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر ایک بات ایسی پیدا ہوگئی ہے جس سے یہ سارا اختلاف پیدا ہوگیا۔ وہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ جو کچھ ہمارے امام نے جس کے ہم مقلد ہیں سمجھا اور کسی مسئلہ کے متعلق حکم دیا، بس ہمارے لئے وہی کافی ہے، نہ ہم اپنی سمجھ کو دخل دیں اور نہ کسی دوسرے امام کی سنیں۔ دوسرا بھی یہی کہتا ہے اور تیسرا بھی یہی۔علیٰ ہذا القیاس چوتھا بھی یہی۔

اختلاف کو بھی ہم مذہبی دلائل سے چھونا نہیں چاہتے، کیونکہ مذہبی دلائل میں طول ہو جاتا ہے، بلکہ تاریخی شہادت سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ طبقہ اولیٰ میں یہ طریق تھا؟ کسی خاص شخص کو یہ منصب تھا کہ باقی اس کے فہم اور رائے کے آگے سر جھکائیں۔ جہاں تک اسلامی تاریخ شہادت دیتی ہے اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔اگر یہ منصب کسی

کو ہوتا تو خلیفہ وقت کو ہوتا حالانکہ اس کو بھی نہ تھا، بعض وقت ایک بڑھیا عورت بھی خلیفہ کے حکم کو رد کردیتی تھی، جس کے جواب میں خلیفہ کو ماننا پڑتا تھا کہ عورت سچ کہتی ہے، مولانا حالی مرحوم نے اسی حکم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا

خلیفوں سے لڑتی تھی اک ایک بڑھیا

جب اس زمانہ میں یہ بندش نہ ہوئی کہ کسی ایک رائے اور فہم کے باقی لوگ پابند ہو جائیں تو پیچھے کیوں ایسا کیا جائے جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ ہاں اختلاف فہم چونکہ قدرتی ہے، اس لئے عالم کو کسی امام سے اتفاق رائے ہو جائے تو بیشک وہ اس سے اتفاق رائے کا اظہار کرے مگر ایسے طور سے کہ فرقہ بندی تک نوبت نہ پہنچے۔

ہماری اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں جو فرقہ بندیاں ہو رہی ہیں طبقہ اولیٰ یعنی سلف صالحین کی روش چھوڑنے سے ہوئی ہیں ورنہ اگر مسلمان اب بھی اس بات پر متفق ہو جائیں کہ طبقہ اولیٰ کی طرح اپنا دستور العمل قرآن وحدیث کو بنالیں، نہ کوئی نئی روش نکالیں نہ کسی کی طرف اپنی نسبت جدید پیدا کریں تو فرقہ بندیاں دور ہو سکتی ہیں۔

قابل غور بات:

فرقہ بندی کسی اصولی اختلاف سے ہوتی ہے۔ اگر اصول ایک ہے اور باوجود وحدت اصولی کے صرف فہم کا اختلاف ہے تو فرقہ بندی نہیں ہے، ورنہ اس طرح تو ہر ایک مذہب کے علماء میں اختلاف رائے موجود ہے۔ مثلاً علمائے حنفیہ موجودہ اور سابقہ متقدمین اور متاخرین بلکہ معاصرین وغیرہ سب میں اختلاف نظر آتا ہے تو کیا یہ مختلف فرقے ہیں؟ کیا کوئی کہے گا کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا مذہب اور تھا اور شاگردوں کا اور، یا موجودہ علمائے حنفیہ میں علماء دیوبند کا مذہب اور ہے اور علمائے بریلی، بدایوں وغیرہ کا

اور؟ نہیں بلکہ سب کے سب حنفی ہیں حالانکہ اختلاف موجود ہے۔

پس کسی جماعت کو دوسری جماعت سے فرقہ کی حیثیت سے الگ سمجھنا اس بات پر موقوف ہے کہ ان میں اصولی اختلاف ہو۔ پس جس فرقہ کے اصول طبقۂ اولیٰ کے اصولِ مذہبی سے ملتے جلتے بلکہ وہی ہوں گے تو وہ فرقہ جدید اور فرقہ بند نہ کہا جائے گا۔ اور جس فرقہ کے اصول جدید ہوں گے وہی فرقہ جدید اور فرقہ بندی کے الزام سے ملزم ہوگا۔

اب ہمارے سامنے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی موجود ہیں۔ ان سب کا اصول ہے کہ قرآن وحدیث پر بغیر توسطِ امام مجتہد کے عمل کرنا جائز نہیں اس لئے یہ فرقے اپنے اپنے اماموں کے مقلد کہلاتے ہیں۔ برخلاف اس کے اہل حدیث اس بات کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ شرط طبقۂ اولیٰ میں نہ تھی ہم طبقہ اولیٰ کی روش سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ ہٹیں گے۔

ع جملہ عالم ایک طرف............آں شوخ رعنا اک طرف

ایک اعتراض کا دفعیہ:

اب ایک سوال یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی طرح اہل حدیث بھی تو ایک فرقہ ہے۔ اس سے بھی تو فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث بحیثیت نام کے ایک فرقہ کہا جائے تو اور بات ہے مگر اصول اور عمل کی حیثیت سے یہ کوئی فرقہ بندی نہیں بلکہ وہی ایک گروہ ہے جو تعلیم نبوت سے پیدا ہوا تھا جس کی روش ہم بتلا آئے ہیں کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تھی، نہ اس فرقے نے اپنے دستور العمل میں کوئی اضافہ کیا، نہ سلف صالحین کی روش سے علیحدگی کی بلکہ بعینہٖ اسی طرح قرآن وحدیث یا یوں کہئے کہ قرآن اور طریقہ

نبی علیہ السلام کو صحابہ کی روش پر محفوظ رکھا۔

رہا نام کا سوال کہ اہل حدیث نام کیوں رکھا گیا جب کہ طبقہ اولیٰ نے یہ نام اپنا نہ رکھا۔

تو اس کا جواب بہت آسان ہے کہ اہل حدیث کی اصلیت بتلانے کو عملی طریق کا یہ نام ہے، دوسرے فرقوں سے اپنی نسبت اپنے اماموں کی طرف کر کے حنفی اور شافعی وغیرہ القاب اختیار کئے، چونکہ اس فرقہ کی نسبت کسی غیر کی طرف نہ تھی بلکہ طبقہ اولیٰ کی طرح صرف نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف تھی اس لئے اس نے اپنے طریق عمل کے مطابق اپنا لقب اہل حدیث رکھا جو اس کے طریق عمل کے لحاظ سے بہت موزوں ہے ورنہ اس کا اصول دین جو بنیادِ مذہب ہے وہی ہے جو طبقہ اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا۔ یعنی قرآن و حدیث بطریق سلف صالحین۔ اہل حدیث کے لقب کے یہ معنی ہیں کہ: ''احادیثِ رسول پر عمل کرنے والا'' یہی معنی ہیں۔

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

(ماخوذ از کتاب وسنت ڈاٹ کام)

۞۞۞

تہنیت وتبریک

فضیلت مآب گرامی قدر

فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی رحفظہ اللہ واطال اللہ بقاءہ

(امیر جماعت اہل حدیث بلرام پور یوپی)

تاریخ نویسی اور سیر وسوانح نگاری ہماری علمی تہذیب وثقافت کا روشن باب ہے۔ ہمارے قدیم وجدید مصنفین اور سوانح نگاروں نے اپنے اسلاف کے سیر وتراجم کی تالیف میں گوناگوں انداز میں بڑی کاوشیں کی ہیں جن کے نتیجہ میں آج ہماری لائبریریوں کو ایسے مراجع ومصادر میسر آئے جو دوسروں کے یہاں کمیاب ہیں۔

یہی نہیں بلکہ تراجم اور سوانح نگاری میں جس جدت اور تنوع کا مظاہرہ کیا گیا ہے، وہ اپنے آپ میں ایک اہم علمی کارنامہ ہے، اس موضوع پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مصنفین نے کتنے انواع واقسام کے تراجم مرتب کئے ہیں۔

۞---زمانے کے لحاظ سے ایک طبقے اور مرتبے کے علماء کے تراجم۔

۞---حروف تہجی پر مرتب تراجم۔

۞---وفیات کے اعتبار سے تراجم۔

۞---ایک صدی میں پائے جانے والے علماء کے تراجم۔

۞---ایک شہر میں پائے جانے والے علماء کے تراجم۔

پھر اس میں مزید گوناگوں تقسیمات ہیں مثلاً

۞---کسی مخصوص جگہ کے علماء کے تراجم۔

۞---کسی خاص مذہب اور مکتب فکر کے علماء کے تراجم

۞---کسی خاص فن کے ماہرین کے تراجم۔

۞---کسی ایک فرد کا ترجمہ۔

۞---ذاتی اور خود نوشت سوانح۔

سیر وسوانح کا یہ ذخیرہ عربی میں تو کافی تعداد میں موجود ہے لیکن اردو بھی اس سے خالی نہیں۔ اگر صرف موجودہ دور کی بات کریں تو مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ (۲۰۱۵ء) نے اپنی جماعت کے قدیم سر برآوردہ علماء حتی کہ موجودین کی بھی جس عرق ریزی سے تاریخ مرتب کی ہے، اس کی مثال دور حاضر میں کمیاب ہے۔ اسی طرح جناب ڈاکٹر بہاء الدین محمد سلیمان اظہر حفظہ اللہ (برطانیہ) کی خدمات بھی اس باب میں نا قابل فراموش ہیں۔

ہمارے مورخ گرامی عالی جناب مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ کا اشہب قلم ہمیشہ میدان تصنیف وتالیف میں رواں دواں رہا ہے، لیکن انھوں نے اپنے اسلاف کی اس روایت سوانح نگاری کو بھی برقرار رکھا ہے جو ہر دور میں ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے جس کا نمونہ ان کی مفید کتاب ''کاروان سلف'' کی متعدد جلدوں میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جن میں چیدہ چیدہ علماء وفضلاء اور دیگر سیاسی اور سماجی بہت سی شخصیات کے سوانح حیات کو بڑی عرق ریزی سے جمع کر دیا ہے جس سے کچھ اہم بھولی بسری شخصیتوں کی بھی یاد تازہ ہوگئی۔

فاضل مؤلف کا اپنی پیرانہ سالی، ضعف نظر اور متعدد عوارض کے باوجود اس ناگفتہ بہ دور میں شب وروز اسی دھن میں گزارنا ان کا ایسا کارنامہ ہے جس پر وہ پوری جماعت کی تہنیت وتبریک اور مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

ممدوح گرامی مولانا ندوی حفظہ اللہ نے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی آفس میں رہ کر جماعت اور اس کے ذمہ داران وکارکنان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اگر وہ

پوری جماعت کی تاریخ بھی لکھیں تو میری نظر میں وہ کامیاب ترین تاریخ ہوگی، لیکن انھوں نے سرِ دست ''تاریخ اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور'' (یوپی) مرتب کی ہے۔ جس کے وہ ہمیشہ سے سر برآوردہ کارکن اور ذمہ دار رہے ہیں اور اسی علاقے سے ان کا تعلق بھی ہے، لہذا اس سے اس تاریخ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا ندوی حفظہ اللہ کی ان گوناگوں خصوصیات وامتیازات کے پیش نظر توقع ہے کہ ان کی یہ کتاب ضلعی جمعیت کی تاریخ سے متعلق اہم معلومات کا خزانہ ہوگی، جس سے علاقے میں توحید وسنت کی نشر واشاعت کے بارے میں اپنے اسلاف کی قربانیوں کا اندازہ ہوگا۔ ان سے ہمارے حوصلوں میں اضافہ ہوگا اور نئی نسل ان سے مستفید ہوکر کتاب وسنت کی دعوت کو عام کرنے کا عہد کرے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف فاضل کو صحت وعافیت کے ساتھ اپنی اطاعت میں عمر طویل عطا فرمائے اور ان سے بیش از بیش خدمت لے۔

ع　　ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

خاکسار

صلاح الدین مقبول احمد

کویت

۱۴۴۳/۱/۵ھ　　۲۰۲۱/۸/۱۲ء

❁❁❁

مقدمہ

سماحۃ الشیخ شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ
ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر
ومدیر مسئول ماہنامہ السراج جھنڈانگر نیپال

ہندوستان میں اسلام کی آمد مختلف ذرائع ومختلف ریاستوں سے وقفہ وقفہ سے ہوتی رہی اور اپنے آثار ونقوش کو مختلف شکلوں میں قائم کرتی گئی، یہاں اسلام دیانت دار وخوش اخلاق، مسلمان تاجروں کے ذریعہ بھی آیا جو ہندوستان کے جنوبی اور جنوب مغربی ساحلی علاقوں میں برگ وبار لایا، اور اسلام ان مسلمان فاتحین کے ذریعہ بھی آیا جو شمالی ہندوستان پر حملہ آور ہوتے اور وقفہ وقفہ سے اپنی حکومتیں قائم کرتے رہے، پھر اپنی نا اہلی وعیش پسندی اور غفلت وتساہلی کی بدولت اپنی حکومتوں سے ہاتھ دھوتے رہے، چنانچہ پہلی صدی ہجری میں سندھ پر محمد بن قاسم کے کامیاب حملوں اور ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کے باوجود ان کے ورثاء اس حکومت کی حفاظت نہ کرسکے اور جب چوتھی صدی ہجری کے اواخر اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں محمود غزنوی نے ہندوستان کے شمالی صوبہ جات پر حملے کئے اور پنجاب وملتان کو اپنی حکومت میں شامل کیا تو اس وقت تک سندھ کی پہلی اسلامی سلطنت کا نام ونشان مٹ چکا تھا، لیکن محمود غزنوی کے ورثاء وجانشین بھی اس اہلیت وصلاحیت کے مالک نہ تھے، جس سے سلطان محمود غزنوی بہرہ ور تھے، اس لئے یہ حکومتیں بھی کمزور ہوئیں اور اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں، یہاں تک کہ سلطان شہاب الدین غوری یا محمد غوری نے از سرنو ہندوستان پر منظّم حملے کئے اور ایک مضبوط اور پائیدار حکومت بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں قائم

کر لی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام حملے تاج وتخت کے حصول، ہوس ملک گیری اور کشور کشائی کے مقصد سے کئے گئے، ہندوستان میں اشاعت اسلام ان کے اولین مقاصد میں شامل ہی نہیں تھا پھر وہ مسلمان حملہ آور اور فرماں روا افغانستان کے جن علاقوں سے آئے تھے وہاں خود بھی اسلام اپنی سچی شکل میں موجود نہ تھا اور توحید خالص اور کتاب و سنت کی تعلیمات سے وہاں کے عوام کما حقہ نا آشنا نہ تھے اس لئے ان مسلمان فوجیوں اور وہاں کے داعیوں کے ذریعہ ہندوستان میں جو اسلام داخل ہوا وہ شرک کی آمیزش اور بدعات وخرافات سے یکسر پاک نہ تھا۔

اسی دوران ان اسلامی فوجوں کے ساتھ یا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے کچھ عرصہ بعد یہاں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا جنھوں نے اپنے انداز میں اشاعت اسلام کا کام کیا لیکن ان میں سے بیشتر صوفیاء کا عقیدہ خام تھا اور وہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مشرکانہ عقائد پر کاربند اور انھیں کو پھیلانے کے لئے کوشاں تھے اس لئے ہندوستان میں اسلام اپنی صحیح شکل میں اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکا کیونکہ ان بزرگان دین اور صوفیا نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوئی فکر اور سعی وجد وجہد نہ کی بلکہ ان کے ذریعہ خانقاہوں میں مجاہدات شاقہ، نفس کشی، ترک دنیا، ترک علائق، کشف وکرامات، خرق عادات اور طلسمات وعجائبات کو خوب ترقی ہوئی اور جاہل مسلمانوں اور نومسلموں نے انھیں شعبدہ بازیوں کو اسلام سمجھا اور ان صوفیا کے کشف وکرامات اور مراقبوں وچلّوں وپیشین گویوں کو ہی اسلام کا سچا نمونہ سمجھا گیا، مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اسلام کی اس پامالی اور مسلمانوں کی حرماں نصیبی پر ماتم کرتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا:

''ہندوستان کی باقاعدہ اور آزاد اسلامی سلطنت کے قیام کے پورے ۱۰۰ برس

بھی نہ گذرے تھے کہ اس ملک میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکی، شیخ حمیدالدین ناگوری، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر عراقی پانی پتی، حضرت نظام الدین اولیاء شاہ، حسام الدین حسینی تیغ برہنہ، شیخ برہان الدین رحمہم اللہ سینکڑوں صوفیائے عالی مقام موجود ہوکر لشکر سلطانی کے فوجی لوگوں اور نومسلموں کے مرکز توجہ بن گئے۔"[1]

یہ حقیقت ہے کہ ان صوفیاء کے ہاتھوں بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا، لیکن ہندوستان کے وہ ہندو جو ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام سے قبل بدھوں کی مسخ شدہ تعلیمات اور برہمنی مذہب کے نوتصنیف شاشترو کے زیر اثر وحدت الوجود اور جوگ وتپسیا اور ترک دنیا کی طرف مائل تھے، ان صوفیاء کرام کی تعلیمات اور ان کے عقائد میں ان نومسلموں اور ہندوؤں کو اپنی ذہنی تسکین کا وافر سامان ملا اور انھوں نے دھڑا دھڑ ان صوفیاء کی تعلیمات کو گلے لگایا، اس طرح بظاہر یہاں اسلام کو فروغ اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، لیکن دراصل یہ لوگ توحید خالص اور اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تھے اور دین حنیف اور سچا اسلام یہاں بدستور اجنبی ہی رہا، اس دور کے نام نہاد مسلمان اپنی عادات واطوار رسوم ورواج، شادی بیاہ، ظاہری شکل وشباہت، تہذیب وثقافت، وضع وقطع اور اپنی چال ڈھال میں ہندوؤں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے اور اس گمراہی وبدعقیدگی اور دین سے دوری کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان تک قرآن وحدیث کی تعلیمات نہیں پہونچی تھیں، وہ صوفیاء کے ملفوظات اور ان کے ارشادات کو ہی دین سمجھتے تھے، ارشادات رسول ﷺ کا گزر ان کے درمیان کم ہی ہوا تھا اور نہ ہی خیانت پیشہ مولوی اور دین فروش عالم اس کو پسند کرتے تھے کہ عوام کی قرآن وحدیث تک رسائی ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان سے واقف ہوسکیں تاکہ ان دنیا پرست

---

[1] تاریخ زوال ملت اسلامیہ ص:۱۳۶

مولویوں کی دوکان چلتی رہے۔

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے ہندوستان میں حدیث کی اس بے وقعتی اور دین کی پامالی کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ایک بے نظیر محدث اور عالم جن کو شمس الدین ترک کہتے تھے مصر سے حدیث کی چار سو کتابیں لے کر ملتان آئے تھے اور ملتان سے دہلی جانے کا قصد رکھتے تھے انھوں نے جب یہ دیکھا کہ ہندوستان کا بادشاہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور شہر دہلی کے حالات سن سن کر ملتان سے ہی مصر کی طرف واپس چلے گئے واپس جانے سے پہلے انھوں نے ایک خط یا رسالہ لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی کے پاس روانہ کیا اس میں لکھا تھا کہ ''مصر سے دہلی کا ارادہ کر کے چلا تھا کہ دہلی میں قیام کر کے یہاں علم حدیث کی اشاعت کروں گا اور محض خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے آیا تھا کہ لوگوں کو علم حدیث کی طرف متوجہ کر کے خیانت پیشہ مولویوں اور بددیانت عالموں کی روایتوں سے نجات دلاؤں گا لیکن چونکہ آپ خود ہی نماز نہیں پڑھتے اور نماز جمعہ نہیں ادا کرتے، لہذا میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں احادیث نبوی پر کوئی عمل نہیں کرتا، میں حیران ہوں کہ وہ شہر جس میں حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں کی روایتوں پر عمل کرتے ہیں تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور عذاب الٰہی اس پر کیوں نازل نہیں ہوتا، میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں سیاہ رو بدبخت مولوی فتوے اور نامعقول روایتوں کی کتابیں کھولے ہوئے مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور روپیہ پیسہ لے کر لوگوں کو قسم قسم کی تاویلیں بتاتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے حق کو بھی باطل کرتے اور خود بھی غارت ہوتے ہیں''۔

ہندوستان کی یہ دینی حالت نام نہاد اسلامی عہد میں تھیں، یہ زمانہ ۷۰۸ھ کا ہے اور اس وقت وہاں علاء الدین خلجی کی حکومت تھی، درمیان میں کبھی کبھی بعض مسلمان

حکمرانوں نے توحید خالص اور کتاب وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی لیکن ان جفا پیشہ اور خیانت پسند مولویوں اور حیلہ سازیوں کی وجہ سے ان کو کامیابی نہیں ملی، سلطان محمد تغلق کا نام اس ضمن میں کافی معروف ہے۔

تقلید جامد کے پیروکاروں اور دین فروش مولویوں نے ہندوستان میں دین کا کیا حال کر رکھا تھا اور جس کا سلسلہ کافی حد تک آج بھی قائم ہے اس صورت حال کا نقشہ مولانا نجیب آبادی نے کچھ اس طرح کھینچا ہے جس میں ان کا دلی کرب اور غم وغصہ صاف محسوس کیا جا سکتا ہے لکھتے ہیں:

''جاہل قبر پرستوں، مراسم پرستوں، پیر پرستوں، عجائب پرستوں اور ان احمقوں کے سرپرست پیشہ ور پیروں، صوفی نما چالاک وشعبدہ باز فقیروں، گدی نشینوں اور شرارت پیشہ نفس پرستوں نے مسلمانوں کی توجہ کو کتاب وسنت اور فہم وفراست کی طرف سے روکنے کے لئے نہایت زبردست مورچے قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انسانیت اور انسانی مجد وشرافت کے حاصل کرنے سے رکی ہوئی ہے۔ بس ضرورت ہے کہ اس طلسم کو توڑ دیا جائے اور راستہ کے اس پتھر کو اٹھا کر مسلمانوں کے لئے حقیقی اسلام سے واقف ہونے کی سہولت بہم پہونچائی جائے۔''

تقلید جامد کی تباہ کاریوں کو واضح کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''تقلید جامد اور آباء پرستی نے عام طور پر مسلمانوں کے قوائے عقلیہ اور فہم و فراست کو ماؤف و معطل کر دیا ہے، شرکیہ و بدعیہ مراسم میں مبتلا ہونے کی مصیبت کے ساتھ ہی کسی معاملہ کو فہم وخرد کی کسوٹی پر پرکھنے اور صداقت وراستی کی حمایت میں جرأت کے ساتھ مستعد ہو جانے کی قابلیت وہمت بھی عام طور پر مسلمانوں سے رخصت ہو چکی اور رخصت ہو رہی ہے اور اسی لئے قرآن وحدیث سے عام طور سے مسلمان بیگانہ و بے تعلق نظر آتے ہیں، پس ضرورت ہے کہ اندھی تقلید اور اسلاف پرستی کی فہم کش اور حماقت

آفریں قید وحراست سے مسلمانوں کو آزاد کیا جائے تاکہ وہ اس سچے اسلام کو جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام تھا اپنا مذہب قرار دے سکیں اور ان میں دماغی نشو ونما جو لازمۂ اسلام سے موجود ونمایاں ہو''۔ [1]

یہ حالت ہندوستان کے کسی ایک علاقہ کی نہیں تھی بلکہ تقریباً پورا ہندوستان اسی ضلالت وگمراہی اور دین فروشی کی تصویر پیش کر رہا تھا جہاں ملت فروش علماء اور دین کے نام نہاد ٹھیکیدار نونہالان قوم اور عامۃ الناس کو دین کی بنیادی تعلیمات اور عقیدۂ توحید سے بے خبر رکھنے کے لئے ان کی رسائی قرآن وحدیث تک مشکل بنا رہے تھے اور انھوں نے منصوبہ بند طریقہ سے قرآن وحدیث کا چیستاں ومعمہ اور بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام قرون اولیٰ اور عہد صحابہ میں داخل ہونے کے باوجود ایک طویل عرصہ تک اجنبی بنا رہا، سلاطین وقت کو اپنی حکومت کو وسعت دینے اور اسے مضبوط اور مستحکم کرنے کی فکر تو ہوئی لیکن اشاعت اسلام کی انھیں مطلق فکر نہ ہوئی، یہاں تک کہ بارہویں صدی ہجری میں جب سلطنت مغلیہ اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد اور ان کے خانوادہ کے ذریعہ اس ملک میں اسلام کو نئی زندگی و توانائی ملی اور یہاں توحید خالص، قرآن وحدیث اور کتاب وسنت کی تعلیمات سے لوگوں کے کان آشنا ہوئے، ان کے ہونہار وحوصلہ مند پوتے شاہ اسماعیل شہید نے اس ملک کی فضاؤں اور شرک کے رسیا لوگوں کو توحید کی لذت سے ہمکنار کیا اور کتاب وسنت کا خوگر بنایا، انھوں نے وعظ وارشاد، اور رشد وہدایت کی مجلسیں آراستہ کیں تو میدان کارزار میں بہادری وشجاعت کے جوہر دکھائے یعنی انھوں نے رزم و بزم دونوں کو آباد کیا، ان کی معرکۃ الآراء کتاب تقویۃ الایمان نے لوگوں کے دلوں

---

[1] دیباچہ تاریخ زوال ملت

کی دنیا بدل دی اور ان کے عقائد وخیالات میں ایک خوشگوار انقلاب برپا کر دیا یہاں تک کہ برصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں اردو زبان میں چھپنے والی سب سے کثیر الاشاعت کتاب بن گئی۔

نواب صدیق حسن خاں نے عقیدۂ توحید کی حفاظت اور کتاب و سنت کی اشاعت کے لئے اپنی خداداد ذہنی صلاحیتوں اور اپنے علم کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور یہاں علوم حدیث کی اشاعت اور کتب حدیث کی طباعت کا عظیم الشان وگراں قدر کام انجام دیا۔

شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے مسند درس و تدریس سنبھالا اور وعظ وارشاد کی مجلسیں آراستہ کیں اور اصلاح عقائد کی گراں قدر خدمات انجام دیں، قرآن وسنت کے دلائل سے آراستہ فتاویٰ کے ذریعہ لوگوں کی دینی رہنمائی کا کام کیا، اسی طرح بدعات وخرافات کا استیصال کیا اور مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنے کا کام کیا، غرض کہ اس دور زوال میں جب مغلیہ حکومت کا سورج غروب ہو رہا تھا اور انگریزوں کا اقتدار قائم ہو رہا تھا، یہاں ملک کے مختلف خطوں میں اسلام اپنی صحیح شکل میں نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا اور لوگ قرآن و حدیث تعامل صحابہ اور نصوص شرعیہ کی طرف رجوع کرنے لگے تھے، یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ ہندوستان میں اہل حدیثیت یا سلفیت کی ابتداء کو شاہ اسماعیل شہید یا نواب صدیق حسن خاں یا میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے عہد مسعود اور ان کے مساعی جمیلہ سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور اہل حدیث کو دیگر فرقوں کی طرح ایک نومولود فرقہ سمجھ رہے ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ اہل حدیث تو عہد صحابہ سے ہی دنیا میں موجود رہ کر" لاتزال طائفة من امتی" کی روشن تصویر پیش کرتے رہے ہیں، بس فرق صرف یہ ہے کہ کچھ ناگزیر اسباب سے، تقلید جامد کے فروغ سے، رائے وقیاس کی گرم بازاری سے اور اجتہاد کا دروازہ بند کر دینے کی وجہ سے قرآن و

حدیث کی روشن تعلیمات کو پس پشت ڈالا جاتا رہا اور عامۃ الناس کے اوپر فہم قرآن و حدیث کا دروازہ بند کیا جاتا رہا، جس سے دین اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہ گیا تھا یہی مواقع تھے جب وقتاً فوقتاً سرزمین ہند میں مجددین و مصلحین تشریف لاتے رہے، اور بدعات کی بیخ کنی اور سنت کے احیاء کا کام اپنے اپنے وقت میں انجام دیتے رہے، اس طرح کے اصلاح عقائد اور احیاء سنت کے کام ملک کے تقریباً سبھی علاقوں میں وقتاً فوقتاً انجام پائے اور دین متین کی صحیح ترین تعبیر اہل حدیثیت سے لوگوں کو روشناس کرایا گیا۔

ضلع گونڈہ و بستی شمال مشرقی اتر پردیش کے دو ایسے اضلاع ہیں جہاں میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلامذہ کے دورے بکثرت ہوئے اور ان میں سے بعض نے ان اضلاع کو وقتی طور پر یا مستقل طور پر اپنا مسکن بنایا، یہاں وعظ وارشاد کی مجلسیں آباد کیں اور اصلاح عقائد کا کام کیا یہاں پر انھوں نے مدارس و مکاتب کا جال بچھایا اور علوم شرعیہ کی تعلیم کا اہتمام کیا، انھیں کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ان علاقوں میں بکثرت اہل حدیث بستیاں پائی جاتی ہیں، ضلع گونڈہ و بستی دونوں رقبہ کے اعتبار سے بہت بڑے ضلع تھے، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ضلع گونڈہ و بستی کے نام سے مشترکہ ضلعی جمعیت قائم ہوئی، خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ کافی عرصہ تک اس ضلعی جمعیت کے امیر رہے، جب کہ مولانا عبدالمبین منظر صاحب اس مشترکہ ضلعی جمعیت کے ناظم تھے، باوجود اس کے کہ مولانا جھنڈانگری نیپالی شہری تھے، لیکن ہندوستان کی مرکزی وصوبائی جمعیتوں سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا اور ان کی تعمیر وترقی کے وہ نہ صرف دل سے خواہاں تھے بلکہ اس کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی ''نوگڈھ کانفرنس'' ہماری صدسالہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے وہ اس کانفرنس کے صدر مجلس استقبالیہ تھے اس کانفرنس میں پیش کیا گیا ان کا گراں قدر خطبۂ استقبالیہ اس کانفرنس کی جان کی حیثیت رکھتا تھا اور آج تک جماعت

کے بزرگوں اور اہل علم وفضل جوانوں میں گرمی محفل کا کام دیتا ہے اور ہماری عظمت رفتہ کی یاد دلاتا ہے، جس نے افراد جماعت کو عزم وحوصلہ اور جوش وجذبہ سے بھر دیا تھا، یہی وہ مشہور خطبہ استقبالیہ تھا جس نے برسوں کے جمود وتعطل کو دور کرنے اور برسوں کی مسافت طے کرنے میں مہمیز کا کام کیا، جماعت کے لئے ایک مرکزی دارالعلوم کے قیام کے خواب کو اسی کانفرنس کے بعد شرمندۂ تعبیر کیا جاسکا اور اس خطبۂ استقبالیہ نے اس خاکہ میں رنگ بھرنے کا کام کیا اس خطبہ کو سننے کے بعد صدر کانفرنس مولانا عبدالوہاب آروی نے مولانا جھنڈانگری کو سینہ سے لگاتے ہوئے کہا تھا کہ عبدالرؤف! تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی اسی طرح اس کانفرنس کی بے نظیر کامیابی میں ضلع گونڈہ وبستی کے حوصلہ مند علماء وعامۃ الناس یہاں کے عوام وخواص، خورد وکلاں اور بزرگ وجواں کا بہت بڑا ہاتھ ہے، ضلع بلرام پور اور اس کی علیحدہ جمعیت اسی ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی وگونڈہ کا ایک حصہ ہے جو جماعتی نظم وانصرام کے تحت پہلے بستی وگونڈہ کی جمعیتوں کو الگ الگ کیا گیا پھر گونڈہ ضلع کی سیاسی تقسیم کے بعد ضلع بلرام پور وجود میں آیا اور یہاں ایک علیحدہ جمعیت کی تشکیل ہوئی۔

اضلاع کو حکومتی انتظام کے تحت تقسیم کیا گیا جس سے ضلع بستی، سدھارتھ نگر اور ضلع گونڈہ بلرام پور کے درمیان منقسم ہوا اور اس طرح عملاً چار ضلعی جمعیتیں وجود میں آئیں ان اضلاع کی تقسیم کے بعد جو دو نئے ضلع وجود میں آئے یہ ایک اتفاق ہے کہ اہل حدیثوں کی قابل ذکر آبادی انھیں نوتشکیل شدہ دونوں ضلعوں میں پائی جاتی ہے، چنانچہ ضلع گونڈہ وبستی میں اہل حدیثوں کی تعداد برائے نام ہے اور ان اضلاع میں کچھ ہی حلقے ایسے ہیں جہاں اہل حدیث افراد اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں اور کہیں کہیں ان کے مدارس بھی ہیں البتہ ضلع سدھارتھ نگر اور ضلع بلرام پور میں اہل حدیثوں کی بڑی آبادی ہے یہاں بڑے بڑے مدارس ومکاتب کا جال بچھا ہوا ہے اور ان دونوں اضلاع میں ضلعی جمعیتیں منظّم انداز میں دعوت وتبلیغ، تنظیم وترتیب اور تعلیم وتربیت کا کام کررہی ہیں یہ

دونوں اضلاع اہل حدیث افراد وشخصیات علمائے دین، اصحاب فضل وکمال اور اصحاب فکر ونظر سے آباد ہیں، ان اضلاع میں اہل حدیثوں کی معتد بہ تعداد سکونت پذیر ہے اور وہ حرکت ونشاط اور فکر وعمل سے لبریز ہیں۔

زیر نظر کتاب ''تاریخ اہل حدیث بلرام پور'' جماعت اہل حدیث کے نامور مورخ اور قلم کار مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے جسے مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور بڑے اہتمام سے شائع کررہے ہیں، مولانا عبدالرؤف خاں ندوی کو تاریخ اہل حدیث سے کافی شغف اور لگاؤ ہے اور یہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے، اسی دلچسپی کے زیر اثر انھوں نے ''کاروان سلف'' کے نام سے اہل حدیث شخصیات پر ایک اچھا مواد اکٹھا کردیا ہے اور ایسی ایسی گمنام شخصیات کو منظر عام پر لے آئے ہیں جن کی جماعتی خدمات اور خاموش کارناموں سے لوگ ناواقف ہی رہ جاتے اگر ان کو کاروان سلف کے اس زریں سلسلہ میں جگہ نہ دی جاتی، اور وہ اس طرح گوشہ گمنامی میں پڑے رہ جاتے کہ ہماری نئی نسل ایسے لوگوں کے وجود سے غافل رہ جاتی، جنھوں نے صلہ وستائش کی تمنا کے بغیر جماعت کی اپنی اپنی سطح پر خدمت کی، ان میں سے سبھی عالم دین نہیں ہیں، لیکن بسا اوقات انھوں نے دین متین کی سربلندی اور مسلک حق کی ترویج واشاعت کے لئے کئی سند یافتہ علماء سے زیادہ کام کیا ہے۔

مولانا عبدالرؤف خاں ندوی کے اس سلسلہ کاروان سلف کے تحت ۸؍جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور نویں جلد بھی شاعت کے لئے تیار ہے جسے اب تک کسی غیور صاحب خیر کا انتظار ہے۔

تذکرہ نگاری کے اس قابل قدر سلسلہ میں جن لوگوں کے سوانحی خاکے محفوظ ہو گئے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق مشرقی یوپی کے انھیں اضلاع سے ہے جو اہل حدیث

آبادی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، جن میں ایک ضلع بلرام پور بھی ہے، مصنف کتاب خود اسی ضلع کے رہنے والے ہیں اس لئے انھوں نے اس خطہ کی تاریخ اہل حدیث اوراس کے نشیب وفراز کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے، وہ خود بھی ایک عرصہ تک ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے آفس سکریٹری رہے ہیں، ضلعی جمعیت ضلع بلرام پور کا صدر دفتر تلسی پور میں ہے جسے غیر منقسم ضلع گونڈہ کی ضلعی جمعیت کا صدر دفتر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، اسی خطہ میں اہل حدیث آبادی بھی زیادہ ہے اوران کی نشاطات بھی نظر آتی ہیں، ان کے کئی متوسط درجے کے مدارس بھی ہیں جن میں گلرہا میں قاسم العلوم اور تلسی پور میں انجمن محمدیہ رجسٹرڈ، الكلية الاسلامية معهد الزهراء الاسلامی، جرواروڈ، سلام ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی، جرواروڈ، شنکرنگر میں جامعه محمديه نصرة الاسلام، اونرہوا میں مدرسہ نور الھدیٰ، ہرہٹہ میں مدرسہ ضياء العلوم، گینسڑی میں لڑکیوں کے لئے معهد خديجة الكبرىٰ للبنات وغیرہ قابل ذکر ہیں جب کہ چھوٹے مکاتب کا جال بچھا ہوا ہے۔

زیر نظر کتاب میں خود مرتب کتاب کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق اس وقت الحمدللہ تلسی پور میں ہی گیارہ اہل حدیث مساجد اور پانچ تعلیمی ادارے ہیں، جب کہ ضلع بلرام پور کی ضلعی جمعیت کا صدر دفتر ہونے کے باوجود ایک عرصہ تک یہاں اپنی جماعت کی ایک بھی مسجد نہیں تھی، تلسی پور سے متصل ضلع بلرام پور کے اطراف میں غیور اہل حدیثوں کی آبادی ہے جو مالی اعتبار سے مضبوط وخوش حال بھی ہیں جن میں موتی پور، گلرہا، ہرہٹہ، بنھونی، بھلوہیا، جے نگرا، اور گینسڑی، اونرہوا قرب وجوار کے مواضعات شامل ہیں، خطہ میں تلسی پور کی جماعتی اہمیت اور یہاں کے لوگوں کی جماعتی غیرت وحمیت اوران کے جوش وجذبہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ تلسی پور میں ۱۹۶۸ء میں ایک کامیاب صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی اور تلسی پور کو جماعت کے مقتدر علماء دین اور اصحاب

فضل وکمال کے استقبال اوران کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، یہ کانفرنس نوگڈھ کانفرنس کی عظیم الشان کامیابی سے تحریک پاکر منعقد کی گئی،اس کے انعقاد میں علاقہ کے پُر جوش نوجوانوں اور فعال کارکنوں کا گراں قدر حصہ تھا، یہ کانفرنس مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی یہ اگر چہ صوبائی سطح کی کانفرنس تھی لیکن علماء وخطباء، مشہور ومعروف شخصیات اور عوام کی کثرت تعداد کے اعتبار سے ملکی سطح کی کانفرنس معلوم ہوتی تھی اور اگر نوگڈھ کانفرنس نے جماعت کے تن مردہ میں از سر نو روح پھونکنے کا کام کیا تو اس کانفرنس نے بھی سوئے ہوئے نوجوانوں اور خواب غفلت میں مبتلا لوگوں کو جگانے کا کام کیا۔

بعد کے ادوار میں بھی تلسی پور میں کئی ایک کامیاب اجلاس عام اور چھوٹی بڑی کانفرنسیں منعقد کی گئیں،ان میں سے دو کانفرنسوں میں راقم سطور شمیم احمد ندوی کوشرکت کا اتفاق ہوا ہے جہاں میں نے شرکاء کے بے مثال اژدہام اور عوام کا بے نظیر اجتماع کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، ان میں سے ایک سیرت کانفرنس میں مجھے خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، دوسری کانفرنس میں مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ میرے رفیق سفر تھے اس میں ہم دونوں کا خطاب ہوا تھا اوراس کی صدارت کا فریضہ مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ نے ادا کیا تھا، یہ کانفرنس زیر اہتمام ادارہ **الكلية الاسلامية معهد الزهراء الاسلامي**،جروا روڈ، تلسی پور منعقد ہوئی تھی۔

ضلع کے مشرقی سرحد پر بجوا ایک مشہور اہل حدیث موضع ہے جہاں کئی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں ماہر فرائض مولانا عبدالرحمٰن بجواوی کی علمی شخصیت بھی شامل ہے،اس ضلع کے قریب بسکوہر بازار ہے جو اگر چہ انتظامی اعتبار سے ضلع سدھارتھ نگر کا حصہ ہے لیکن تلسی پور سے قریب ہے اور وہاں کے لوگوں اور تاجروں کی یہ گزرگاہ ہے،اس

طرح اس خطہ کو اہل حدیثوں کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے، یہاں تک کہ بسکو ہر بازار سے کوئلہ باسہ بازار تک اہل حدیثوں کی اچھی آبادی ہے، بلکہ کوئلہ باسہ سے سرحد عبور کرنے کے بعد نیپال کے اس علاقہ میں بھی چند مواضعات ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں تقریباً سب کے سب صحیح العقیدہ لوگ ہیں، بسکو ہر بازار اہل علم اور شعراء وادباء اور علمائے افاضل کا بھی مسکن ومدفن رہا ہے جن میں علامہ عبدالغفور بسکوہری اور مولانا ذاکر ندوی رحمہما اللہ نے جماعتی وادبی حلقوں میں بہت نام پیدا کیا، مولانا عبدالغفور بسکوہری کے عربی قصائد اور مولانا ذاکر ندوی کا فاروق نامہ اور استقبالیہ نظمیں شعر وادب کے حلقوں میں ایک خاص مقام اور اپنی منفرد پہچان رکھتی ہیں۔

اس ضلع میں کنڈؤ بونڈھیار اور سکھوئیا کا علاقہ اہل حدیث آبادی کے اعتبار سے ایک خاص درجہ رکھتا ہے، یہیں پر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کا مشہور مدرسہ ہے جو علاقہ کی پہچان اور اہل حدیثوں کی شان ہے، اس مشہور علمی قلعہ کا سنگ بنیاد ۱۹۰۷ء میں محدث دوراں مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاتھوں سے رکھا گیا اور انھوں نے تاحیات اس کی سرپرستی کی اور ان کے علاوہ مبارکپور کے علمی خانوادہ سے مولانا عبدالسلام مبارکپوری اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری وغیرہ نے بھی اس کی سرپرستی کی اور اس کو خطہ میں علم کا ایک مضبوط قلعہ بنانے میں اپنا گراں قدر تعاون دیا۔

غرض کہ ضلع بلرام پور میں عقیدۂ توحید اور کتاب وسنت کو برابر فروغ حاصل رہا اور بدعات وخرافات کے استیصال میں اس ضلع کا نمایاں کردار رہا گرچہ درمیان میں یہ ضلع جمود وتعطل اور سردمہری کا بھی شکار رہا، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہاں کی مقامی آبادی بالخصوص یہاں کا صائب الرائے طبقہ اپنی مسلکی ذمہ داریوں کا احساس کرے اور اپنے ان بزرگوں اور اسلاف کی خدمات کا اعتراف کرے جنھوں نے وسائل آمد ورفت کی نایابی اور

ضرورت زندگی کی کمیابی کے باوجود اس علاقہ کے بار بار دورے کئے اور یہاں کتاب و سنت کی روشنی کو عام کیا ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ مقامی اہل حدیث آبادی کو بالخصوص نوجوان طبقہ کو اپنے اسلاف کی قربانیوں و خدمات سے روشناس کرایا جائے اور ضلع کی دینی و علمی تاریخ کو محفوظ کیا جائے تاکہ آنے والی نسل کا رشتہ اپنے بزرگوں سے قائم و باقی رہے اور نوجوان و بزرگ طبقہ میں سے جو لوگ اپنے حال میں مگن اور اپنے روزگار و کاروبار میں مست و مصروف ہیں انھیں اس حقیقت کا ادراک کرایا جائے اور اس بات کا احساس دلایا جائے کہ جو قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو فراموش کر دیتی ہیں اور ذہنی طور پر ان سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہیں وہ قصۂ پارینہ بن جاتی ہیں اور تاریخ کے کوڑے دان میں دفن ہو جاتی ہیں، کیونکہ وقت کسی کو معاف نہیں کرتا۔

عام مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ ہماری ملت کا خوشحال طبقہ اور ان میں سے بالخصوص دنیا دار طبقہ اپنے نونہالوں کو دینی تعلیم دلانے میں عار سمجھتا ہے اور اپنی متاع گم گشتہ کو حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا، جس کا نتیجہ ہے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے بیشتر علما کا تعلق سماج کے کمزور طبقہ سے ہوتا ہے جو فراغت کے ساتھ ہی اپنی روزی روٹی کے حصول اور رزق حلال کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی کا بڑا حصہ تلاش معاش میں ہی صرف ہوتا ہے پھر سماج بھی ان کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا پھر بھی ان بوریہ نشین علماء کا وجود بسا غنیمت ہے جن کے دم سے مساجد کے منبر و محراب کی رونقیں قائم و دائم ہیں، اور مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں۔

مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ نے اس کتاب میں اپنے ضلع بلرام پور کی جماعت اہل حدیث اور یہاں قائم جمعیت اہل حدیث کی ایک مختصر تاریخ مرتب کر دی ہے جس کی روشنی میں موجودہ لوگ اور آنے والی نسل اپنے خطہ میں جماعت کی تاریخ اور

اس کے عروج وزوال کی داستان سے واقف ہو سکے گی۔

مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ اور موجودہ ناظم جمعیت ضلع بلرام پور مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس اہم ضرورت کا احساس کیا اور ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کی ایک مختصر تاریخ منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا، اللہ کرے یہ فیصلہ مبارک ومسعود ثابت ہو اور ہماری جماعت کے ذمہ داروں پر لوگوں کا اعتماد بحال ہو، یہ جمعیت و جماعت ہماری اجتماعیت کا مظہر ہے اور ہماری دینی زندگی کی شناخت ہے، ہم سب کو مل کر اپنی شناخت کو باقی رکھنے میں اپنے اپنے حصہ کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا کرنی چاہئے۔

✡✡✡

آغاز سخن

(تحریک اہل حدیث منزل منزل)

ازقلم :فضیلۃ الشیخ محترم جناب ابوالعاص وحیدی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ
استاذ کلیۃ الصفا ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد سيد المرسلين وعلىٰ آله و صحبه أجمعين و علىٰ جميع من تبعهم باحسان إلى يوم الدين من لأئمة والمحدثين. اما بعد .

برصغیر ہندو پاک میں متعدد مذاہب وتحریکات پائی جاتی ہیں، ان میں سب سے قدیم تحریک اہل حدیث ہے اور تقلیدی مذاہب بعد کی پیداوار ہیں، اس لئے کہ ہندوستان میں اسلام پہلی صدی ہجری کے اواخر میں آیا، اس وقت وہ ائمہ جن کی طرف تقلیدی مذاہب منسوب ہیں ان میں بعض بالکل نوعمر تھے اور بعض پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جو اسلام آیا وہ تقلیدی نہیں تھا بلکہ تقلید کی بندش سے بالکل آزاد تھا اس تاریخی حقیقت سے ناواقفیت یا مسلکی عصبیت کی بنا پر بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اہل حدیث ہندوستان کا نیا فرقہ ہے جو سید میاں نذیر حسین دہلوی کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے یہ بات تاریخی طور پر بالکل غلط ہے اور یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ اس موضوع پر علماء وطلبہ کو علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کی علمی وتحقیقی کتاب ”برصغیر میں اہل حدیث کی آمد“ طبع دہلی کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

اہل الحدیث کا لفظ اہل قرآن کے مقابلہ میں نہیں بولا جاتا ہے ، بلکہ اہل الحدیث کا معنی ہے : قرآن وحدیث کو ماننے والے، اس لئے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حدیث کہا ہے، اسی طرح بعض احادیث میں بھی کتاب الٰہی کو خیر الحدیث کہا گیا ہے۔

دراصل اہل الحدیث کا استعمال اہل الرائے کے بالمقابل ہوا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کی وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پہلی صدی ہجری کے بعد مذہب اسلام سر زمین عرب کے بعد عجم کے مختلف علاقوں میں پھیل گیا تو کچھ ایسے علماء وائمہ پیدا ہوئے جو مسائل زندگی کو حل کرنے کے لئے رائے وقیاس کی طرف زیادہ سبقت کرنے لگے، انہیں اہل الرائے کہا جاتا ہے، ان کے بالمقابل بہت سے علماء وائمہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے رہے اور حتی الامکان رائے وقیاس سے اجتناب کرتے رہے، انہیں اہل الحدیث کہا جاتا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' حجة الله البالغة '' جلد اول کا باب'' طائفة منصورہ حقه ''یعنی قیامت تک حق پر قائم رہنے والی مؤید من اللہ جماعت قرار دیا گیا ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لاتزال من امتی قائمة بامر لله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یأتی أمر الله وهم علی ذلک.[1]

میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (صحیح دین) پر قائم رہے گا، اس کو چھوڑنے والا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، نہ اس کی مخالفت کرنے والا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی (صحیح دین) پر ہوگا۔

[1] صحیح بخاری ر المناقب ۳۶۴۱، صحیح مسلم ر الامارۃ ۱۹۲۰، جامع ترمذی ر حدیث ۲۱۵۵

حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ’’ **اهل الحدیث** ہی **طائفة منصورہ** ہے اگر حدیث پر عمل کرنے والے طائفہ منصورہ نہیں تو اور کون ہوں گے۔ اور پھر امام احمد کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے طائفہ منصورہ کے بارے میں فرمایا:

ان لم یکن هم اصحاب الحدیث فما ادری من هم؟ [1]

اگر یہ لوگ اہل حدیث نہیں تو پھر مجھے معلوم نہیں اہل حدیث کون ہیں؟

معلوم ہونا چاہئے کہ اس طائفہ منصورہ حقہ یعنی قیامت تک حق پر قائم رہنے والی مؤید من اللہ جماعت کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے پھر تابعین و تبع تابعین اس کے مصداق تھے ان کے بعد وہ ائمہ حدیث اس کے مصداق ہیں، جنھوں نے احادیث کی جمع و تدوین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور منہج کتاب وسنت پر قائم رہے، ان کے بعد آج تک وہ گروہ کسی نہ کسی انداز میں قائم و دائم چلا آرہا ہے، جس نے ہر دور میں منہج صحابہ اور فہم سلف کے مطابق اتباع سنت کی شمع فروزاں سے دنیا کو منور کیا، انہیں کو اہل الحدیث، اہل الاثر اور سلفی کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا کہ ہندوستان میں پہلی صدی ہجری میں اسلام آیا، اس وقت تقلید ائمہ کا رواج نہیں تھا، تقلید کا آغاز تو تیسری صدی ہجری کے بعد ہوا۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمان منہج اہل الحدیث کے مطابق دین پر عمل کررہے تھے، مگر ہندوستان کی یہ بدقسمتی رہی کہ بعض داخلی وخارجی اسباب کی بنا پر یہاں شیعیت و حنفیت اور بدعات وخرافات کا غلبہ ہوگیا اور سلفیت و اہل حدیثیت دب کر رہ گئی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ہر دور میں منہج اہل حدیث کے مطابق زندگی گذارنے والے موجود رہے ہیں، اگر چہ ان کی تعداد کم رہی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! علامہ

[1] فتح الباری: ۱/۸۵

ابوالقاسم سیف بنارسی کا مشہور خطبۂ صدارت جو'' سواء الطریق ''کے نام سے معروف ہے۔

تاریخ اہل حدیث ہند کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علمی فیوض اور سلفی اثرات بھی ہندوستان پہنچے، مولانا مسعود عالم ندوی مکاتیب سلیمان میں لکھتے ہیں:

''خود ابن تیمیہؒ کے زمانے میں ان کے شاگرد یہاں پہنچ گئے تھے جن سے حضرت نظام الدین اولیاء اور شاہ محمد تغلق دونوں متاثر ہوئے، اس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بعض شاگردوں سے ہندوستان میں جو دینی لہر آئی وہ لہر وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی، یہ اور بات ہے کہ اس لہر نے پوری ایک موج اور پورے ایک دھارے کی شکل بعد میں اختیار کی، تاریخ ہند جس کی شہادت دے رہی ہے''۔ [1]

بارہویں صدی ہجری میں جب مغل حکومت زاول سے دوچار تھی اور مسلمانوں کا مستقبل تاریک تھا، ایسے ماحول میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) پیدا ہوئے جنہوں نے دعوت وتجدید کا علم بلند کیا اور مسلمانوں کو کتاب وسنت پر عمل کی تلقین کی، جس سے مسلک اہل حدیث کے رواج وترقی کے راستے ہموار ہوئے۔ شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کے لئے دیکھئے (علامہ محمد اسماعیل سلفیؒ کی کتاب ''تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی مساعی جمیلہ'' طبع دہلی)

شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد ان کے دینی مشن کی تکمیل میں ان کے لائق صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی اور شاہ رفیع الدین مصروف ہو گئے، ان لوگوں کے بعد شاہ ولی اللہ کے نامور پوتے شاہ محمد اسماعیل نے زبان وقلم کے ذریعہ دعوت وتجدید کا فریضہ انجام دیا، جو شاہ عبدالغنی کے خلف الرشید تھے۔ یقیناً ان کے

[1] موتمر الدعوۃ والتعلیم نمبر جامعہ سلفیہ بنارس از خطاب مولانا عبدالحمید رحمانیؒ

عدیم المثال دعوتی وتجدیدی کارناموں نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی۔

شاہ محمد اسماعیلؒ کے بعد تیرہویں صدی ہجری میں خاندان ولی اللّٰہی کی علمی مسند پر شاہ محمد اسحاق شاگرد رشید شاہ عبدالعزیز رونق افروز ہوئے، جب شاہ محمد اسحاقؒ حجاز ہجرت کرگئے تو ان کے جانشین ان کے تلمیذ ارشد سید میاں محمد نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰ھ-۱۳۲۰ھ) ہوئے۔ جو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، پھر سید میاں نذیر حسین دہلوی کے ہزاروں تلامذہ کی مساعی سے دہلی، یوپی، بہار، آسام اور بنگال وغیرہ اطراف و جوانب ہند میں دعوت کتاب وسنت خوب عام ہوئی اور عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہوگیا، اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے (شیخ صلاح الدین مقبول احمد کی علمی وتحقیقی کتاب ''شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی- مجددانہ کارنامے اور قائدانہ کردار'' طبع دہلی)

تحریک اہل حدیث کے اثرات جس طرح ملکی سطح پر ظاہر ہوئے اسی طرح علاقائی سطح پر بھی اس کے زبردست اثرات پڑے۔ چنانچہ انیسویں عیسوی کے وسط (چودہویں صدی ہجری کے اوئل) تک گونڈہ وبستی (باعتبار قدیم جغرافیہ) کی سرزمین مکمل طور پر تقلید وشخصیت پرستی، جاہلی رسوم وخرافات اور بدعات ومنکرات میں ڈوبی ہوئی تھی اس سرزمین میں خالص اسلام کی تبلیغ کرنے والے اور صاف وشفاف عقیدۂ توحید وسنت کی اشاعت کرنے والے سید میاں محمد نذیر حسین دہلوی کے بہت سے تلامذہ، تحریک شہیدین کے بعض بچے کھچے افراد اور کچھ دوسرے علمائے اسلام ہیں، ان حضرات کی دعوتی کوششوں سے گونڈہ وبستی کے حالات یہاں تک بدلے کہ علامہ تقی الدین ہلالیؒ مراکش سے چل کر دہلی ہوتے ہوئے جب مبارکپور پہنچے اور محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ شارح ترمذی کی شاگردی اختیار کی، تو خود ان کا بیان ہے کہ استاذ محترم مبارکپوریؒ کہا کرتے تھے کہ چلو تمہیں گونڈہ وبستی میں ایسی اسّی (۸۰) بستیاں دکھاؤں

جن میں ایک شخص بھی صحابہ کرامؓ کے اسوہ کے خلاف چلنے والانہیں ملے گا۔[1]

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث مختلف مراحل سے گذرتی رہی ، درس و تدریس اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اشاعت توحید وسنت کا سلسلہ قائم رہا۔مگر افسوس انیسویں صدی عیسوی کے اواخر تک تحریک اہل حدیث نے تنظیمی شکل نہیں اختیار کی تھی، آخر کار ۱۹۰۶ء مطابق ۱۳۲۴ھ میں '' آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کے نام سے ایک مرکزی تنظیم قائم کی گئی، جس کے بانیوں میں علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری ، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی ، علامہ محمد ابراہیم آروی، علامہ شاہ عین الحق پھلواروی ، علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ یہ حضرات شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی کے نوابغ روزگار تلامذہ ہیں، جنھوں نے بڑے غور وفکر کے بعد جماعت اہل حدیث کو منظم کیا اور اجتماعی نظم کے تحت مذہب وملت اور دین ووطن کی خدمت کرتے رہے۔

۱۹۴۷ء تک آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس مختلف میدانوں میں بڑی حد تک سر گرم رہی ،مگر ۱۹۴۷ء میں جنگ آزادی کے طوفان بلاخیز اور تقسیم ملک کی وجہ سے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس جمود وتعطل کی شکار ہوگئی، مثالی درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ اجڑ گئی، جماعت کے متعدد بڑے علماء پاکستان کے حصہ میں آگئے یا انڈیا سے پاکستان چلے گئے۔ اس طرح جماعت اہل حدیث ہند کے خواب بکھر گئے، جمود وتعطل کا یہ سلسلہ دس سال تک برقرار رہا،اس مدت میں بس کانفرنس کے بعض اجلاس اور کچھ تنظیمی کام ہوئے۔

جمود وتعطل کے مرحلہ کے بعد ۱۰ر جنوری ۱۹۵۷ء کو دہلی میں آل انڈیا سطح پر ایک زبردست میٹنگ علامہ عبدالوہاب آروی ، علامہ داؤد راز دہلوی اور مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی وغیرہ کی قیادت میں منعقد ہوئی، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا نام

[1] ازتقریر مولانا عبدالحمید رحمانیؒ

مرکزی جمعیت اہل حدیث رکھا گیا، جماعت کو منظم و متحد اور فعال و متحرک بنانے کا پروگرام بنایا گیا، صوبائی و ضلعی جمعیتوں کی تشکیل و قیام پر غور کیا گیا تا کہ جماعت کے منتشر شیرازہ کو ایک لڑی میں پرونے کی کامیاب کوشش کی جائے، سلفیان ہند کی جماعتی زندگی میں جس کے بڑے خوشگوار اثرات ظاہر ہوئے۔

بڑی مسرت و شادمانی اور فخر و انبساط کی بات ہے کہ پورے ہندوستان میں ۱۹۵۷ء میں سب سے پہلے گونڈہ وبستی کی مشترکہ ضلعی جمعیت بنی، اس وقت گونڈہ میں بلرام پور وسراوستی بھی شامل تھے، اور بستی میں سدھارتھ نگر وسنت کبیر نگر بھی شامل تھے۔اس وقت ان اضلاع میں افراد جماعت تقریباً سات لاکھ اور چھوٹے بڑے مکاتب ومدارس تقریباً پانچ سو تھے۔

مشترکہ جمعیت گونڈہ وبستی کے تحت متعدد چھوٹے پروگراموں کے علاوہ تین بڑی کانفرنسیں ہوئی ہیں:

اول : قصبہ بانسی میں ۱۹۵۹ء میں دوروزہ ضلعی کانفرنس۔

دوم: پھرینڈا مہراج گنج میں ۱۹۶۰ء میں دوروزہ ضلعی کانفرنس۔

سوم : نوگڈھ سدھارتھ نگر میں سہ روزہ آل انڈیا کانفرنس۔جس میں ایک لاکھ سے زائد فرزندان توحید نے شرکت کی تھی، اس عظیم الشان کانفرنس کے نتیجہ میں سلفیان ہند میں دینی و جماعتی حرکت و بیداری پیدا ہوئی اور مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) بنارس قائم ہوا۔

۱۹۶۵ء میں گونڈہ اور بستی کی جمعیتیں الگ الگ ہوگئیں اور ۱۹۶۸ء میں قصبہ تلسی پور گونڈہ (بلرامپور) میں سہ روزہ عظیم الشان صوبائی کانفرنس ہوئی، جس کے انعقاد میں گونڈہ وبستی کی جمعیتوں کا مشترک تعاون رہا ہے، پھر تدریجی طور پر ضلعی جمعیت گونڈہ پر اضمحلال طاری ہوگیا، اسی پس منظر میں راقم الحروف اور حافظ عبدالقوی رحمہ اللہ نے

۱۹۸۵ء میں ضلع گونڈہ کا جماعتی دورہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں لوگوں کے اندر زبردست دینی وجماعتی بیداری آئی، جب ہم لوگ تلسی پور کے علاقہ میں دورہ کررہے تھے تو مولانا مطیع اللہ سلفی، مولانا فضل الرحمٰن فیضی اور مولانا عبدالمنان سلفیؒ نے ہمارا ساتھ دے کر بھرپور تعاون کیا، یہ حضرات اس وقت جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔

۱۹۹۷ء میں ضلع گونڈہ سے کٹ کر ضلع بلرام پور کا وجود ہوا، اسی سال ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کا قیام ہوا، جس کے روح رواں جناب فصیح الدین خاںؒ تھے، کئی سال تک جمعیت بلرام پور دعوتی وتنظیمی اعتبار سے انتہائی حرکت ونشاط میں رہی، مگر ۲۰۰۶ء آتے آتے بعض اسباب ووجوہ کی بنا پر جمعیت کا تنظیمی ڈھانچہ بالکل منتشر ہوگیا، اس وقت میں جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلرہا کا پرنسپل اور صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کا امیر تھا، چنانچہ بتاریخ ۱۵/ستمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ میری نگرانی میں ضلعی جمعیت بلرام پور کی ایڈھاک کمیٹی بنائی گئی، پھر دوسرے سال بتاریخ ۸/مارچ ۲۰۰۷ء بروز جمعرات ازسرنو جمعیت کی تشکیل کی گئی، ماشاء اللہ اس وقت سے اب تک جمعیت بلرام پور شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی اور مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی کی قیادت میں کافی حد تک متحرک وفعال ہے۔

سطور بالا میں بڑے اختصار وجامعیت کے ساتھ ملکی وعلاقائی سطح پر جماعت وجمعیت کے جو حالات ومراحل ذکر کئے گئے ہیں، ضرورت تھی کہ بڑے مفصل ومستند انداز میں اس کے بعض حصوں پر روشنی ڈالی جائے، زیرنظر کتاب: ”تاریخ اہل حدیث بلرام پور“ اس اہم ضرورت کی تکمیل ہے جس کے مؤلف جماعت کی ایک جواں عزم بزرگ شخصیت مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ ہیں، جنہیں تاریخ اہل حدیث سے بڑی دلچسپی ہے اور جنہوں نے تقریباً بیس سال تک جماعت وجمعیت کی خدمت کی ہے، ۱۹۶۷ء

سے ۱۹۶۹ء تک وہ ترجمان دہلی واخبار اہل حدیث دہلی کی مجلس ادارت سے وابستہ رہے ہیں اور ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۵ء تک ضلعی جمعیت گونڈہ کے آفس سکریٹری رہے ہیں، میں ان کی اس اہم تالیف پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے اور ان کے قلم کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ جماعت و جمعیت کو فائدہ پہنچائے۔ (آمین)

اب بطور حرف آخر اپنی ایک خواہش کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کی ایک دوسری شخصیت برادرم مولانا مطیع اللہ سلفی نائب امیر ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر ہیں، جن کی بڑی گہری نظر جماعت و جمعیت کی ملکی وعلاقائی تاریخ پر ہے، ان سے میری گذارش ہے کہ وہ مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ کے طرز پر تاریخ اہل حدیث بستی وسدھارتھ نگر ضرور مرتب کریں۔ ماشاء اللہ ان کا اسلوب نگارش بھی رواں و شگفتہ ہے۔ وہ یہ کام بڑی آسانی سے انجام دے سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دعا گو

ابوالعاص وحیدی

ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی

۱۲رنومبر ۲۰۲۰ء

۞۞۞

داستانیں لکھ کے رکھ لیں چند عنوانوں کے ساتھ

ازقلم: فضیلۃ الشیخ محمد رحمانی سنابلی حفظہ اللہ
صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی
ورئیس جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم وبعد

مسلسل کئی روز سے اس کوشش میں تھا کہ مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کی ''کاروان سلف'' کی نویں کڑی ''تاریخ ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور یوپی'' کے لئے کچھ تاثرات قلم بند کروں لیکن مسلسل مصروفیات اور بعض اسفار کی وجہ سے وقت نہیں نکال سکا جبکہ مولانا ندوی حفظہ اللہ نے تاثرات لکھنے کے لئے کئی ماہ قبل ہی حکم دے دیا تھا۔ مجھے اس تاخیر پر افسوس بھی ہے اور میں مولانا ندوی حفظہ اللہ سے معذرت خواہ بھی ہوں کہ کتاب مکمل ہوکر طباعت کے لئے جانے کو تیار ہے لیکن صرف میرے تاثرات کی وجہ سے اس میں تاخیر ہورہی ہے۔

جماعت اہل حدیث کے علماء کے تعارف پر مشتمل مولانا ندوی حفظہ اللہ کی مسلسل کوششوں کو جتنا سراہا جائے کم ہے بلکہ ہندوستان اور برصغیر کے علماء سے متعلق ان کی اس کاوش نے انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کرلی ہے ''کاروان سلف'' کا آٹھ جلدوں کے بعد ضلع بلرام پور کی تاریخ اور علمائے اہل حدیث کے مختصر احوال پر مشتمل ایک مستقل کتاب مولانا حفظہ اللہ نے بہت تیزی کے ساتھ مرتب کرڈالی ہے، ابھی آٹھویں

جلد طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہے کہ نویں جلد تیار رکھی ہے اور اس کی طباعت کے لئے اب تک کسی غیور صاحب خیر کا انتظار ہے۔ایسا لگتا ہے کہ مولانا حفظہ اللہ نے اپنے سر پر اس کارنامہ کو انجام دینے اور پایہ تکمیل تک پہونچانے کی دھن سوار کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو مولانا کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین

جماعت اہل حدیث کے موجودہ احوال کہ جب جماعت کی اکثریت اپنے ہدف سے بھٹکتی نظر آ رہی ہے اور جماعت کے افراد میں بے چینی کا عالم ہے نیز جماعت کے علماء انتشار اور گروہ بندی کا شکار ہیں، ایسے وقت میں علمائے جماعت کے احوال اور ان کے کارناموں کی داستان افراد جماعت کے لئے حوصلہ کا سامان ہوتی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین رسول اکرم ﷺ کی شخصیت اور آپ کے کارناموں کا اتنا زیادہ ادراک کیا کرتے تھے کہ اعمال صالحہ کو اپنانے میں آپ کی نقالی اور شخصیت کا اہتمام کرنے میں آپ کی مبارک داڑھی اور مبارک سر کے پکے ہوئے بالوں کو گن کر رکھتے تھے، جماعت کے احباب اور بالخصوص طلبائے عزیز کو جہاں قرآن وسنت اور منہج سلف صالحین کے اصولوں اور طریقہ پر گامزن علمائے جماعت اور ان کے کارناموں کے احوال سے واقفیت ہونی چاہئے وہیں انہیں جماعت کے منہج اور اصول وضوابط پر بھی گہری نظر رکھنی چاہئے تاکہ جماعت اور قرآن وسنت اور فہم سلف پر مشتمل جماعت کے طریقہ کار کا دفاع کیا جا سکے اور حتی المقدور جماعتی کاز کو آگے بڑھانے میں اپنا فریضہ انجام دیا جا سکے۔

عموماً مختلف مکاتب فکر کے افراد اپنے مکتب فکر کو زندہ رکھنے کے لئے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہیں، اب اسے اپنے مکتب فکر کے لئے تعصب سے تعبیر کیا

جائے یا غیرت وحمیت سے لیکن مسلک اہل حدیث جوفطری منہج پر مشتمل قرآن وسنت کو اسلاف امت کے طریقہ پر سمجھنے کا پاکیزہ دستور اور منہج ہے، اس کے حاملین کو منہجی حمیت و غیرت اور اپنے مکتب فکر پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کے لئے غور وتدبر کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دلائل اور منہج سلف سے ماخوذ یہ طریقہ اختیار کرنا تو بذات خود ایک عبادت بھی ہے اور اس کی حمیت وغیرت اپنے اندر پیدا کرنا ایک شرف اور کار خیر بھی۔ جماعت کے احباب میں جس قدر مسلکی غیرت وحمیت میں کمزوری واقع ہوگی اسی قدر ان کے اندر سے دینی تعلیمات اور شریعت کی اصل روح میں کمی واقع ہوگی۔ اس وجہ سے جماعت اہل حدیث کے احباب اور بالخصوص طالبان علوم نبویہ کو ان دونوں پہلوؤں پر توجہ دینی چاہئے اور یقیناً ان میں سے ایک پہلو بہت حد تک مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کے سلسلہ تراجم اہل حدیث "کاروان سلف" کی نو جلدوں سے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق سے نوازے آمین۔

ہمارے یہاں اپنے بزرگان دین اور علمائے کرام کی سوانح نگاری کا جذبہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، دوسری جماعتوں نے اپنے اکابر وشیوخ اور ان کے خادموں کی بھی تاریخ لکھ ڈالی ہے، ضرورت ہے کہ جماعت کے اہل قلم حضرات اس اہم کام کی طرف توجہ دیں، بزرگوں سے متعلق واقعات وکارنامے حکیموں کے طبی نسخے کی طرح سینہ بہ سینہ چلتے چلتے ان کے واقف کاروں کا دور ہی ختم ہو جائے گا۔

داستانیں لکھ کے رکھ لیں چند عنوانوں کے ساتھ
پھر یہ باتیں ختم ہو جائیں گی دیوانوں کے ساتھ

میں شکر گذار ہوں کہ مولانا ندوی حفظہ اللہ نے مجھے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اتنی اہمیت سے نوازا کہ میں تاثرات قائم کرنے کا اہل نہ ہونے کے باوجود کچھ تاثرات تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ مولانا حفظہ اللہ کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے اور ان کی کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے، میں معروف عالم دین حضرت مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ ''شائق بستوی'' کا بھی دل کی گہرائی سے شکر گذار ہوں کہ انھوں نے والد گرامی رحمہ اللہ سے متعلق جامع ''منظوم تعارف'' کاروان سلف کی نویں جلد کے لئے تحریر فرمائے اور مولانا ندوی حفظہ اللہ کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب میں اس ''منظوم تعارف'' کو شامل فرمایا۔

کتبہ

محمد رحمانی سنابلی مدنی بن عبدالحمید رحمانی

۳۱/اگست ۲۰۲۱ء — صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی

۲۱/محرم ۱۴۴۳ھ — ورئیس جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی

✡✡✡

ضلع گونڈہ، بلرامپور، بستی اور سدھارتھ نگر کی

تاریخ اہل حدیث کے چند اوراق

ضلع گونڈہ و بستی اور نیپال کے اہل حدیث بزرگان دین پر اہل حدیث کانفرنس بونڈھیار بابت ۱۹۲۸ء کے موقع پر علامہ عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ نے ان کی دینی جد وجہد اور ایثار وقربانی پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی تھی، اس سے قبل کہ وہ رپورٹ قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے مناسب ہوگا کہ علامہ بسکوہری کا مختصر تعارف ہو جائے۔

علامہ عبدالغفور بسکوہری کے والد محترم کا اسم گرامی جعفر خاں تھا ۱۹۰۵ء میں آپ کی ولادت بسکوہر بازار سدھارتھ نگر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جناب مقصود علی شاہجہاں پوری سے حاصل کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی۔ادب و دیگر علوم مولانا اعجاز علی صاحب اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور حدیث مولانا انور شاہ کشمیری سے پڑھی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد ملک کے عظیم اداروں میں معقول اور منقول حدیث، فقہ وادب پڑھاتے رہے۔الہ آباد بورڈ سے، مولوی، منشی، عالم اور فاضل کا امتحان پاس کیا، فراغت کے بعد بلرامپور ڈگری کالج سے تدریسی کام کی ابتداء کی لیکن وہاں کی فضا آپ کو راس نہ آئی اور مستعفی ہو گئے، بسکوہر، انتری بازار، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں پڑھانے کے بعد کئی برس ملک کی عظیم درسگاہ دارالعلوم رحمانیہ دہلی اور دارالعلوم جودھپور، احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، جامعہ فیض عام مئو، جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈھیار، مدرسہ رحمانیہ کلکتہ وغیرہ میں درس وتدریس سے منسلک رہے علامہ بسکوہری ایک محقق عالم تھے، علامہ علم کی دولت سے مالا مال تھے اللہ تعالیٰ نے جس فراوانی سے علم کی دولت سے نوازا تھا اس دولت کو جس

فیاضی سے آپ نے لٹایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے مسلک اہل حدیث کے ترجمان اور تحریک اہل حدیث کے علمبردار تھے، مسلکی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی انتہائی خوددار تھے پوری زندگی کسی سرمایہ دار کے جیب پر بوجھ نہ بنے، علامہ بسکو ہری نے اہل حدیث امرتسر کانفرنس منعقدہ ۲۰/۲۱/۲۲/ فروری ۱۹۲۸ء کی ایک رپورٹ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر کو ارسال کی تھی جو ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر مارچ ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی جس میں ضلع گونڈہ بستی و نیپال کے بزرگان دین کی دینی جد و جہد اور ایثار و قربانی کی مختصر حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہدیہ قارئین کررہا ہوں، ۱۴/ مئی ۱۹۷۸ء کو علم و فضل کا یہ درخشندہ آفتاب اپنے وطن بسکو ہر بازار میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا لله و انا الیہ راجعون، اپنے آبائی قبرستان مولوی گنج بسکو ہر بازار میں مدفون ہوئے۔ رحمہ الله رحمة واسعة (عبدالرؤف ندوی)

(۱) مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ:[1]

سب سے پہلے جو مقدس ہستی اس علاقہ میں پیدا ہوئی وہ مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کی ہستی ہے آپ موضع میر مجھوا ضلع بستی کے رہنے والے تھے آپ کی خاص صفت اشاعت توحید تھی اور بمقتضائے آیت کریمہ "ادع الی ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" لوگوں کو عجیب حکمت و نصیحت سے توحید پر پختہ کرتے تھے۔

[1] مولانا نقوی صاحب خالص اہل حدیث تھے تقلید سے کوسوں دور تھے بعض لوگوں نے آپ کو حنفی بتلا کر اپنی کوتاہ نظری کا ثبوت دیا ہے، جتنے مدارس آپ نے قائم کئے وہ سب اہل حدیثوں کے ہیں اور وہ آپ ہی کے مسلک کے ترجمان رہے ہیں اس سے بھی آپ کا اہل حدیث ہونا ثابت ہوتا ہے مولانا جعفر علی نقوی صرف ایک مجاہد ہی نہیں تھے بلکہ ایک ممتاز عالم دین تھے علوم عقلیہ و نقلیہ میں ان کو مہارت حاصل تھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں جس میں تاریخ احمدیہ بہت مستند کتاب ہے۔ سید صاحب کے حالات اور تحریک جہاد کے بارے میں بہت مستند کتاب ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) حاجی عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ سرمہ دانی والے:

دوسری مخلص ہستی جو ان اضلاع کی ہدایت کے واسطے پیدا ہوئی وہ حاجی عبدالجبار صاحب رحمہ اللہ سرمہ دانی والے کی ہستی ہے، آپ مقام گنوریا ریاست بلرام پور کے رہنے والے تھے آپ نے توحید وسنت کی اشاعت میں جس طرح خلوص سے کام لیا ہے اس کی مثال خیر القرون میں ہی مل سکتی ہے آپ سرمہ دانی کی دستکاری سے بقدر ضرورت کسب حلال حاصل کر کے شب و روز اپنی عمر کا حصہ اشاعت توحید وسنت میں صرف کرتے تھے آپ کی اشاعت سے علاقہ ہی میں نہیں بلکہ دیگر اضلاع میں بھی خوب توحید پھیلی باوجود لاعلمی کے آپ کا وعظ اسرار سے بھرا ہوا بے نظیر ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا تھا آپ کی بات بجلی کی طرح اثر پیدا کرتی تھی۔ رحمہ اللہ

(۳) مولانا اللہ بخش بسکوہری رحمہ اللہ:

مولانا اللہ بخش بسکوہری رحمہ اللہ کی برگزیدہ ہستی علاقہ کی ہدایت کا ذریعہ ہوئی آپ صوبہ پنجاب ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے آپ قوم چھتری سے تھے بچپن ہی میں والد بزرگوار کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا آپ یتیم ہو گئے تھے سن شعور پہونچنے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور شوق علم دل میں لے کر شہر دہلی میں شیخ الکل میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف تلمذ حاصل کیا۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) فارسی زبان میں ہے مولانا علی میاں ندوی اور مولانا غلام رسول مہر نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے اس کتاب کی تاریخ تالیف ۱۲۷۳ھ نکلتی ہے۔ مولانا سید جعفر علی نقوی کے والد کا نام قطب علی تھا اس خاندان کے جد امجد سید جلال الدین آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے اجودھیا میں مقیم ہو گئے گیارہویں صدی ہجری کے لگ بھگ اس خاندان کے کچھ لوگ میر مجھوا ضلع بستی میں آباد ہو گئے۔ ۲ / رمضان ۱۲۱۸ھ کو آپ کی ولادت ہوئی آپ تحریک شہیدین کے میر منشی تھے۔ نومبر ۱۸۷۱ء میں علم و فضل کا یہ درخشاں آفتاب اپنے وطن مجھوا میر میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

بعد تحصیل علم دہلی سے رخصت ہو کر بسکو ہر باز ار تشریف لائے اور یہیں درس و تدریس کا کام شروع فرمایا اور تقریباً چالیس برس تک اپنے فیوض سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہمارے علاقہ میں آپ کے لائق شاگرد زیور علم سے آراستہ ہو کر لوگوں کے لئے ہدایت کا نمونہ بنے، جن میں سے آپ کے خاص شاگرد مولانا دیانت اللہ سمراوی ہیں مولانا مرحوم توحید وسنت پر دل سے شیدا تھے اپنی ساری عمر آپ نے جس پرہیز گاری اور احتیاط سے بسر کی اس کی مثال ملنی مشکل ہے آپ کا اکل حلال ضرب المثل بنا قریباً ساٹھ برس کی عمر میں بمقام بسکو ہر آپ کا انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئے، مولانا اللہ بخش بسکو ہری [1] کا بھی تقریباً ٦٣ برس کی عمر میں بسکو ہر انتقال ہوا اور بسکو ہر بازار کی جامع مسجد سے متصل قبرستان میں مدفون ہوئے۔ **تغمده الله برحماته**

[1] آپ صوبہ ہریانہ کے انبالہ شہر کے رہنے والے تھے والد کا نام پربھا سنگھ تھا جو ایک فوجی تھے سن شعور پہونچنے کے بعد سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے موصوف تعلیم کی تکمیل کی غرض سے دہلی آئے اور یہاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے تعلیم کی تکمیل کی وہاں سے لکھنؤ آئے اور مولانا سید عبدالحیٔ لکھنوی سے بھی اکتساب فیض کیا پھر فیض آباد آئے اور آپ کو فیض آباد سے بسکو ہر بازار کے ایک تاجر چرم خدا بخش بسکو ہری اپنے ساتھ بسکو ہر لے آئے، بسکو ہر بازار کچھ عرصہ رہ کر موضع اوسان کوئیاں کے مدرسہ مظہر العلوم عرصہ تک درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا آپ کے رفقاء میں مولانا محمد بشیر احمد سہسوانی اور مولانا عبدالتواب علی گڑھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ دونوں بھی میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے مولانا اللہ بخش بسکو ہری کے شاگردوں میں سے مولانا دیانت اللہ سمراوی کے علاوہ قابل ذکر شاگردوں کے نام یہ ہیں: مولانا محمد صدیق رحمانی بسکو ہری، مولانا جعفر علی مرغہوا، مولانا عبدالرزاق سمراوی، مولانا عبدالستار بسکو ہری، مولانا عبدالرحمٰن بجواوی، مولانا خلیل احمد بسکو ہری، مولانا محمد بخش بسکو ہری وغیرہ، مولانا اللہ بخش بسکو ہری کے تین لڑکے تھے بڑے لڑکے مولوی محمد ابراہیم صاحب تقریباً تیس سال ہوئے وفات پاگئے محمد زکریا محمد ادریس کا انتقال ہوئے عرصہ ہو گیا آپ کے پوتے پرپوتے فیض آباد سے متصل قصبہ بھدرسہ میں آباد ہیں (عبدالرؤف ندوی)

(۴) مولانا سید محمد اظہر بہاری رحمہ اللہ:

مولانا اللہ بخش بسکوہری کے ہم عصر جناب مولانا سید محمد اظہر بہاری رحمہ اللہ ہیں آپ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے کسی وقت علاقے میں تشریف لائے سب سے پہلے موضع جے نگرا میں قیام رہا اس کے بعد موضع ادئی پور آپ نے مستقل سکونت اختیار کر لی یہیں سے آپ پورے علاقہ میں سلفی مشن چلاتے رہے آپ کی بزرگی و دینداری پر اکثر لوگ فریفتہ ہو کر آپ سے بیعت ہو گئے اور اس تعلق کی بنا پر ان کی نگرانی اور ان کو دینداری پر آمادہ رکھنے کے لئے آپ نے ساری عمر اس علاقہ میں صرف کر دی، آپ نہایت قد آور قوی الاعضاء اور گندمی رنگ کے تھے اور مولانا عبدالحق صاحب محدث بنارسی کے خاص شاگردوں میں سے تھے سنت کے سچے عاشق تھے اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا غرض کل کام میں سنت کا بہت خیال رکھتے تھے آپ کو جزئیات مسائل بہت مستحضر تھے علاوہ صحاح ستہ کے نیل الاوطار و زاد المعاد، کشف الملہم وغیرہ کتب حدیث کے گویا حافظ تھے آپ کا کتب خانہ بے نظیر کتابوں سے بھرا رہتا تھا آپ کے ذریعہ سے علاقہ میں سنت کا بہت بڑا چرچا ہوا اکثر مرد و عورت آپ کی ذاتی کوشش سے آباو اجداد کے رسوم کو ترک کر کے سنت پر عامل ہو گئے اور آج اکثر اہل حدیث مولانا سید محمد اظہر بہاری [1] کی یادگار باقی ہیں تقریباً ایک سو برس کی عمر پائی اس عمر میں بھی آپ کے ہوش وحواس میں کچھ فرق نہ آیا تھا آپ کی آخری آرام گاہ بھی موضع ادئی پور میں ہے، آج بھی ادئی پور و جے نگرا میں آپ کے نام مدرسہ اظہر العلوم چل رہا ہے۔ **رحمه الله رحمة واسعة۔**

---

[1] مولانا سید محمد اظہر بہاری رحمہ اللہ کے علاقہ کے مسلمانوں پر ایسی گرفت تھی کہ آپ کی اجازت کے بغیر لڑکی اور لڑکے کا رشتہ طے نہیں ہوسکتا تھا بارات لین دین وغیرہ رسومات پر کڑی نظر رکھتے تھے بڑے بڑے زمیندار آپ کے سامنے آنے اور جواب دہی سے خائف رہا کرتے تھے اور دور دراز علاقوں میں دعوتی وتبلیغی پروگراموں میں حصہ لینے کے لئے آپ پالکی پر چلتے تھے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۵) مولانا محمد اسحاق صاحب بانسوی رحمہ اللہ:

انہی بزرگان اہل حدیث میں سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بانسوی بھی تھے آپ قصبہ بانسی کے رہنے والے تھے توحید وسنت کی حمایت میں شب وروز کوشاں رہتے تھے آپ میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا درس وتدریس کے کام شوق سے کرتے تھے چنانچہ آپ علمی غذا کی پروردہ ایسی چند ہستیاں تیار ہوئیں جو مخلوق کی ہدایت کا نمونہ بنیں چنانچہ ذیل میں ان کا ذکر آتا ہے۔

(٦) مولانا عباد اللہ صاحب یوسف پوری رحمہ اللہ:

مولانا محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے اول شاگرد مولانا عباد اللہ صاحب یوسف پوری رحمہ اللہ [1] ہیں، موضع یوسف پور علاقہ مٹکا کا متصل علاقہ ہے نیپال کے رہنے والے تھے آپ بھی شیدائے سنت تھے علم کا بہت کچھ شوق تھا آپ کے کتب خانہ میں نایاب کتابیں موجود تھیں آپ کو بھی سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) اور پالکی اٹھانے والے کو ان کی اجرت پہلے ہی دے دیتے تھے ضلع بلرام پور گونڈہ، بستی اور سدھارتھ نگر کا آج منہج سلف عقیدہ صحیحہ سے جو وابستگی ہے مولانا سید محمد اظہر بہاری و مولانا اللہ بخش بسکوہری و دیگر افاضل علماء کی رہین منت ہے۔ (عبدالرؤف ندوی)

[1] مولانا عباد اللہ یوسف پوری میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد خاص تھے نوگڈھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر موضع یوسف پور کے رہنے والے تھے یہاں مسلم آبادی اولاً تو بہت کم تھی دوسرے وہ سب جہالت بدعات ورسوم باطلہ میں گرفتار تھی تمام مسلمان قبریں پوجتے تھے تعزیہ داری کرتے تھے پیروں کے حلقہ بگوش تھے اور وہ جو چاہتے اپنے مریدوں سے کروا لیتے تھے اور یہ اس کی تعمیل میں ذرہ بھی چوں چرا نہیں کرتے تھے پہلے تو مولانا عباد اللہ صاحب نے اپنے وعظ وارشاد سے ان سب چیزوں کی اصلاح کی ایک ایک کو صراط مستقیم پر لائے پھر آپ نے یوسف پور میں مدرسہ دار الہدیٰ قائم کیا اس علاقہ کا یہ قدیم مدرسہ ہے بحمد اللہ دن بدن ترقی پر ہے۔ مولانا عباد اللہ صاحب کی تاریخ پیدائش ۱۸۳۱ء اور تاریخ وفات ۱۸۹۷ء ہے۔ (عبدالرؤف ندوی)

سے شرف تلمذ حاصل تھا آپ کی کوشش سے علاقہ مٹکا و نیپال میں جماعت اہل حدیث کی خوب ترقی ہوئی، یہاں تک کہ علاوہ دو ایک جگہ کے سارا علاقہ اہل حدیث ہو گیا آپ کی یادگار مدرسہ یوسف پور سدھارتھ نگر ہے۔ اللہ غریق رحمت کرے۔ آمین

(۷) مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ اوبری ڈیہہ:

دوسرے شاگرد جناب مولانا احمد علی صاحب موضع اوبری ڈیہہ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے علاقہ کے ممتاز عالموں میں سے تھے آپ کو توحید کا سچا عشق تھا آپ کی ذات گرامی سے بھی علاقہ میں خوب دینداری پھیلی۔ رحمہ اللہ۔

(۸) حافظ لال محمد بانسوی رحمہ اللہ:

تیسرے شاگرد جناب حافظ لال محمد صاحب تھے آپ شیفتہ توحید تھے مولانا بانسوی کے بجائے آپ نے خوب دعوت و تبلیغ کیا آپ کی بات ایسی پُر تاثیر ہوتی تھی کہ بعض عالموں کو بھی غفلت سے ہوشیار کر دیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو غریق رحمت کرے آمین۔

(۹) مولانا عظیم اللہ صاحب رحمہ اللہ نیپالی:

چوتھے قابل ذکر شاگرد جناب مولانا عظیم اللہ صاحب تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سنت کا کمال عشق عطا کیا تھا آپ کی سعی بلیغ سے بھی قوم بہت کچھ سدھری۔

(۱۰) مخدوم پنچ[1] صاحب رحمہ اللہ موضع ہرہٹہ بلرام پور یوپی:

مذکورہ بالا ہستیوں کی جان توڑ کوششوں کی وجہ سے علاقہ میں خوب دینداری

[1] مخدوم پنچ رحمہ اللہ کا مسکن موضع ہرہٹہ تھا مخدوم پنچ کے پانچ لڑکے تھے پہلی محل سے محمد اسحاق پنچ عبید اللہ خاں، عبدالجبار خاں دوسری محل سے عبداللہ خاں ٹھیکیدار محمد خلیل خاں آپ کے سبھی لڑکوں اور پوتوں کا انتقال ہو چکا ہے، محمد مخدوم پنچ ہرہٹہ کے تفصیلی حالات کیلئے میری کتاب کاروان سلف حصہ سوم ملاحظہ فرمائیں۔ (عبدالرؤف ندوی)

پھیلی چاروں طرف دیندار ہی دیندار نظر آنے لگے خصوصا مخدوم پنچ موضع ہرہٹہ ضلع گونڈہ (بلرامپور) پر دینداری کا وہ رنگ چڑھا کہ گردونواح کے دور دراز مقامات پر بھی مخدوم پنچ کا نام روشن ہوگیا اپنی اور اپنے بچوں کی صورت وشکل اور شادی وغیرہ میں سنت کی پوری پابندی کرتے تھے مجال نہ تھی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی خلاف سنت کوئی کام کرسکتا جود وسخا میں وہ یکتائے زمانہ تھے اپنے وقت میں اپنی نظیر خود تھے۔ باوجود مالداری کے نہایت درجہ غریب آشنا تھے آپ کا جودوسخا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

آپ کی یادگار شہر بلرامپور محلّہ چکنی کی مسجد اہل حدیث ہے ۱۹۰۰ء میں وفات پائی اور موضع ہرہٹہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ تغمده الله بر حماته [1]

یہ چند ہستیاں تھیں جن کی کمال کوشش سے توحید وسنت کا پرچم سارے علاقے میں اڑنے لگا اور کثیر تعداد میں شیفتہ توحید وسنت نظر آنے لگے لیکن آہ یہ مقدس ہستیاں ہماری نظروں سے غائب ہیں اور ہم ان کے دیکھنے کو ترستے ہیں۔

۞۞۞

[1] بحوالہ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر مارچ ۱۹۲۸ء

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا قیام

یہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ قبل کی بات ہے کہ ۲۲؍۲۳؍دسمبر ۱۹۰۶ء کو صوبہ بہار کے شہر آرہ میں وہاں کے مدرسہ احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں متحدہ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے بہت سے علماء کرام اور مقررین عالی مقام نے شرکت کی اس جلسے کے موقع پر ملک کے مختلف مقامات میں پھیلے ہوئے اہل حدیث حضرات کی تنظیم کی سلک میں منسلک کرنے کے لئے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا قیام عمل میں آیا یہ جماعت اہل حدیث کی ایک موثر تنظیم تھی جس میں متحدہ ہندوستان کے وہ تمام اہل حدیث اکابر شامل تھے جو علم وعمل اور تقویٰ وصالحیت کے اعتبار سے نہایت اونچے مقام پر فائز تھے اور ان کی آواز کو ہر حلقہ میں پذیرائی حاصل تھی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی شہرت دیار ہوتے نکل کر دیار عرب تک پہونچی اور اس سے تعلق رکھنے والے ہر عالم کو ہر طبقۂ فکر میں اعزاز کا مستحق گردانا گیا آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اولین صدر استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کو بنایا گیا تھا جو اپنے خداداد فضل وکمال کی بنا پر استاذ الاساتذہ کے بلند مرتبے پر فائز تھے انھوں نے ۲۱؍صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۲؍نومبر ۱۹۱۸ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کا سفر کیا۔

ناظم اعلیٰ فاتح قادیان حضرت مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا تھا جن کے تصنیفی، صحافتی، مناظراتی اور فکر وعملی کمالات کی فہرست بڑی وسیع ہے انھوں نے ہر محاذ پر اسلام کا دفاع کیا اور ہر رنگ میں مخالفین کو شکست دی اس عظیم المرتبت شخصیت نے ۱۵؍مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا (پاکستان) میں وفات پائی۔ غفر اللہ تعالیٰ

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو ملک میں متعارف کرانے اور مختلف مقامات میں اس کی تنظیمیں قائم کرنے کے لئے ایک وفد ترتیب دیا گیا تھا جو تین جلیل القدر شخصیتوں پر مشتمل تھا ان میں ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی تھے جن کے فضیلت علمی اور فہم فراست کو ہر ذی علم نے خراج تحسین ادا کیا اس مرد جلیل نے جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ اپریل ۱۹۱۹ء کو جنت کی راہ لی، اس وفد ذی قدر کے دوسرے رکن حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی تھے جو مفسر قرآن عظیم مصنف اور بلند آہنگ خطیب تھے ان کا سانحۂ ارتحال ۲۶/جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ ۱۲/جنوری ۱۹۵۶ء کو پیش آیا، اس تنظیمی وفد کے تیسرے رکن آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے۔

کانفرنس کے سالانہ جلسے:

تقسیم ملک سے قبل مختلف شہروں میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ متحدہ ہندوستان میں اس کے چوبیس سالانہ جلسے منعقد ہوئے عیسوی اور قمری تواریخ وسنین اور صدور کے اسماء گرامی کے ساتھ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) دہلی۔ ۶/۵/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ - ۲۵/۲۴/فروری ۱۹۱۳ء
حاجی شمس الدین صاحب صدر

(۲) امرتسر۔ ۶/۵/۷/ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ -۱۴/۱۵/۱۶/مارچ ۱۹۱۳ء
مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صدر

(۳) پشاور۔ ۲۹/۳۰/ربیع الثانی وکیم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ -۲۷/۲۸/۲۹/مارچ ۱۹۱۴ء
عبدالرؤف خاں رئیس پشاور صدر

(۴) علی گڈھ۔ ۲۶/۲۷/۲۸/ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ -۱۳/۱۴/۱۵/مارچ ۱۹۱۵ء

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صدر

(۵) بنارس ۔۲۰/۲۱/۲۲/ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ۔ ۲۵/۲۶/۲۷/فروری ۱۹۱۶ء

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صدر

(۶) کلکتہ ۔۱۴/۱۵/۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ ۔ ۹/۱۰/۱۱/مارچ ۱۹۱۷ء

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صدر

(۷) مدراس ۔ ۲۱/۲۲/۲۳/رجب ۱۳۳۶ھ ۔۳/۴/۵/مئی ۱۹۱۸ء

مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری صدر

(۸) کانپور ۔۹/۱۰/۱۱/رجب ۱۳۳۷ھ۔ ۱۱/۱۲/۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صدر

(۹) ملتان ۔ ۱۸/۱۹/۲۰/رجب ۱۳۳۸ھ۔۹/۱۰/۱۱/اپریل ۱۹۲۰ء

مولانا عبدالرحمٰن ممبر کونسل ریاست بھاول پور صدر

(۱۰) دہلی ۔ ۱۹/۲۰/ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ ۔ ۹/۱۰/دسمبر ۱۹۲۲ء

مولانا سید ابوالحسن نبیرہ حضرت میاں صاحب صدر

(۱۱) گوجراں والا۔ ۷/۸/۹/شعبان ۱۳۴۲ھ۔۱۴/۱۵/۱۶/مارچ ۱۹۲۴ء

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صدر

(۱۲) لہریا سرائے دربھنگہ۔ ۲۴/۲۵/۲۶/شعبان ۱۳۴۳ء۲۰/۲۱/۲۲/مارچ ۱۹۲۵ء

مولانا سید ابوالحسن نبیرہ حضرت میاں صاحب صدر

(۱۳) چھپرہ۔ ۱۹/۲۰/۲۱/شعبان ۱۳۴۴ھ۔۵/۶/۷/مئی ۱۹۲۶ء

اس جلسے کا کوئی صدر نہیں تھا مختلف اجلاسوں کے مختلف صدر تھے

(۱۴) مئوناتھ بھنجن ۔۸/۹/۱۰/شعبان ۱۳۴۵ھ۔۱۱/۱۲/۱۳/فروری ۱۹۲۷ء

قاضی محمد سلیمان منصور پوری صدر

(۱۵) آگرہ ۷/۸/۹ شوال ۱۳۴۶ھ - ۳۰/۳۱ مارچ و یکم اپریل ۱۹۲۸ء

قاضی محمد سلیمان منصور پوری صدر

(۱۶) ملتان ۔ ۱۲/۱۳/۱۴ شوال ۱۳۴۷ھ - ۲۴/۲۵/۲۶ مارچ ۱۹۲۹ء

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صدر

(۱۷) پٹنہ ۔ ۲۴/۲۵/۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ - ۶/۷/۸ نومبر ۱۹۳۱ء

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی صدر

(۱۸) چھپرہ ۔ ۱۹/۲۰/۲۱ شعبان ۱۳۵۲ھ - ۸/۹/۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء

مولانا ثناءاللہ امرتسری صدر

(۱۹) دہلی ۔ ۱۷/۱۸/۱۹ شعبان ۱۳۵۴ھ - ۱۵/۱۶/۱۷ نومبر ۱۹۳۵ء

اس جلسے کی مختلف اجلاسوں کے مختلف صدر تھے

(۲۰) شکراوہ ۔ ۱۱/۱۲/۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ - ۲۲/۲۳/۲۴ مئی ۱۹۳۷ء

مولانا محمد صاحب جونا گڈھی صدر

(۲۱) فتح گڈھ چوڑیاں ضلع گورداس پور۔ ۱۶/۱۷/۱۸ صفر ۱۳۵۷ھ -

۷/۸/۹ اپریل ۱۹۳۹ء مولانا عبدالقادر قصوری صدر

(۲۲) آرہ ۔ ۲۸/۲۹/۳۰ شوال ۱۳۵۹ھ ۲۹/۳۰ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۴۰ء

مولانا ثناءاللہ امرتسری صدر

(۲۳) مئو آئمہ ۔ ۲۶/۲۷/۲۸ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ - ۲/۳/۴ اپریل ۱۹۴۳ء

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی صدر

(۲۴) دہلی ۔ ۱۲/۱۳/۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ - ۷/۸/۹ مارچ ۱۹۴۴ء

مولانا ثناءاللہ امرتسری صدر [1]

---

[1] بحوالہ برصغیر میں اہل حدیث کی سرگذشت

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے قیام کا مقصد، مثبت، دعوت وتبلیغ کے ساتھ شرک وبدعت قادیانیت، بہائیت، شدھی تحریک، آریہ سماج، شیعیت، عیسائی مشن اور تقلید جامد کی صورت میں امت کے خلاف اٹھنے والے خوفناک طوفانوں کا پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی عطا فرمائی اور آج تک یہ مفید سلسلہ جاری وساری ہے۔ **فالحمد لله علیٰ ذلک۔**

بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اس پوزیشن میں آئی کہ صوبائی وضلعی طور پر سارے ملک میں اس کی شاخوں کا جال پھیل گیا اسی کی ایک سنہری کڑی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور ہے، جو مارچ ۱۹۶۸ء میں اس لائق ہوگئی کہ ریاستی کانفرنس کے انعقاد کی بھاری اور فقید المثال ذمہ داریوں کو سنبھال سکے اور یہ اس کی صلاحیت پر بجائے خود ایک سند ہے۔

❁❁❁

تاریخ اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور یوپی

اب تک ہم تاریخ اہل حدیث کی ملکی تاریخ پر روشنی ڈال رہے تھے اب ضلع گونڈہ وبلرام پور کی تاریخ اہل حدیث پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

☆ بڑھنی بازار سے مغرب وشمال جانب تقریباً ۹رکلو میٹر ایک مشہور و معروف موضع بجوا کلاں ہیجہاں کئی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں ماہر فرائض مولانا عبدالرحمٰن بجواوی کی علمی شخصیت بھی شامل ہے۔ امام فرائض علامہ عبدالرحمٰن بجواوی [۱] اسی گاؤں میں پیدا ہوئے اوراسی گاؤں میں مدفون ہوئے علامہ بجواوی رحمہ اللہ علوم قرآن وسنت، عقائد وفقہ اور تمام علوم معقولات ومنقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے لیکن جن عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ملک میں نمایاں حیثیت کا مالک بنایا تھا وہ علم فرائض ہے علم فرائض جسے نبی ﷺ نے پورے علوم اسلامیہ کا نصف قرار دیا ہے شیخ الاسلام ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری و علامہ شرف الدین دہلوی اور دوسرے اکابر علماء فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے علم فرائض میں آپ کی کتاب رحمۃ الفرائض کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔

آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں آپ کے والد مولانا عبداللہ صاحب، علامہ اللہ بخش بسکوہری استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوری، علامہ عبدالجبار غزنوی، علامہ عبدالوہاب ملتانی، محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

---

[۱] علامہ بجواوی رحمہ اللہ کے مفصل حالات معلوم کرنے کیلئے میری کتاب کاروان سلف حصہ اول ملاحظہ فرمائیں (عبدالرؤف ندوی)

قابل ذکر تلامذہ میں خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مفکر ملت علامہ عبدالجلیل رحمانی، مفسر قرآن علامہ عبدالقیوم رحمانی شیخ الحدیث علامہ عبدالسلام بستوی رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔

آپ کی سادگی، اخلاص تواضع اور انکساری فروتنی تھی سادگی کا یہ حال تھا کہ کبھی دو جوڑے سے زیادہ کپڑا نہیں رکھا اور کُرتے میں کبھی بٹن تک لگانا گوارہ نہ فرمایا تقویٰ اور اکل حلال میں اپنی نظیر آپ تھے بالآخر یہ نیر تاباں امام فرائض جو تمام عمر درس و تدریس دعوت و تبلیغ ،تصنیف و تالیف کی صورت میں دنیا میں روشنی پھیلاتا رہا ایک سو سال عمر گذار کر فروری ۱۹۷۲ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون آپ کی آخری آرام گاہ بجوا میں ہے اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اضلاع گونڈہ و بستی بلرام پور و سدھارتھ نگر وغیرہ میں سلفی دعوت کو عام کرنے اور گھر گھر پہونچانے میں میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ اور تحریک شہیدین کے بچے کھچے افراد اور دوسرے بعض علماء افاضل ہیں علامہ خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ نے ۱۹۶۱ء کے تاریخی ومثالی نوگڈھ کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں جو خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے علامہ جھنڈانگری تحریر فرماتے ہیں:

۞ ''ضلع بلرام پور میں ایک مشہور و معروف مقام موضع بجوا ہے اس موضع میں میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے علامہ سعید بنارسی ، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، علامہ بشیر احمد سہسوانی وغیرہ تشریف لا چکے ہیں اور علامہ امرتسری و علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی تو اس علاقہ میں بارہا اصلاح و تبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اس علاقہ میں ان حضرات کی کوششوں سے دینداری خوب پھیلی کتاب

وسنت کی تعلیمات عام ہوئیں اور بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوا۔“

✿ ضلع بلرام پور کی سرحد پر ایک مشہور مقام بسکو ہر ہے یہاں ایک ولی کامل ، عارف باللہ علامہ اللہ بخش بسکو ہری گزرے ہیں آپ ضلع انبالہ پنجاب کے رہنے والے تھے ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ علاقہ رسوم و بدعات سے تائب ہوا اور قرآن و حدیث پر عمل کا خوگر ہوا ان علاقوں میں مولانا محمد اظہر بہاری رحمہ اللہ بھی تبلیغ واصلاح کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ ۱

✿ ضلع بلرام پور میں تلسی پور سے جنوب جانب ۱۲ رکلومیٹر دور پر ایک مشہور و معروف گاؤں ہرہٹہ ہے جو راقم الحروف کا آبائی گاؤں ہے تعلیم یافتہ وخوشحال ہے اور علماء کی کثرت ہے جو ملک و بیرون ملک دین کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں، وہاں پر ایک بزرگ ولی صفت فصیح الدین خاں صاحب رحمہ اللہ گینسڑی کے پردادا مخدوم پنچ رہتے تھے وہ مولانا اللہ بخش بسکو ہری ومولانا محمد اظہر بہاری کے صحبت یافتہ تھے مولانا عبدالغفور بسکو ہری رحمہ اللہ، مولانا محمد اظہر بہاری، مولانا اللہ بخش بسکو ہری، اور حاجی عبدالجبار سرمہ دانی والے گنور یا بلرام پور کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”متذکرہ بالا ہستیوں کی جان توڑ کوشش کی وجہ سے علاقہ میں خوب دینداری پھیلی چاروں طرف دیندار ہی دیندار نظر آنے لگے خصوصا مخدوم پنچ ہرہٹہ پر دینداری کا وہ رنگ چڑھا کہ علاقہ گرد ونواح کے دور دراز مقامات پر بھی مخدوم پنچ کا نام روشن ہو گیا اپنے اور اپنے بچوں کی صورت وشکل اور شادی وغیرہ میں سنت کی پوری پابندی کرتے تھے مجال نہ تھی کہ چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی خلاف سنت کوئی کام کر سکتا جود وسخا میں یکتائے زمانہ تھے اپنے وقت میں اپنی نظیر خود تھے باوجود رئیس کے نہایت درجہ غریب آشنا تھے آپ کا جود وسخا دور دراز تک مشہور ہو گیا تھا۔ ۲

---

۱ ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ نوگڈھ کانفرنس ۱۹۶۱ء از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

۲ ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۹۲۸ء

الحمدللہ ہرہٹہ کی مسلم آبادی اہل حدیث صحیح افکار وعقائد سے وابستہ اور سلفی منہج کی پیرو کار ہے۔

ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری مدنی حفظہ اللہ [1] کے والد محترم مولانا حکیم محمد اسحاق رحمانی رحمہٗ اللہ چیونٹہوا بلرام پور راوی ہیں کہ:

''مخدوم پنچ ہرہٹہ بڑے بزرگ تھے مولانا محمد اظہر بہاری سے بیعت تھے مولانا محمد اظہر نے بتایا تھا کہ کافروں کو سلام نہیں کرنا چاہئے اس اصول کی پابندی میں آپ نے ریاست بلرام پور کے اس وقت کے راجہ صاحب سے صاف کہہ دیا کہ میں نے ایک پیر بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ راجہ کافر ہے اور کافروں کو سلام نہیں کرنا چاہئے اس لئے میں تمہیں سلام نہیں کروں گا۔ ''[2]

واضح رہے کہ مخدوم پنچ رحمہ اللہ سیاسی اور انتظامی امور میں ریاست بلرام پور کے مشیر خاص تھے مخدوم پنچ ہرہٹہ کی عظیم یادگار شہر بلرام پور محلّہ چکنی کی جامع مسجد اہل حدیث ہے جس کی تولیت آج تک مخدوم پنچ خاندان میں ہی چلی آرہی ہے اس مسجد کی تعمیر کا واقعہ اہل ثروت کے لئے لمحۂ فکریہ اور درس عبرت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مخدوم پنچ ہرہٹہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ہاتھی خریدنے کے ارادہ سے شہر بلرامپور تشریف لائے، مخدوم پنچ نے بلرام پور میں جب کئی روز قیام کیا اور یہاں شرک وبدعت کا بازار گرم دیکھا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہاں ایک سلفی مسجد کی اشد ضرورت ہے مخدوم پنچ نے اپنا ارادہ ہاتھی خریدنے کا بدل دیا اور ہاتھی خریدنے کے بجائے قلب بلرام پور محلّہ چکنی میں مسجد کیلئے زمین خرید فرمائی اور خود ہی سنگ

---

[1] ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری کا ترجمہ میری کتاب کاروان سلف جلد ۵ اور مولانا محمد اسحاق رحمانی کا ترجمہ کاروان سلف اول میں ملاحظہ فرمائیں (عبدالرؤف ندوی)

[2] کاروان سلف اول تذکرہ مولانا محمد اسحاق رحمانی رحمہ اللہ

بنیاد رکھا اور اس کی کچھ دیواریں اونچی کرا کر ہر ہٹہ تشریف لائے جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا بابا آپ تو ہاتھی لینے گئے تھے خالی ہاتھ کیسے آئے فرمایا ہاتھی خرید کر بلرام پور باندھ آیا ہوں کچھ لوگ یہ جواب سن کر بلرام پور آئے یہ دیکھ کر سبھی حیرت زدہ رہ گئے کہ ہاتھی خریدنے کے بجائے اس اللہ کے نیک بندے نے اللہ کا گھر بنوا کر جنت میں اپنا گھر خریدا ہے۔

اہل حدیث علمائے کرام اسی تاریخی مسجد سے سلفی مشن چلاتے رہے، علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کا ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۵۳ھ ربط و تعلق ضلع بلرام پور سے بہت زیادہ رہا یہاں کے تعلیمی و تبلیغی عروج وارتقاء میں ان کی کوششوں کا بڑا دخل رہا ہے ایک دفعہ خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری نے ناچیز سے بیان فرمایا کہ علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کا کچھ حصہ اسی مسجد میں لکھا ہے"۔

مورخ اہل حدیث ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کی تدریسی و تبلیغی خدمات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری تعلیمی فراغت کے بعد اسی سال اپنے یہاں مدرسہ دارالتعلیم کی بنیاد رکھی مبارکپور کے بعد شہر بلرام پور ضلع گونڈہ میں ایک مدرسہ قائم کیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم دی پھر اللہ نگر (اترولہ) کے مدرسہ میں پڑھایا پھر موضع کنڈؤ بونڈیہار تشریف لے گئے اور ۱۹۰۷ء میں جامعہ سراج العلوم کی لب دریائے راپتی بنیاد ڈالی اور وہاں کچھ عرصہ پڑھایا پھر آپ کے استاذ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہٗ اللہ نے آپ کو مدرسہ احمدیہ آرہ میں طلب کرلیا کچھ عرصہ وہاں پڑھایا پھر کلکتہ مدرسہ دارالقرآن والحدیث کی دعوت پر چلے گئے پھر وہاں چند سال پڑھایا اس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے"۔[1]

[1] تاریخ اہل حدیث جلد۳ ص۲۰۶ طبع دہلی ۲۰۰۹ء

شاید یہ وہی مدرسہ ہے جو محلّہ چکنی کی جامع مسجد اہل حدیث (بانی مخدوم بخش ہرہٹہ) سے چندگز کے فاصلے پر جنوب جانب تھا جس کا ذکر مورخ اہل حدیث ڈاکٹر بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ نے سطور بالا میں اور مولانا ابوالفضل عبدالسمیع مبارکپوری رحمہ اللہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

" اسس عدة مدارس دينية درس فيها فمنها مدرسة عربية في بلرام فور من توابع غونده درس فيها مدة الخ"

اس مدرسہ کے بانی ونگراں اور مدرس علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری تھے اور کئی سالوں تک تعلیم دی پھر موضع اللہ نگر (اترولہ) کے ذمہ داروں نے علامہ مبارکپوری کو اپنے یہاں بلالیا آپ کے بلرام پور سے چلے جانے کے بعد مدرسہ کی ذمہ داری ونگرانی موضع گڑرہیا کے چودھری صاحبان نے سنبھالی اس مدرسہ کا پورا خرچ چودھری صاحبان برداشت کرتے تھے ۱۹۴۷ء میں جب ملک کا بٹوارہ ہوگیا تو چودھری صاحبان یہاں سے پاکستان ہجرت کرگئے جس کی وجہ سے کچھ سالوں تک مدرسہ بند ہوگیا حالات جب سازگار ہوئے تو الحاج محمد رفیق ایڈوکیٹ رحمہ اللہ کی نگرانی میں مولانا ابوالقمر محمد عمر شیکھر پوری ثمّ بلرام پوری نے مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالی اور مولانا کئی سالوں تک اس مدرسہ کی آبیاری کرتے رہے مولانا کی وفات سے چند سال پہلے مدرسہ بند ہوگیا واضح رہے کہ اسی مدرسہ میں مولانا ابوالقمر محمد عمر صاحب بلراپوری نے آخری سانس لی۔

انا لله وانا اليه راجعون

۞ الحاج مخدوم پنچ کے بعد موضع ہرہٹہ کی دوسری عظیم ہستی عم محترم حضرت مولانا عبداللہ سعیدی رحمہ اللہ کی گذری ہے جو راقم کے چچا بھی ہیں اور استاذ بھی، الحمدللہ ہمارا خاندان دینی وعلمی اعتبار سے بہت ہی ممتاز اور سرسبز وشاداب ہے عم محترم بڑے صالح مزاج عالم وفاضل تھے آپ نے جونیر تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ

سعیدیہ بنارس کا رخ کیا اپنے دور کے جید عالم محقق مناظر محدث مفسر حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمۃ اللہ کی بارگاہ فضیلت میں حاضری دی اوران کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، عم محترم نے مدرسہ سعیدیہ بنارس ۱۹۴۸ء میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے سند فراغت لی آپ کے سند عالی کا سلسلہ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی تک پہونچتا ہے تعلیمی فراغت کے بعد اپنے گاؤں ہرہٹہ میں آپ اور حکیم فرزند علی گنوری کی تحریک وتشویق پر ۱۹۵۳ء میں مدرسہ ضیاء العلوم کے نام سے اہل موضع کی باہمی مشاورت وتعاون سے سنگ بنیاد رکھا،اس مدرسہ میں تقریباً چالیس سال تک بحیثیت ناظم مدرسہ درس وتدریس کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے آخری کچھ ایام چھوڑ کر پوری زندگی امامت وخطابت مع خطبۂ جمعہ،نماز عیدین ونماز جنازہ کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دیئے اور یہ کار خیر آپ نے خالصتاً لوجہ اللہ اور خدمت دین کے جذبہ سے انجام دی،کبھی معاوضے کے طالب نہیں ہوئے جو بڑا قابل تحسین امر ہے آپ کی یہ پاکیزہ زندگی ہم سب کے لئے عبرت ونصیحت اور بہترین اسوہ ہے،آج حال یہ ہے کہ بعض علماء کرام خطباء کو پانچ سو ایک ہزار جمعہ کا دیا جاتا ہے یہ لوگ اپنی اجرت نقد وصول کر لیتے ہیں بقایا نہیں رکھتے کہ معلوم نہیں اللہ کے یہاں یہ اجرت کب ملے؟

آج کا دور مادی دور ہے بعض مدرسین کی تقرری کو ایک ماہ بھی نہیں ہوتے ہیں دوسری جگہ تنخواہ زیادہ ملی تو وہ جا کر جوائن کر لیتے ہیں اور یہ سلسلہ سال بھر چلتا رہتا ہے یہ عام بیماری ہے گویا کہ بعض مدرسین چل پھر کر میلہ دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

لیکن ہمارے عم محترم واستاذ محترم کی عادت اور ذہنی کیفیت اس کے الٹ تھی ان کے دل کے کسی گوشہ میں پیسے کی محبت نہ تھی ان کا دل خدمت دین کے جذبہ سے بھر پور تھا یہی ان کی زندگی اور یہی ان کا حاصل حیات تھا، وہ قوت لایموت کے عادی تھے پیسہ جمع کرنا اور اسے مقصد حیات قرار دے لینا ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا یہی وہ چیز ہے جو

انھیں موجودہ دور کے عام علمائے کرام سے ممتاز کرتی ہے اب اس قسم کے بے لوث اور بے غرض لوگوں سے دنیا تیزی کے ساتھ خالی ہورہی ہے اس مادی دور نے سب کے ذہن بدل دیئے ہیں۔الا ماشااللہ

عم محترم رحمہ اللہ نے چالیس سال مدرسہ ضیاء العلوم میں سلسلۂ تدریس جاری رکھا ان سے جن طلبہ نے استفادہ کیا اور باقاعدہ تحصیل علم کی ان کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں چالیس سال میں بے شمار طلبہ ان کی خدمت میں آئے اور اپنی ذہنی وفکری استعداد کے مطابق ان سے فیض یاب ہوئے ہر ہٹہ کے قرب وجوار بلکہ یوں سمجھئے علاقہ کے اکثر مواضعات میں آپ کے شاگرد ہیں کوئی بھی شخص ان کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتا،عم محترم اگر باحیات ہوتے تو اپنے شاگردوں کے نام اور تعداد سے مطلع نہ فرما سکتے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مختلف مواقع پر سعودی عرب،یمن،برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے ایک درجن سے زائد اصحاب علم نے ان سے حدیث میں سند اجازت لی ہے جیسے دکتور عبید اللہ صالح العبید (ریاض) شیخ یحیٰی العربی (ابہا) شیخ علی الجلابنہ (یمن) خالد بن محمد بن غانم (قطر) قاسم بن محمد البقاعی (لبنان) ابوبکر دانیال (برطانیہ) یحیٰی احمد بلحاج (فرانس) وغیرہ

کسی زمانے میں اس علاقے کے مسلمان بہت سی ہندوانہ رسوم کا ارتکاب کرتے تھے محرم کے دنوں میں تعزیہ بنانے اور نکالنے کا بھی رواج تھا پھر ایک دور آیا کہ جب شاہ اسماعیل شہید دہلوی کے قافلے کے کچھ لوگوں کا ادھر سے گذر ہوا وہ لوگ چند روز اس نواح میں رہے اور دین کی تبلیغ کی اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور غیر اسلامی رسوم ورواج سے کنارہ کشی اختیار کرلی آہستہ آہستہ گونڈہ،بلرام پور،بستی اور سدھارتھ نگر کے پورے علاقہ میں ان کی تبلیغ کے اثرات پھیلے،اہل حدیثیت اور سلفیت کی اشاعت ہوئی حصول علم کا جذبہ پیدا ہوا،اس دور کی مشہور شخصیتوں میں جنھوں نے اس علاقہ وضلع بلرام

پور کو تبلیغ دین کے لئے مرکز التفات قرار دیا، مولانا اظہر بہاری، مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا بشیر سہسوانی، شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد جونا گڈھی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا محمد یوسف فیض آبادی، مولانا عبدالتواب علی گڈھی، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہم اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ان کے بعد سلفی مشن چلانے کی ذمہ داری عم محترم کے نازک کندھوں پر آگئی جو آپ نے بحسن وخوبی نبھایا پوری زندگی شرک و بدعت سے برسرپیکار رہے، تعزیہ بنانے اور رکھنے اور بے نمازیوں سے آپ کو سخت نفرت تھی اگر گاؤں کا کوئی مسلمان نماز نہیں پڑھتا تو اس پر سخت نکیر کرتے یہاں تک کہ سماجی بائیکاٹ کرتے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے، فرماتے جب وہ مسلمان ہی نہیں، اس کی نماز جنازہ کیسی جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ باقی نہیں رہتا، نماز ایمان کی علامت اور پہچان ہے جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا احادیث نبویہ، اجماع صحابہ کی روشنی میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

گاؤں میں اس بات پر خاص نظر رہتی کہ خلاف شرع کام نہ ہو، عورتوں سے پردے کی پابندی کراتے، گلی یا کسی گھر میں بلند آواز سے ٹی وی، ریڈیو اور ٹیپ وغیرہ نہ چلنے دیتے، شادی بیاہ میں گانے بجانے، ڈھول تاشے، ڈھمکے ناچ کود، آتش بازی، پٹاخے چلانے اور سہرابندی وغیرہ کے رسوم کے ارتکاب کرنے والوں سے سختی سے منع کرتے تھے اور لوگ ان کے فرمان پر عمل کرتے کسی کو ان کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔

انسان کا اخلاق بتدریج ہی ظاہر ہوتا ہے ابتدائی صحبتوں میں ہر شاطر مخاطب کو مسحور کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر رفاقت کے بعد حقیقت کھل جاتی ہے، ہم نے بہت آدمی

دیکھے اور بہتوں کو اچھا سمجھا مگر تجربہ کے بعد بہت ہی کم آدمی اچھے ثابت ہوئے ایسے تلخ تجربہ ہوئے ہیں کہ قریب ہے خود انسانیت پر سے اعتماد اٹھ جائے مگر عم محترم کے اخلاق، تعلیم وتربیت نے قلب پر ایسا اثر کیا کہ اب تک تازہ ہے بلکہ ہر نئے تلخ تجربے پر ان کی عظمت کا سکہ زیادہ بیٹھتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ انھیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں جب یاد کرتے ہیں تو دل بے اختیار ہو جاتا ہے، یہ مضمون لکھ رہا ہوں آنکھیں پُرنم ہیں راقم تو ان کا بھتیجہ ہے، غیروں کے ساتھ بھی عم محترم ایسا ہی سلوک کرتے تھے ان کا اخلاق مثالی تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اساتذہ کرام کو جزائے خیر دے، ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے، جو وفات پا چکے ہیں ان سبھوں پر اپنا شامیانہ رحمت ہر آن سایہ فگن رکھے۔ (آمین)

۞ شہر بلرامپور کے جنوب دریائے راپتی کے کنارے ایک موضع کٹرہ شنکر نگر واقع ہے مسلم آبادی کے اعتبار سے پورے ضلع میں بلکہ قرب وجوار کے اضلاع میں بھی سب سے بڑی بستی ہے گاؤں ہونے کے باوجود اس کی آبادی قصبہ کے برابر ہے جس میں تقریباً ۹۵ فیصد سے زائد مسلم لوگ ہیں خاص بات یہ ہے کہ یہاں کی مسلم آبادی اہل حدیث صحیح افکار وعقائد سے وابستہ اور سلفی منہج کی پیروکار ہے۔

یہ موضع علماء وحفاظ کی کثرت کی وجہ سے بھی علاقے میں اپنی الگ شناخت رکھتی ہے شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں کوئی عالم یا حافظ نہ ہو۔

یہاں کا تعلیمی ادار''ہ جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر'' ہے اس ادارہ کا سنگ بنیاد لب دریائے راپتی شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی صاحب مرعاۃ المفاتیح کے دست مبارک بتاریخ ۲رشعبان ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۴راپریل ۱۹۵۶ء کو رکھا گیا اور تعلیم کا آغاز ۱۳رشوال ۱۳۷۷ھ مطابق ۳رمئی ۱۹۵۸ء سے ہوا تقریباً ایک صدی قبل یہ گاؤں بھی

شرک و بدعات اور خرافات و منکرات میں ڈوبا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر اپنا فضل و کرم فرمایا شرک و بدعت کا جنازہ نکل گیا اس بستی کی شہرت دور دراز تک ہے کچھ تو گاؤں کی دینداری کی وجہ سے چرچا ہے اور کچھ جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام کے ہونہار طلبہ جہاں جہاں پہونچے اس کی شہرت دوام کا باعث بن گئے جامعہ نے بہترین مدرسین مفتی امام خطیب واعظین اچھے قلمکار، مصنفین ،مولفین ،مترجمین ،حفاظ ،قرّا ،ڈاکٹر ،انجینئر اور حکیم پیدا کیا جو موضع شنکر نگر کا نام ہر جگہ روشن کر رہے ہیں اس موضع کو ایک مقام حاصل ہے یہاں بڑے بڑے علماء اور بزرگوں کا ورود مسعود ہوتا رہا اور ان علمائے ربانیین کی دعوت و تبلیغ کا ایک خاص اثر گاؤں کے باشندوں پر ہے دینداری دینی شعور وافر مقدار میں پایا جاتا ہے علمائے ربانیین کے مواعظ نے خالص اسلام کی تبلیغ کرنے ،صاف شفاف توحید و سنت کی تعلیمات عام کرنے اور سلفی دعوت کی اشاعت نے بڑا اہم کردار ادا کیا، شرک و بدعات کا خاتمہ ہوا باطل عقائد و نظریات غلط افکار و خیالات کی اصلاح ہوئی غرضیکہ اس موضع پر ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے دینی اخلاقی معاشرتی ہر اعتبار سے اس موضع میں خوشگوار تبدیلی آئی۔

۞ قصبہ تلسی پور سے مشرق و جنوب جانب ۱۲ رکلومیٹر پر ایک گاؤں سنجھول ہے جو خاندان ہرہٹہ کی ایک شاخ ہے مولانا ابوالارشاد محمد دبکاوی رحمہ اللہ پیلی بھیت سے آکر وہاں آباد ہوگئے تھے آپ میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے تکمیل علم کے بعد کچھ عرصہ بھوپال رہے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی وفات کے بعد اپنے وطن موضع وبکا پیلی بھیت چلے گئے یہاں ایک مدرسہ چشمۂ فیض جاری کیا جو آٹھ برس تک قائم رہا مگر آخر میں باہمی اختلاف و انتشار کی وجہ سے بند ہو گیا آپ پیلی بھیت سے موضع ہرہٹہ تشریف لائے کچھ دنوں قیام رہا پھر ہرہٹہ سے مع اہل و عیال آکر موضع سنجھول میں مستقل آباد ہو گئے آپ کا قابل قدر رسالہ ''تحفۃ الاخوان بالاحادیث

والقرآن'' ہے جو قلت سرمایہ کی وجہ سے شائع نہ ہوسکا۔

مولانا دبکاوی رحمہ اللہ متقی خداترس شب زندہ دار نمونہ سلف کتاب وسنت کے داعی اور اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ تھے یہ علاقہ شرک و بدعت کا گڈھ تھا مولانا دبکاوی نے جان توڑ کوشش فرمائی اور ان کی انتھک محنتوں سے یہ علاقہ ایسا سدھرا جہاں پہلے علاقہ میں ایک دو اہل حدیث نظر آتے تھے وہاں چند مواضعات کو چھوڑ کر بحمد للہ اکثر مواضعات سلفی المسلک ہوگئے۔

مولانا دبکاوی موضع سنجھول ہی میں ۳۰؍اکتوبر ۱۹۳۱ء کو وفات پائی اور سنجھول کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمه الله رحمة واسعة

۞ تلسی پور کے علاقہ میں مولانا محمد اظہر صاحب بہاری کسی وقت تشریف لائے آپ بہار کے رہنے والے تھے مولانا اللہ بخش بسکوہری کے ہم عصر تھے پہلے موضع جے نگرا میں قیام رہا اس کے بعد موضع ادئی پور آپ نے مستقل سکونت اختیار کرلی آپ کی بزرگی ودینداری پر اکثر لوگ فریفتہ ہوکر آپ سے بیعت ہوگئے اور اس تعلق کی بنا پر ان کی نگرانی اور ان کو دینداری پر آمادہ رکھنے کے لئے آپ نے ساری عمر اس علاقہ میں صرف کردی آپ نہایت قد آور قوی الاعضاء اور گندمی رنگ کے تھے آپ مولانا عبدالحق محدث بنارسی کے خاص شاگردوں میں تھے۔

سنت کے سچے عاشق تھے اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا غرض کل کام میں سنت کا بہت خیال رکھتے تھے آپ کو جزئیات مسائل بہت مستحضر تھے علاوہ صحاح ستہ کے نیل الاوطار اور زادالمعاد، کشف الملہم وغیرہ کتب حدیث کے گویا حافظ تھے آپ کا کتب خانہ بے نظیر کتابوں میں سے بھرا رہتا تھا آپ کے ذریعہ علاقہ میں سنت کا بہت چرچا ہوا اکثر مرد و عورت آپ کی ذاتی کوشش سے آباء واجداد کے رسوم ورواج کو ترک کرکے سنت پر عامل ہوگئے اس علاقہ میں آپ کی حیثیت امام کی تھی جب تک آپ کی اجازت نہیں ملتی تب

تک کسی کا نکاح نہیں ہوتا تھا آپ بارات، لین دین، رسم ورواج وغیرہ پر کڑی نگاہ رکھتے تھے علاقہ کے بڑے بڑے زمیندار آپ کے سامنے آنے اور جواب دہی سے خائف رہا کرتے تھے اور دور دراز علاقوں میں دعوتی اور تبلیغی پروگراموں میں حصہ لینے کے لئے آپ پالکی پر چلتے تھے اور پالکی اٹھانے والے کو ان کی اجرت پہلے ہی دے دیتے تھے واضح رہے کہ شیر پنجاب علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ محمد بشیر سہسوانی، علامہ ابوالقاسم بنارسی علامہ عبدالتواب علی گڈھی رحمہم اللہ بھی اس علاقہ میں دعوت وتبلیغ کے لئے بارہا تشریف لاتے رہے، تلسی پور علاقہ میں سلفیت کے جو آثار ونقوش ہیں انھیں افاضل علماء کی دعوتی ومساعی جمیلہ کے خوشگوار نتائج ہیں۔

مولانا اظہر نے ایک سو سال کی عمر پائی اس عمر میں آپ کے ہوش وحواس میں کچھ فرق نہ آیا تھا آپ موضع ادئی پور بلرام پور میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۞اہل حدیثیت وسلفیت کے اعتبار سے ضلع بلرام پور کا سب سے مشہور و معروف علاقہ کنڈ ؤ بونڈھیار ہے چنانچہ محترم مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب حفظہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

''یہ علاقہ بھی بہت پہلے بدعت تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم وخرافات کی طوفانی موجوں میں پھنسا ہوا تھا اس علاقہ میں مولانا اللہ بخش بسکوہری اور علامہ محمد اظہر بہاری دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیر کے لئے آیا کرتے تھے انھیں بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے ذریعہ یہ علاقہ بدعات وخرافات کے طوفان سے نکل کر ہمکنار ساحل ہوا اور پھر محدث کبیر مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری بانی جامعہ سراج العلوم بونڈھیار صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری مولانا محمد سلیمان مئوی تلامذہ سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی دعوتی کوششوں اور تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں

کے نتیجے میں اس علاقہ کی سلفیت میں جلا پیدا ہوگئی اور یہاں سے مکمل طور پر شرک و بدعت کا جنازہ نکل گیا نیز اس علاقہ میں جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈھیار کے زیر اہتمام مختلف دعوتی و تبلیغی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہیں جن میں مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی مفسر قرآن علامہ محمد جونا گڈھی مولانا عبدالتواب علی گڈھی، مولانا محمد یوسف فیض آبادی، علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی مولانا عبدالحنان، مولانا حاکم رحمانی پنجابی، علامہ نذیر احمد رحمانی، علامہ عبدالغفور بسکوہری، خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مفسر قرآن عبدالقیوم رحمانی وغیرہم افاضل شریک ہوئے ان کے موثر مواعظ سے اس پورے علاقے میں اس طرح سلفی دعوت پھیلی کہ توحید وسنت کی خوشگوار بہار آگئی اور سرپرست ونگراں جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈھیار شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ کے ارشادات و توجیہات کا بھی اس علاقہ کی اہل حدیثیت وسلفیت میں بڑا دخل ہے جو وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہتے ہیں۔[1]

مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے آخر میں ترجمۃ المؤلف کے عنوان سے مولانا ابوالفضل عبدالسمیع مبارکپوری رحمہ اللہ محدث کبیر مبارکپوری رحمہ اللہ کے بابت تحریر فرماتے ہیں:

" اسّس عدة مدارس دينية درس فيهاهو نفسه فمنها مدرسة عربية فى بلرام فور من توابع غونده درس فيها مدة ثم اتفق ان دعاء رئيس القرية المعروفة "الله نغر" ليدرس بها فاجابه واسعف بمطلوبه وانتقل من بلرام فور اليها واقام بها سنة تسع و عشرين بعد الف و ثلاث مائة يدرس و منها مدرسة كبيرة فى القرية مشهورة

[1] یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈھیار ۱۹۸۶ء از مولانا ابوالعاص وحیدی

"کنڈؤبونڈھیار" اسمھا سراج العلوم بناھا بعد ما شرف اھلہ بقدومہ علیٰ دعوۃ رئیس الموضع المذکور فاقام فیھا و جلس التدریس و التعلیم وھی اکبر المدارس فی تلک الناحیۃ و درس فیھا مدۃ کثیر انتفع بہ فیھا خلق کثیر واجتمع علیہ لاخذ العلم جمع کبیر و صارت المدرسۃ معمورۃ و مشھورۃ وھی الیٰ الآن جاریۃ معمورۃ ۔[1]

یعنی مولانا محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے ضلع بلرام پور کے اندر چند دینی عربی مدارس کی بنیاد ڈالی انھیں مدارس میں ایک مدرسہ کی شہر بلرام پور میں بنیاد ڈالی جس میں ایک مدت تک تدریسی خدمت انجام دی پھر مشہور موضع اللہ نگر (اتر ولہ) کے رئیس نے دعوت دی وہ اللہ نگر تشریف لے گئے اور ۱۳۲۹ھ تک تعلیم دی پھر کنڈؤبونڈھیار نے آپ کا پُر جوش استقبال کیا آپ نے کنڈؤبونڈھیار کے درمیان لب دریائے راپتی پر مدرسہ سراج العلوم کی ۱۹۰۷ء میں بنیاد رکھی اور وہاں آپ کئی سالوں تک درس و تدریس کی خدمات انجام دی اور کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا بحمد للہ آج بھی مدرسہ سراج العلوم کنڈؤبونڈھیار اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ جامعہ سراج العلوم کنڈؤبونڈھیار ضلع بلرام پور کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس جامعہ کی بنیاد ۱۹۰۷ء میں علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاتھوں پڑی پھر میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے علامہ عبدالسلام مبارکپوری مؤلف سیرت البخاری اور علامہ محمد سلیمان مئوی جیسی عظیم شخصیتیں جامعہ کے منصب اشراف و تدریس پر یکے بعد دیگرے فائز رہیں

[1] مقدمۃ تحفۃ الأحوذی ترجمۃ المؤلف ص:۴/۳

راقم سطور نے بھی اس جامعہ کے دامن میں اپنی زندگی کا ایک حصہ گذارا ہے اوراس کے چشمہ علمی سے سیرابی حاصل کی ہے اورعرصہ سے بحیثیت سرپرست اس سے متعلق رہے یہ بات باعث تشکر وامتنان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کے ایک ہی خاندان کو یہ توفیق بخشی ہے کہ ہ آغاز جامعہ سے اب تک کے مصارف ونفقات کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں''۔ [1]

حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف سے علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کو دعوت تدریس دی گئی آپ اس وقت جامع ترمذی کی شرح لکھ رہے تھے اس لئے معذرت کردی علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری جب کلکتہ سے سلسلہ تدریس ختم کرنے کے بعد اپنے وطن مبارکپور تشریف لے گئے اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے تب سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن والی سعودی عرب نے ان کو حرم پاک (مکہ مکرمہ) میں درس حدیث کے لئے دعوت دی لیکن آپ اس وقت جامع ترمذی کی شرح لکھ رہے تھے اس لئے معذرت کردی اور سلطان ابن سعود کی خدمت میں یہ جواب ارسال کیا:

''میں اس وقت جامع ترمذی کی شرح لکھنے میں مصروف ہوں اس لئے میرا سعودی عرب آنا مشکل ہے''

مشہور درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے بانی ومہتمم شیخ عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ نے بھی آپ کو شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کرنے کی گرانقدر مشاہرے پر پیشکش کی مگر آپ نے اس پیشکش کو بھی قبول نہ کیا اوران سے معذرت کرلی۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں انیسویں صدی کے وسط تک گونڈہ وبستی کی سرزمین مکمل طور پر تقلید وشخصیت پرستی، جاہلی رسوم وخرافات اور بدعات ومنکرات میں ڈوبی

---

[1] علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری حیات وخدمات ص: ۸۳ [2] دبستان حدیث ص: ۱۸۷

ہوئی تھی اس سرزمین میں خالص اسلام کی تبلیغ کرنے والے صاف وشفاف توحید وسنت کی اشاعت کرنے والے اور سلفی دعوت کو عام کرنے والے سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ خاص طور سے علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ اور تحریک شہیدین کے بعض بچے کھچے اور دوسرے علماء گرامی ہیں ان بزرگوں کی کوششوں سے گونڈہ وبستی کے حالات یہاں تک بدلے کہ علامہ تقی الدین ہلالی مراکش سے چل کر دہلی ہوتے ہوئے جب مبارکپور اعظم گڈھ پہونچے اور محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ کی شاگردی اختیار کی تو خود ان کا بیان ہے کہ استاذ محترم علامہ مبارکپوری کہا کرتے تھے کہ:

''چلو تمہیں گونڈہ وبستی میں ایسی اسّی (۸۰) بستیاں دکھاؤں جن میں ایک شخص بھی صحابہ کرام کے اسوۂ کے خلاف چلنے والا نہیں ہے۔[1]

۞ ضلع بلرام پور کا ایک قدیم تاریخی قصبہ اترولہ ہے جس کی تاریخ اہل حدیث سے بڑا گہرا تعلق خاندان کنڈ وبونڈھیار سے ہے اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ قصبہ اترولہ کے پرانے باشندے زیادہ تر شیعہ وبریلوی اور کچھ دیوبندی ہیں بیسویں صدی کے نصف اول میں چند افراد اہل حدیث باہر سے آکر اترولہ میں آباد ہوئے جیسے عبدالغفار صدیقی رحمہ اللہ، مولانا عبدالشکور رحمانی بسکوہری رحمہ اللہ، مولانا حبیب اللہ شہیم صدیقی رحمہ اللہ اور ماسٹر مجیب الحسن خاں اس طرح ان حضرات کے ذریعہ اترولہ میں تاریخ اہل حدیث کا آغاز ہوا اس وقت وہاں کوئی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ نہیں تھا عبدالغفار صدیقی کی اہلیہ محترمہ رضیہ خاتون کے نام ان کے مکان کے قریب پٹہ کی ایک زمین تھی جسے انھوں نے ۱۹۷۰ء میں وقف کردیا اس پر ایک چھپر کی مسجد اہل حدیث بنائی گئی تقریباً گیارہ سال تک وہ مسجد چھپر ہی کی تھی اس مدت میں مولانا حبیب اللہ شہیم

[1] ماخوذ از تقریر علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

صدیقی رحمہ اللہ، مولانا عبدالشکور رحمانی بسکوہری رحمہ اللہ اور بعض دوسرے اہل حدیث علماء مختلف اوقات میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے ۱۹۸۱ء میں نمونہ سلف مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک وتائید سے الحاج محمد نعیم فرزندار جمند مولانا احسان اللہ اصحاب اللہ تبارک اللہ اور انوار اللہ نے مسجد کی پختہ تعمیر کی اور اس کی توسیع بھی کی اور ۱۹۸۶ء یں مسجد کے سامنے خالی جگہ پر بنام انوار العلوم مدرسہ کی تعمیر کی جس میں معیاری انداز میں درجہ پنجم تک کی تعلیم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے مسجد و مدرسہ کے تمام اخراجات الحاج محمد نعیم کے گھر والے ہی پورا کرتے ہیں۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء**[1]

تاریخ اہل حدیث اترولہ کی ایک اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں مولانا شوکت علی قاسمی اترولہ میں امام وخطیب اور مدرس کی حیثیت سے آئے ان کی تعلیمی وتبلیغی مساعی سے اترولہ ومضافات میں تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا کئی خاندان اہل حدیث ہوئے متعدد مواضعات میں مکاتب قائم ہوئے اور مساجد کی تعمیر ہوئی جن کے ذریعہ کتاب وسنت عام ہوئی اور بدعات وخرافات کا استیصال ہوا۔ **تقبل الله جهوده و بارک فی حیاته**

۞ تلسی پور سے مغرب اور محمود نگر سے جنوب جانب ایک مشہور ومعروف موضع بھلوہیا ہے جو کثیر آبادی پر مشتمل ہے اور بحمد للہ سب کے سب سلفی المسلک ہیں اس گاؤں میں ایک متقی بزرگ میاں عبدالحمید خاں رحمہ اللہ گذرے ہیں ان کی شرافت حسن کردار اور عدل پروری کی وجہ سے قرب وجوار کے علاوہ دور دراز کے چھوٹے بڑے تمام علماء کرام بھی ان سے حد درجہ متاثر تھے ہی نہیں بلکہ گاؤں کے سماجی دینی امور کے قضیہ کے لئے لوگ بلا تکلف میاں عبدالحمید رحمہ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے بلکہ ان کے فیصلے بلاچوں چراخندہ پیشانی سے حرف آخر سمجھتے ہوئے قبول کرتے تھے۔

---

[1] ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ مولانا شوکت علی قاسمی بموقع اجلاس عام ۲۰۱۶ء

دینی اور دنیاوی منصب حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنے آپ کو عام طور پر جوڑ توڑ اور سازشیں کرتے رہتے ہیں تاہم میاں صاحب رحمہ اللہ نے پوری زندگی مدرسہ و مسجد کے کسی عہدہ کے لئے اپنے آپ کو امیدوار نہیں بنایا بلکہ وہ بے لوث خدمت ہی کو اپنا مشن بنایا جس کا نتیجہ یہ رہا کہ بھلوہیا کے لوگوں نے متفقہ طور پر آپ ہی کو مدرسہ و مسجد کا صدر ناظم خازن و متولی سمجھا اور میاں صاحب نے بحسن و خوبی مدرسہ و مسجد کی ذمہ داری آخری سانس تک نبھائی۔

میاں صاحب کو دینی جلسوں سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ سال میں ایک دو جلسہ اپنے گاؤں میں ضرور کراتے تھے علماء کی صحبت میں رہنا اور علماء کو وعظ و تقریر کے لئے بلانا آپ کا طرہ امتیاز تھا اور دل کھول کر گاؤں اور قرب و جوار میں مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کرتے میاں صاحب موحد و متبع سنت تھے آپ کی زندگی اہل نظر کے لئے سراپا عبرت و موعظت تھی، اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار سادگی ضبط و تحمل خلوص و وفا جیسے صفات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے شدید مصروفیات کے باوجود جماعتی کاموں میں کافی دلچسپی رکھتے تھے وہ ہماری جماعت و علاقے کے متقی بزرگ تھے اور انہی اوصاف کے حامل لوگوں سے ان کے مراسم تھے آپ نے ۲۰۰۲ء بھلوہیا میں وفات پائی اور بھلوہیا اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمه الله رحمة واسعة۔

۞ ضلع بلرام پور میں ایک موضع اونرہوا ہے جو معروف و مشہور بستی ہے یہ موضع پچپڑوا سے جنوب و پچھم جانب تقریباً ۹ رکلومیٹر پر واقع ہے ایک صدی قبل یہ موضع بھی شرک و بدعت میں ڈوبا ہوا تھا، یہاں علامہ اللہ بخش بسکوہری و علامہ اظہر بہاری رحمہم اللہ و دیگر اساطین علم و فن کی بے حد خدمات سے توحید و سنت کا بول بالا ہوا اس موضع میں برابر اکابر علماء اور بزرگوں کا ورود مسعود ہوتا رہا اور ان علمائے کرام کے مواعظ حسنہ سے خالص اسلام کی تبلیغ کرنے صاف و شفاف توحید و سنت کی تعلیمات عام کرنے اور سلفی دعوت کی اشاعت نے

بڑا اہم ونمایاں کردار ادا کیا اس موضع وعلاقہ سے شرک و بدعت کا خاتمہ ہوا باطل عقائد و نظریات، غلط افکار وخیالات کی اصلاح ہوئی غرضیکہ اس موضع پر ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے دینی، اخلاقی، معاشرتی سیاسی ہر اعتبار سے اس موضع میں خوشگوار تبدیلی آئی۔ یہ موضع تعلیم یافتہ اور خوشحال بستی ہے اور ضلع کے مواضعات میں سب سے بڑا موضع شمار کیا جاتا ہے۔ بحمد اللہ یہاں کی پوری مسلم آبادی اہل حدیث، صحیح افکار وعقائد سے وابستہ اور سلفی منہج کی پیروکار ہے اس موضع کو ایک مقام حاصل ہے اور اس کی شہرت دور دراز تک ہے سب سے خاص بات یہ ہے کہ عالمی شہرت یافتہ اسلام کے عظیم داعی مشہور ومعروف اہل قلم، محقق دوراں کئی اہم عربی واردو کتابوں کے مصنف عظیم شاعر اخلاص وتواضع کے پیکر عالی جناب فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ کا یہ آبائی گاؤں ہے اس موضع میں علماء کی کثرت ہے اور کئی دینی ادارے ہیں جو حسب استطاعت ایک دینی فریضہ سمجھ کر اسلام کی اشاعت میں اہم اور نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

اسی موضع میں ایک بزرگ میاں گوہر علی والد محترم مولانا محمد حسن رحمانی تھے جو پورے گاؤں کے استاذ تھے دوسرے مولانا مصاحب علی اور تیسرے بزرگ مولانا حشم اللہ تھے، علامہ اظہر بہاری اور علامہ اللہ بخش بسکوہری کے بعد اس مقدس مشن کو جاری رکھا۔

مولانا حشم اللہ صاحب زہد وتقویٰ کتاب وسنت سے لگاؤ اور علم وعمل میں اپنی مثال آپ تھے آپ جہاں بھی رہے امامت وخطابت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اونرہوا ہو یا کلکتہ، آگرہ ہو یا علاقے کا کوئی مقام ہر جگہ منبر ومحراب آپ کے حوالہ رہے، گاؤں کے لوگ بیان کرتے ہیں، آپ کے خطاب کے دوران سامعین کا منظر ''کا ن علیٰ رؤسهم الطير'' کا ہوتا تھا۔

مولانا حشم اللہ صاحب بہت اچھے خطیب، بہت اچھے مقرر، بہت اچھے معلم، بہت اچھے مبلغ اور بہت اچھے انسان تھے۔ علامہ اظہر بہاری ومولانا اللہ بخش کے بعد آپ

اورآپ کے رفقاء نے اس مقدس مشن کو جاری رکھنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں
۔ رحمه الله رحمة واسعة

۞ ضلع بلرام پور میں ایک مشہور موضع چیونٹہوا ہے جو بسکو ہر بازار کے شمال میں اور ضلع سدھارتھ نگر و بلرام پور کے سرحد پر واقع ہے، دامن ہمالیہ میں واقع ہندوستان کی شمالی سرحدی علاقہ گونڈہ وبستی، بہرائچ و گورکھپور کا علاقہ بھی عام مسلمانوں کی طرح بدعات وخرافات کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، قبر پرستی، مزار پرستی شخصیت پرستی تعزیہ پرستی سماع قوالی ڈھول تاشہ مسلمانوں کی زندگی میں بحیثیت دین داخل ہو گیا تھا یہی حال موضع چیونٹہوا کا بھی تھا۔

وہ وقت انگریزوں کے چل چلاؤ کا وقت تھا مجاہدین آزادی نے انگریز بہادر کی ناک میں دم کر رکھا تھا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور سید احمد بریلوی رحمہما اللہ کے جیالوں نے جہاں ایک طرف انگریزوں سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے میدان کارزار کو اعتبار و وقار بخشا تھا وہاں دوسری طرف وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت توحید کا بیڑہ اٹھائے ہوئے مسلم معاشرہ میں پنپ رہی بدعات وخرافات جاہلانہ رسوم ورواج اور شرکیہ اعمال وافعال سے بھی برسر پیکار تھے تحریک شہیدان کے اساطین علم وفن اور اس کے بعد علامہ اظہر بہاری وعلامہ اللہ بخش بسکوہری نے اضلاع گونڈہ وبستی اور موجودہ بلرام پور و سدھارتھ نگر کے مختلف مواضعات میں شمع توحید کو روشن کرنے میں اہم اور نمایاں کردار ادا فرمایا ان کی شبانہ روز کوششوں سے اس علاقہ میں بھی توحید وسنت کا غلغلہ بلند ہوا اور بریلویت زدہ مواضعات توحید وسنت کا گہوارہ بن گیا۔ فجزاه الله عنا و عن المسلمين خيرا۔

اس بستی میں ایک جید وممتاز عالم حکیم محمد اسحاق رحمانی رحمہ اللہ گذرے ہیں مولانا رحمانی صاحب اپنی ذات وکردار سے نمونہ سلف تھے آپ نیک، متقی، مخلص اسلام

کے عظیم داعی اور کتاب وسنت کے علمبردار تھے آپ ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری کے والد محترم تھے مولانا محمد اسحاق رحمانی اس گاؤں علاقہ خاندان کے خاص اثر ورسوخ کے مالک اور مذہبی و معاشرتی اعتبار سے باوقار رتبہ کے حامل تھے مولانا رحمانی صاحب ہمارے کاروان سلف کے مخلص رہنما تھے، گاؤں علاقے اور خاندان کی جان اور وہاں کے مذہبی و معاشرتی، سماجی اور سیاسی رونقیں ان کے دم قدم سے قائم تھیں۔

آپ کی زندگی کا سب سے خوشگوار گوشہ آپ کی دعوتی سرگرمیاں تھیں زندگی کے اس عمر تک جہاں آپ کمزور ضعیف ہو گئے بلا کسی عوض کے امامت وخطابت کی ذمہ داریاں بڑی اچھی طرح نبھایا تعلیمی میدان میں مدرسہ محمدیہ بسکوہر بازار اور مدرسہ محمدیہ چیونٹھوا آپ کی یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں، مدرسہ محمدیہ چیونٹھوا سے تو اس قدر محبت تھی کہ گھر گھر جاکر مٹھی اور عشر جمع کرتے تھے اور اس طرح یہ مدرسہ آج تک برقرار ہے۔

آپ کی پوری زندگی دعوت وتبلیغ میں گذری آپ کی کوششوں سے ان علاقوں میں بڑی حد تک توحید وسنت کی روشنی پھیلی مولانا رحمانی رحمہ اللہ نے پوری زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے میں وقف کردی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

یہ موضع تعلیم یافتہ اور خوش حال ہے یہاں کی مسلم آبادی اہل حدیث، صحیح افکار و عقائد سے وابستہ اور سلفی منہج کی پیروکار رہے۔

خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری فضیلۃ الشیخ عبدالمعید مدنی علی گڈھ، مولانا عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ، مولانا عبدالنور محمدی نملی، مولانا انعام اللہ سلفی، حافظ ابوذر مدنی، مولانا عبدالمعید پھولپوری کا یہ آبائی گاؤں ہے۔

۞۞۞

ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ منزل بہ منزل

اسلام کے خلاف ہر فتنہ کے مقابلہ میں اسلام کی سچی نمائندگی جماعت اہل حدیث نے کی ہے اس کا غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے جماعت اہل حدیث ہند اپنی ایک عظیم تاریخ رکھتی ہے جس کا دائرہ عمل تبلیغی اصلاحی اجتماعی سیاسی اور معاشرتی خدمات سے لے کر اسلامی علوم وفنون کے ہر شعبہ تصنیف وتالیف اور تحقیق تک وسیع ہے الحمدللہ اس جماعت نے ہر عہد میں ہمہ گیر انداز میں اسلام کی خدمت کی ہے اسی کی ایک سنہری کڑی ضلعی جمعیۃ اہل حدیث گونڈہ وبلرام پور بھی ہے۔

سب سے پہلے اخوان جماعت نے صحیح سمت میں باقاعدہ عملی قدم اٹھانے کے لئے مجلس شوریٰ ومجلس عاملہ کی تشکیل کی جس کی تفصیل دستور اساسی میں موجود ہے پھر باضابطگی کے ساتھ منزل بہ منزل آگے بڑھنا شروع کیا۔

قیام دفتر:

وابستگان توحید وسنت کی عظیم تعداد تلسی پور کے مضافات میں کثیر آبادی کے پیش نظر ارباب جماعت نے تلسی پور کو ضلعی جمعیت کا صدر دفتر کے لئے منتخب کیا اور جماعت کی آراضی جو تھانہ روڈ پر تھی اس پر دفتر کی تعمیر کے لئے عمارت کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور دیکھتے دیکھتے جماعت کے باہمت دریا دل جانبازوں نے عین برسات میں بتاریخ ۲۸ / جون ۱۹۶۹ء ایک شاندار عمارت کی تکمیل کردی اور ایک باتنخواہ آفس سکریٹری کا تقرر بھی عمل میں آیا جو تمام انتظامی امور پر ذمہ دارانہ حیثیت سے نظر رکھتا تھا۔

دستور اساسی:

جمعیت کو اپنے طریق کار متعین کرنے کے لئے دستور اساسی کی اولین ضرورت تھی کیونکہ دستور اساسی ہی ہر ادارہ ہر تحریک ہر تنظیم سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا و رہنمائی کا روشن مینار ہوتا ہے اس لئے ارباب جماعت نے دستوری کمیٹی تشکیل کر کے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے دستور کی روشنی میں ضلعی دستور اساسی مرتب کیا اور سینکڑوں کی تعداد میں شائع کر کے افراد جماعت کی خدمت میں مفت پیش کیا۔

جمعیت کا نصب العین:

حضور ﷺ نے بوڑھوں اور جوانوں کے سامنے تبلیغ کے ذریعہ اسلام کو پیش کیا اور بچوں میں تعلیمی و تدریسی طور پر اسلام کی بنیاد کو مستحکم کرنے کی راہ نکالی جو اسلامی ڈھانچے کے لئے روح کا حکم رکھتی ہے جمعیت نے اسی راستے کو اختیار کیا ہے۔

اجرائے مکاتب و مدارس الحاق و تنظیم:

دینی تعلیم ایک اسلامی فریضہ ہے جو مذہب اسلام کی بقاء وحفاظت اور مسلمانوں کے ملی وجود کے لئے بے حد ضروری ہے سیکولر غیر مذہبی تعلیم کے زمانے میں دینی تعلیم کی اشاعت کی عوامی اور ہمہ گیر جد وجہد نہ کی گئی تو مسلمانوں کی آئندہ نسلیں اسلامی روایات، عقائد واخلاق سے بیگانہ رہیں گی اور آخر کار ان کا دینی وجود ختم ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ارباب جمعیت موجودہ فضا و ماحول سے برابر لڑ رہے ہیں اور اسی مقصد کو پانے کے لئے ضلعی جمعیت گونڈہ کے زیر نگرانی ضلع کے مختلف حصوں میں نوے مکاتب و مدارس دینیہ ضلعی جمعیۃ کی نگرانی میں چل رہے تھے اور موضع بہ موضع اجرائے مکاتب و مدارس کی

ایک منظّم مہم جاری تھی ضلع میں مکاتب و مدارس کا ایسا جال بچھا دیا گیا تھا جو کفر کی طاقتوں کے لئے قطعی طور پر ناتسخیر تھا۔

نصاب تعلیم:

مکاتب دینیہ کے لئے ماہرین تعلیم کمیٹی نے درجہ پنجم تک کے لئے ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جو بچوں کے ذہن اور نفسیات سے بیش از بیش ہم آہنگ تھا نیز اس موجودہ سرکاری پرائمری معیار تعلیم کو پورا کرتے ہوئے دینیات کی ضروری تعلیم و تربیت سے بھی انھیں بہرہ مند بنانے کے منصوبے کو پیش نظر رکھا گیا تھا بفضلہ تعالیٰ مسلسل معائنوں اور منظّم امتحانوں کے ذریعہ تمام ملحقہ مکاتب کے معیار تعلیم میں یکسانیت احساس ذمہ داری باہمی روابط میں استحکام اور صحت مند جذبۂ مسابقت کو مفید اور کار آمد بنانے کی کوشش کی گئی تھی دو باصلاحیت متحرک آرگنائزر باتنخواہ مستقل طور پر مولانا عبدالعزیز طیبی مدنی اور مولانا عبدالستار قدسی کواپوری رحمہم اللہ جمعیت کی طرف سے مکاتب و مدارس کی دیکھ بھال معائنہ جات اور ان کے استحکام کے لئے مقرر تھے ملحقہ مکاتب کے سالانہ امتحانات کے لئے جمعیت لائق اور تجربہ کار ممتحنین مقرر کرتی تھی جس سے طلبہ میں احساس خودی اور خود اعتمادی کا جذبہ خود بخود پیدا ہونے لگتا تھا۔

دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں:

موجودہ عالمگیر الحاد و دہریت کے طوفانی سیلاب کی طاغوتی لہریں اسلامی حصار کو منہدم کرنے کے درپے ہیں ایسی صورت میں جمعیت ایک چٹان کی طرح سینہ سپر ہوکر نہایت ذمہ داری و مستعدی کے ساتھ اپنے ٹھوس اور مفید تبلیغی پروگرام کے تحت ضلع و علاقہ کے اہم مقامات پر اجلاس عام کی شکل میں اسلام کی تبلیغ کی خاطر باصلاحیت لائق علماء کرام کی خدمات حاصل کرتی تھی چنانچہ سینکڑوں اجلاس منعقد کئے گئے جس کے نتائج

نہایت امید افزا ہے۔

نشر واشاعت:

ضلعی جمعیت گونڈہ نے ضلع و بیرون ضلع میں مختلف اہم عنوانات پر کتابچہ پمفلٹ ،اشتہارات مفت تقسیم کئے جن میں فضائل رمضان المبارک ،احکام عید الاضحیٰ ، مسائل محرم الحرام ،مروجہ عید میلا دالنبی ، ماہ ربیع الثانی ، ماہ رجب کی بدعات ، ماہ شعبان کی بدعات وغیرہ سے متعلق ضروری مسائل تحقیق پر مشتمل کتابچہ ، پمفلٹ واشتہارات قابل ذکر ہیں ،اس کے علاوہ مکاتب و مدارس کے لئے دستور العمل ونصاب تعلیم بھی مفت تقسیم کیا گیا نیز حاضری طلبہ وطالبات رجسٹر حاضری مدرسین ، رجسٹر قبض الوصول رجسٹر داخل خارج ، فارم معائنہ جات ، فارم الحاق ، فارم نتیجہ امتحان ، خارجہ بک فارم داخلہ ، جمعیت گونڈہ کے شائع شدہ رجسٹر نہ صرف جمعیت میں یہاں تک دوسری جماعتوں میں بھی مروج تھے ،ضروری کاغذات مہیا کرنے کا اہتمام کیا گیا ماشاءاللہ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور نے اس روایت کو برقرار رکھا ہے ضلعی جمعیت بلرام پور نے ۲۰۱۵ء سے اب تک دینی و مذہبی کتابیں پمفلٹ وغیرہ بیس عدد طباعت کرا کے مفت تقسیم کیا ہے بروقت تفسیر احسن البیان اردو ہندی اور دیگر اسلامی کتب کی تقسیم مفت جاری ہے۔ **فللہ الحمد**

جمعیت لائبریری:

جمعیت کے عظیم مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مسلمانوں کے سامنے نئی نئی مطبوعات کے علاوہ اسلاف کرام کی نادر تصنیفات جو رفتہ رفتہ ناپید ہوتی جارہی ہیں فراہم کی جائیں ہمارے اسلاف نے ماضی میں جس قدر گرانمایہ لٹریچر سے اسلام کو اجاگر کیا تھا ان کی فراہمی اور تحفظ وبقا کی ذمہ داری کے ساتھ ان کو طاق نسیاں سے نکال

کر متعارف کیا جائے نیز اخلاقی، اصلاحی، تاریخی، ادبی وفنی کتابوں سے لائبریریوں کو مالا مال کیا جائے چنانچہ ضلعی جمعیت کی طرف سے ایک شایان شان لائبریری کا قیام عمل میں آیا، جمعیت لائبریری میں مختلف موضوعات پر تقریباً دو ہزار کتابیں تھیں جس سے لوگ مستفید ہوتے تھے مگر جمعیت کے بدخواہوں نے قانون کا سہارا لے کر تھانہ روڈ کی زمین وآفس چند کوڑیوں میں بیچ دیا اور لائبریری کی ساری کتابیں اٹھالے گئے۔

اخبارات ورسائل:

آفس کے قیام کے بعد صحافتی اداروں سے اعزازی طور پر درج ذیل مجلّات و رسائل حاصل کئے گئے جن میں ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ، ہفت روزہ عزائم لکھنؤ ہفت روزہ ندائے ملت لکھنؤ، پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، پندرہ روزہ مسلم سری نگر کشمیر، پندرہ روزہ ترجمان دہلی، پندرہ روزہ اخبار اہلحدیث دہلی، ماہنامہ الاسلام دہلی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ماہنامہ نور الایمان دہلی وغیرہ قابل ذکر ہیں یہ مجلّات ورسائل ضلعی جمعیت تھانہ روڈ آفس میں پابندی کے ساتھ آتے اور اہل علم حضرات کے ذوق مطالعہ کی تسکین کا باعث بنتے تھے۔

ضلع واہل علاقہ کو مسائل کی تحقیق واستفتاء کی جو ضرورت پیش آتی اس کو ان تک پہونچایا جاتا تھا۔

جمعیت کتاب گھر کا قیام:

مکاتب ومدارس کے طلبہ وطالبات کی سہولیات کے لئے تمام درسی وغیر درسی مفید کتابوں پر مشتمل ایک مکتبہ جمعیۃ گھر کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔

ہم یہاں پر اکابر علمائے اہل حدیث کے پیغامات وتاثرات اپنی تحریر کی تصدیق کے لئے من وعن پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

مشاہدات وتاثرات

از: علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ
صاحب مرعاۃ الفاتیح

مکرمی مولانا عبدالرؤف صاحب ندوی عافاکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا لفافہ مورخہ ۲۹/ جون ۲۰/ جولائی ۱۹۷۱ء کو موصول ہوا یہ معلوم ہوکر بے حد مسرت ہوئی کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت، اجرائے مکاتب والحاق مدارس کے ساتھ تبلیغی واصلاحی لٹریچر کی اشاعت کا کام بھی وسیع پیانہ پر انجام دے رہی ہے مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی بنارس سے واپسی میں ۵/ جولائی کو مبارکپور تشریف لائے تھے موصوف نے پُر زور طریقہ پر آپ کی تحریر کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جمعیۃ کے کارکنوں کو دائمی دینی خدمت کی توفیق بخشتا رہے اور قبول فرمائے آمین۔

جماعت یا جمعیت افراد سے بنتی ہے افراد ہی کے منظّم مجموعہ کا نام جماعت ہے افراد اگر اچھے اور صالح ہوں گے تو جماعت بھی اچھی ہوگی اور اگر افراد برے ہوں گے تو ان سے تیار ہونے والی جماعت بھی بری ہوگی غرض یہ کہ جیسے افراد ہوں گے ویسے ہی جماعت ہوگی پس پوری کوشش اس کی بھی ہونی چاہئے کہ گاؤں گاؤں اور گھر گھر پہونچ کر افراد کی اصلاح وتربیت کا کام صبر واستقلال اور پورے خلوص کے ساتھ کیا جائے، عقائد کی اصلاح ظاہری وضع قطع اور صورت وشکل ولباس کی درستی نماز کی پابندی معاملات کی درستگی، حقوق العباد کی ادائیگی فضول رسم ورواج کو ختم کرانے اور دوسرے دینی امور کی انجام دہی کی طرف توجہ دلائی جائے اور عوام تک بار بار پہونچنے کی کوشش

کی جاتی رہے۔

ان شاء اللہ اس طرح اپنی جماعت ہی نہیں بلکہ دوسروں میں بھی دینی بیداری پیدا ہو جائے گی اور ان کی اصلاح ہو جائے گی اللہ آپ لوگوں کی مخلصانہ جدو جہد کو قبول فرمائے۔آمین

عبید اللہ رحمانی مبارکپور

۶ر جولائی ۱۹۷۱ء

از: خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

سابق ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال

ورکن رابطہ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ

آج بفضلہٖ تعالیٰ مورخہ ۱۷ رمئی ۱۹۷۰ء آفس ضلعی جمعیت گونڈہ واقع تھانہ روڈ تلسی پور میں حاضر ہونے کا مجھ کو اتفاق ہوا، ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کی کارروائیوں کے مشاہدہ اور اس کے تعمیری پروگراموں اور دیگر حوصلہ مندانہ عزائم سے بے حد خوشی ہوئی گرامی قدر بابو فصیح الدین خاں گینسڑی ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ و عزیزم مولانا عبدالرؤف خاں ندوی سلمہ اللہ و دیگر کارکنان جمعیت کی کارکردگیاں قابل تحسین ہیں مگر ابھی سخت ضرورت ہے کہ جمعیت کے تمام احباب جملہ اصاغر و اکابر متحدہ طور سے نہایت عزم و حوصلہ کے ساتھ جمعیت کے تعمیری منصوبوں اور تعلیمی و تبلیغی مقاصد کی تبلیغ کے لئے مزید جدو جہد اور سعی جمیل سے کام کریں۔

جمعیت کے کاز کی ترقی و نظام کار کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ بیت المال کی اسکیم گاؤں گاؤں چلائی جائے اور ہر قسم کی مساعدت و معاونت سے جمعیت کی

آواز سے ہر کان کو آشنا کیا جائے اور اس کی تعلیمی و تبلیغی خدمات کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔

ع تیری آواز مکے اور مدینے

خداوند کریم سے مخلصانہ دعا ہے کہ مالک حقیقی ارباب جمعیت کو پورے عزم اور پورے حوصلہ سے کام کرنے کی توفیق اور صحیح جذبہ اور لگن مرحمت فرمائے۔ آمین

ناچیز

عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

۱۷ا رمئی ۱۹۷۰ء

از مفکر ملت حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی رحمہ اللہ

سابق ناظم اعلیٰ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے صدر مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رئیس الاساتذہ جامعہ سراج العلوم بونڈھیار ضلع گونڈہ ہیں اور ناظم اعلیٰ جناب فصیح الدین خاں صاحب گینسڑی ہیں اس کی مجلس عاملہ میں ضلع کے اکابر اہل علم صاحبان جماعت شریک ہیں اور راقم سطور کو جمعیت گونڈہ سے جو ربط و تعلق ہے اس کی بنا پر جمعیت گونڈہ کے داخلی و خارجی حالات و مسائل کا مجھے بڑی حد تک علم ہے جمعیت اہل حدیث گونڈہ ایک فعال سر گرم ادارہ ہے جمعیت گونڈہ نے مورخہ ۱۸/۱۹/۲۰/ مارچ ۱۹۶۸ء کو ریاستی جمعیت اہل حدیث یوپی کی پہلی سالانہ کانفرنس کے اہتمام و انصرام کی عظیم ذمہ داریوں کو اٹھانے کا فیصلہ کیا اگر اجلاس عام نوگڈھ آل انڈیا پیمانہ کا مثالی اجلاس تھا تو ریاستی کانفرنس تلسی پور جمعیت اہل حدیث یوپی کا تاریخی اجلاس رہا اکابر علماء و عمائدین جماعت کثیر تعداد میں شریک اجلاس رہے ریاستی کانفرنس تلسی پور نے اخوان اہل حدیث گونڈہ کے حوصلوں کو

بلند اور دینی جذبات کو چار چاند لگا دیئے۔

بڑی ناشکری ہوگی اگر اخوان اہلحدیث گونڈہ کو مبارکباد نہ دی جائے جو اپنی گاڑھی کمائی سے جمعیت کی قابل قدر اعانت فرماتے ہیں اپنے علم وتجربہ کی بنیاد پر یہ عرض کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا کہ اگر ریاستی جمعیت اہل حدیث کا دفتر تلسی پور میں ہوتا تو ریاست کی قسمت جاگ اٹھی ہوئی ہوتی، جمعیت کے سامنے جو تعمیری، تبلیغی، تعلیمی، تنظیمی منصوبے ہیں ان کی تکمیل کے لئے جو کثیر رقم درکار ہے ہمیں اس کے لئے بتوفیق ایزدی مخیر حضرات کے شایان شان اعانت کی پوری توقع ہے۔

عبدالجلیل رحمانی

۲۶/اگست ۱۹۷۱ء

ازفخر جماعت حضرت مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ

سابق مدیر پندرہ روزہ ترجمان دہلی

وجنرل سکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اب کی عید کے بعد والدہ رحمہا اللہ کے علاج کے سلسلہ میں بڑھنی بازار کے قیام کے دوران جناب فصیح الدین خاں صاحب ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت گونڈہ اور دوسرے مخلصین واحباب کے اصرار پر ضلعی جمعیت کے مختلف حلقوں میں دورہ کرنے اور خطاب کرنے کے مواقع حاصل ہوئے یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ تلسی پور تھانہ روڈ پر ضلعی جمعیت کا ایک مستقل اچھا خاصہ قطعہ آراضی ہے جس پر اس کا اپنا مستقل دفتر ہے اور دفتر کا ایک نظام ہے جس کے تحت ایک آفس سکریٹری اور دو آرگنائزر سال کے سال جماعتی تنظیم وترقی میں مشغول رہتے ہیں ضلعی جمعیت کے ماتحت نوے مکاتب ہیں جن کے لئے دستور العمل نصاب تعلیم رجسٹر حاضری طلبہ وطالبات، رجسٹر حاضری مدرسین، رجسٹر

داخل خارج، فارم داخلہ، فارم خارجہ وغیرہ متکفل ضلعی دفتر ہے اور ضلعی جمعیت کے شائع کئے ہوئے رجسٹر نہ صرف جمعیت گونڈہ میں بلکہ دوسری جمعیتوں یہاں تک کہ دوسری جماعتوں میں بھی مروج ہیں ضلعی جمعیت گونڈہ کے صدر حضرت مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی جماعت کے مرکزی درسگاہ جامعہ سراج العلوم کنڈ ؤ بونڈھیار کے شیخ الجامعہ اور مشہور صاحب تقویٰ ورع مخلص عالم ہیں اور نائب صدر مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی گونڈوی سالہا سال کا تدریسی تجربہ رکھنے والے مخلص سراپا عمل متدین فاضل ہیں اور ضلعی جمعیت گونڈہ کے ناظم اعلیٰ شمالی حلقہ کے ایک با اثر زمیندار اور صاحب قلب ونظر درد مند مسلمان بابو فصیح الدین خاں صاحب ہیں جو اپنی تمام مشغولیات کے باوجود ضلعی جمعیت کی ترقی وبہبود کے لئے افتاں وخیزاں رہتے ہیں، مسلک کی غیرت وحمیت اور علماء کرام کے احترام وتوقیر میں بھی ان کا درجہ ممتاز ہے ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے آفس سکریٹری مولانا عبدالرؤف خاں ندوی صاحب بڑے ہی جفاکش محنتی فرض شناش اور غیور نوجوان ہیں ضلعی جمعیت کے دونوں آرگنائزر ماسٹر عبدالستار قدسی اور مولانا عبدالعزیز طیبی صاحبان بھی خاموشی کے ساتھ مسلک کی مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کے علاوہ ضلعی جمعیت سے متعلق خواص وعوام خاص طور پر نئے منتخب شدہ عہدیداران مولانا عبدالقیوم املیا حاجی محمد ایوب چین پور محمد حسن وبسم اللہ نچوری، چودھری عبدالجلیل کھمریا، شرافت اللہ وکیل ہرہٹہ، چودھری شوکت اللہ ہری ہرپور وغیرہم اپنے جماعتی درد وحمیت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے دفتر تھانہ روڈ تلسی پور میں پورے علاقہ کے چیدہ حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے دفتر سے متصل زمین پر مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کا مخلصانہ مشورہ دیا تھا مجھے خوشی ہے کہ جمعیت نے اس سلسلہ میں دو کمروں کی تعمیر کا عزم

کرلیا ہے اور ساتھ ہی مسجد کا نقشہ نوٹیفائڈ ایریا سے منظور کرایا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ضلع گونڈہ کی پوری جماعت کو ان عظیم الشان کارناموں میں پورے تعاون کی توفیق دے اور ان کے قلوب میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ جماعت کی ترقی کی سچی تڑپ پیدا کردے اور ہم سب کو اخلاص وعمل کی توفیق دے۔ آمین

عبدالحمید رحمانی

یکم مارچ ۱۹۷۲ء

ازحضرت مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمہ اللہ

سابق ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالرؤف خاں ندوی صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جمعیت اہل حدیث گونڈہ کی اس مسرت انگیز اطلاع سے دلی مسرت ہوئی کہ مجلس عاملہ جمعیت کی کارگذاریوں کی روداد شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس میں جمعیت کی سرگرمیوں اور مساعی کا جائزہ لیا جائے گا اور جمعیت کے عزائم اور حوصلوں سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے گا مجھے جہاں تک علم ہے جمعیت اہل حدیث گونڈہ ایک فعال اور متحرک جمعیت ہے اس کے زیرسرکردگی میں کچھ دنوں پہلے صوبہ یوپی کی ریاستی جمعیت اہل حدیث کا شاندار اور تاریخی اجلاس تلسی پور میں ہوا تھا جس سے جماعت کا جمود توڑنے میں بڑی مدد ملی تھی اور اس نے جماعت کو حرکت وعمل کا پیغام دیا تھا جمعیت کے کارکن حساس فرض شناس اور مخلص ہیں اور ان کی جدوجہد سے مرکزی دارالعلوم کو بڑی تقویت ملتی ہے وہ اس مرکزی ادارہ کی خدمت اور پُشت پناہی میں بڑا مخلصانہ تعاون پیش کررہے ہیں اللہ انھیں اپنے سچے دین کے نشرواشاعت کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے ان کے عمل کو قبول فرمائے

اور انھیں دنیا وآخرت کی کامرانیوں سے ہمکنار کرے۔آمین

جمعیت کے نمایاں کاموں میں آفس کی تعمیر مکتبہ ولائبریری کا قیام، شعبۂ نشر واشاعت کی تنظیم تبلیغی سرگرمیوں کا احیاء مدارس ومکاتب کے اتحاد کی کوشش بڑی اہم اور نمایاں خدمات ہیں، ان سرگرمیوں سے پورے ضلع کی جماعت ایک مربوط نظام کے تحت آگئی ہے اور ہر جگہ کے لوگ کم وبیش جمعیت کی سرگرمیوں سے مستفیض ہو رہے ہیں، ضرورت ہے کہ ضلعی جمعیت کے کارکن اب جماعت کی قیادت کا فرض کچھ اور زیادہ ہوشمندی اور صلاحیت کے ساتھ انجام دیں اور اپنے طبقہ کی عوامی زندگی کو ایسی سطح پر لے آئیں جہاں لوگوں کا مزاج اسلامی سانچے میں ڈھل جائے ان کی گفتار وکردار نشست اور برخاست میں للّٰہیت خلوص اور دینی رنگ جھلکنے لگے اور دین کے سچے شیدائی اور اسلام کا صحیح نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے ابھریں۔ **لعل اللہ یرزقھم صلاحاً**

عبدالوحید سلفی بنارس

۲۰/اگست ۱۹۷۱ء

تقسیم ملک کا حادثہ:

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے حادثہ کے بعد ملک کا جغرافیہ بدل گیا پرانی عمارتوں کو ڈھا کر نئی بنیادیں جمادیں ذہن وفکر کے سارے ڈھانچے بدل دیئے جماعت کے اعلیٰ دماغ ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے یہ واقعات جماعت کے لئے ایک زبردست تاریخی المیہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، دارالحدیث رحمانیہ دہلی جیسا مثالی ادارہ جس کو شیخ عبدالرحمٰن وشیخ عطاء الرحمٰن رحمہم اللہ نے ۱۹۲۱ء میں دہلی میں قائم کیا تھا یہ درسگاہ تحریک اہل حدیث اور احیاء کتاب وسنت کا ایک مرکز تھا اس درسگاہ سے علم دین کی حفاظت واشاعت کے لئے صرف ستائیس سال میں ہزاروں عظیم وعبقری علماء ابھر

کر سامنے آئے جس نے نہ صرف پورے برصغیر بلکہ عالم اسلام کو اپنے علم وفضل کے فیضان عام سے مالا مال کر دیا تقسیم ملک حادثہ عظیم میں دارالحدیث رحمانیہ ختم ہو گیا اور اس کا عظیم کتب خانہ مخطوطات سمیت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں منتقل ہو گیا اور اس کی عالیشان بلڈنگ شفیق میموریل اسکول کو سونپ دی گئی ، سینکڑوں مدارس کی تباہی بہت سے علماء کی شہادت اور لاکھوں روپئے کے نایاب و نادر کتب خانوں کا ضیاع ایک نا قابل تلافی قومی نقصان ہے بدقسمتی سے اس خونی انقلاب میں سب سے زیادہ نقصان جماعت اہل حدیث کا ہوا کیونکہ اتفاق سے جماعت کے دینی مدارس زیادہ تر مشرقی پنجاب میں تھے ، ۱۹۴۷ء میں نہ صرف ہمارے تعلیمی مدارس ختم ہو گئے جماعتی نظام بھی درہم برہم ہو گیا ۱۹۵۱ء میں جماعت کے مقتدر علماء نے حالات کا بہ نظر غائر جائزہ لیا اور از سر نو تنظیم کو ضروری سمجھا۔

کاظمی بل:

۱۹۴۷ء کے بعد کسے امید تھی کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس زندہ رہے گی بعض مکاتب فکر نے تو صاف لفظوں میں اعلان کر دیا تھا کہ اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور ٹھیک اسی زمانے میں کاظمی بل بھی پارلیمنٹ میں پیش کر دیا تھا کہ اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اس بل کا محرک اور مرتب بھی وہی مکتب فکر تھا جس نے یہ اعلان کیا تھا کہ اہل حدیث کا محاذ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اگر یہ بل اسی صورت میں پارلیمنٹ میں منظور ہو جاتا تو آئینی طور پر اہل حدیث کی موت پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی اس صورت حال کے لئے قائد جماعت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ نے مجلس عاملہ کی میٹنگ دہلی میں طلب فرمائی اور تقسیم ملک کے بعد یہ اس کی پہلی میٹنگ تھی، مجلس عاملہ نے اس بل کی رفتار پر نظر رکھنے اور اس سلسلہ میں مناسب اور ضروری کاروائی

کا اختیار قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ کو دیا گیا اور مولانا آروی صاحب بار بار دہلی پہونچ کر حالات کا جائزہ لیتے رہے اس وقت کے جماعت کے اراکین سے مولانا آروی صاحب برابر رابطہ قائم کئے ہوئے تھے ایسے موقع پر مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی ، مولانا آروی صاحب کے داہنا ہاتھ اور مشیر خاص تھے برابر قائد جماعت مولانا آروی سے رابطہ تھا یہ لوگ اس وقت کے وزیر تعلیمات امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور کاظمی بل کے نقائص اور جماعت اہل حدیث کے حق میں اس کے مہلک اثرات کی طرف توجہ دلائی ، مولانا آزاد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنی ترمیمات لکھ کر بھیج دیں۔

اللہ غریق رحمت فرمائے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کو کہ آپ کی توجہ خاص سے کاظمی بل پارلیمنٹ میں منظور ہو گیا اور ۱۹۵۴ء کے مسلم وقف ایکٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی کہ ہندوستان کے سُنّی مسلمانوں کی مستند جماعتیں حنفی ، اہل حدیث اور شافعی ہیں۔ **و للہ الحمد**

جماعت اہل حدیث کا یہ وہ عظیم الشان اور تاریخی کامیابی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا رہنما اصول:

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا آخری چوبیسواں اجلاس عام تقسیم ملک سے قبل دہلی میں ہوا تھا ۴۶-۱۹۴۵ء ان دونوں سالوں میں اجلاس عام ملکی حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے نہیں ہو سکا ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب نے جہاں سارا ملکی ڈھانچہ درہم برہم کر کے رکھدیا وہیں پر جماعتی شیرازہ کو بھی منتشر کر دیا ۱۹۴۸ء زبردست بحران کا سال تھا ۱۹۴۹ء میں حالات کچھ اعتدال پر آ گئے تھے ضرورت اس بات

کی تھی کہ تقسیم ملک کے بعد حالات کا جائزہ لینے کے لئے کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا جائے چنانچہ صدر کانفرنس قائد جماعت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ کو مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے درج ذیل خط تحریر فرمایا۔

گرامی قدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی صدر مجلس عمل

وعالی جناب حافظ حمید اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

میں اپنے گوں ناگوں مشغولیات ومصروفیات کی وجہ سے عرصہ ہوا کوئی عریضہ آپ بزرگوں کو نہ لکھ سکا جماعت کے جمود وتعطل اور تنزل وانحطاط کے موضوع پر پچھلے ہفتہ ایک مضمونچہ لکھنے کا اتفاق ہوا جو ندائے مدینہ کانپور مجریہ ۳۱؍جنوری ۱۹۴۹ء میں چھپ گیا ہے جس کی حیثیت دعوت عمل یا کھلی چھٹی ہے اب ضابطہ مجلس عمل کو دعوت دی جارہی ہے کہ بدلی ہوئی فضا کے مدنظر حالات حاضرہ پر غور وفکر اور تجدید ملت واحیاء دین کے سلسلہ میں کسی لائحہ عمل کی تعیین وتجویز کے لئے دارالعلوم ششہنیاں کی پُرسکون فضا میں اجلاس کیجئے شہری وقصباتی آبادی پر یاس وقنوط کا جو عالم طاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے حالات کی نباضی اسی کو کہیں گے کہ دیہات کے کسی پُرسکون مقام پر مجلس عمل کا اجلاس ہو مجلس عمل کے جو ممبران انڈین یونین میں اور ان کے علاوہ بھی جو ارباب نظر واصحاب بصیرت مدعو ہوں سب کے آرام وآرائش اور قیام وطعام اور اسٹیشن سے لانے اور لے جانے کا کفیل دارالعلوم ہوگا۔

عبدالجلیل رحمانی

۱۲؍فروری ۱۹۴۹ء

اس خط کے پہونچنے پر ذمہ داران کانفرنس کی دہلی میں میٹنگ ہوئی اور دارالعلوم کی دعوت منظور کی گئی اور مارچ ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم ششہنیاں کے جلسہ سالانہ کے موقع

پر کانفرنس کی مجلس عاملہ کا دارالعلوم پر اجلاس ہوا۔ [1]

جماعت کے لئے یہ کس قدر افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ جس جماعت کا ماضی انتہائی تابناک اور روشن تھا ہ جماعت ۱۹۴۷ء کے بعد سے لے کر ۱۹۵۷ء تک جمود و تعطل کا شکار تھی ۱۰؍جنوری ۱۹۵۷ء دہلی میں آل انڈیا سطح پر میٹنگ ہوئی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا نام مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند رکھا گیا مرکزی جمعیت نے انتخابی اور رہنما اصول مرتب کیا اس اصول کی روشنی میں بابصیرت علماء ارباب فکر جن کو جماعت سے درد تھا مقصد سے عشق تھا اور جو تنظیم و اجتماعیت کے ثمرات سے واقف تھے اس تنظیم کا خاکہ مرکز کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اس کی روشنی میں ضلع گونڈہ وبستی کے ہر گاؤں میں رکنیت سازی کی گئی اور مقامی جمعیت کی تشکیل کے بعد ضلعی جمعیت کی تشکیل کی گئی ضلع گونڈہ وبستی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ پورے ملک میں سب سے پہلے جمعیت گونڈہ وبستی کے ہر گاؤں میں رکنیت سازی کی گئی اور دونوں ضلعوں میں ضلعی جمعیت اہل حدیث کی تشکیل کی گئی۔

جمعیت گونڈہ وبستی کی مشترکہ تشکیل:

۱۰؍جنوری ۱۹۵۷ء کو جماعت کے سر برآوردہ حضرات نے جماعت کی نشاۃ جدید کا بیڑہ اٹھایا اور ملک گیر پیمانہ پر جماعت کو منظّم، فعال اور متحرک بنانے کے لئے منظّم دورہ کا پروگرام بنایا کشمیر سے کنیا کماری اور بنگال کی کھاڑی سے سواحل بمبئی تک دورہ کر کے جماعت کے منتشر شیرازہ کو اکٹھا کرنے کی سعی بلیغ کی بحمد اللہ گونڈہ وبستی میں افراد جماعت کی کمی نہ تھی ان دونوں ضلعوں میں اس وقت صرف تنظیم کی ضرورت تھی خطیب الاسلام

[1] تفصیلی کاروائی ندائے مدینہ کے شیخ الاسلام نمبر ۱۹۴۹ء میں ملاحظہ کریں بحوالہ شہدائے احد مفکر ملت ص:۴۲۔ ترتیب وپیشکش مطیع اللہ سلفی حفظہ اللہ

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ کی سیادت اور مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی قیادت میں سید الطائفہ مولانا ممتاز علی ندوی ،مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر ،مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی ،نمونہ سلف مولانا محمد اقبال رحمانی ، قاری عبدالحق بانسوی ،مولانا عارف سراجی ،مولانا انجم جمال اثری ، فصیح الدین خاں گینسڑی رحمہ اللہ جیسے اولوالعزم ارباب علم وفن کی رفاقت وتعاون اور اشتراک عمل کے نتیجہ میں گونڈہ وبستی میں اصحاب الحدیث کی ایسی منظم جماعت تیار ہوگئی جس نے احیاء سنت کے لئے ایسا اجتماعی نظم پیدا کیا اور آئینی تنظیم کا جوخاکہ مرکز کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اس کے مطابق دستوری تنظیم اور شیرازہ بندی کا بیڑہ اٹھایا ضلع کے گوشہ گوشہ میں رکنیت سازی اور مقامی جمعیتوں کی تشکیل کے بعد گونڈہ وبستی کی تشکیل بمقام بانسی عمل میں آئی ضلعی جمعیت گونڈہ وبستی کے صدر باتفاق رائے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری اور نائبین صدر مولانا محمد اقبال رحمانی مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی ناظم اعلیٰ مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر رحمہم اللہ منتخب ہوئے۔

مشترکہ جمعیت گونڈہ وبستی کے تحت متعدد چھوٹے پروگراموں کے علاوہ تین بڑی کانفرنسیں ہوئیں اول قصبہ بانسی میں ۱۹۵۹ء دوروزہ ضلعی کانفرنس دوم پھریندا مہراج گنج میں ۱۹۶۰ء دوروزہ ضلعی کانفرنس سوم نوگڈہ کانفرنس سہ روزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ۱۹۶۱ء میں۔

آل انڈیا اہل حدیث نوگڈہ کانفرنس کی منظوری:

مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں سولہ سال کی طویل مدت گذر گئی مگر کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ جی کڑا کر کے تاریخ ماضی کو دھرائے اور علامتی انداز پر ہی سہی اس لٹے پٹے ہندوستان میں توحید وسنت کی بزم آرائی کا تجربہ

کرے ستمبر ۱۹۶۰ء کا آخری عشرہ تھا اطلاع ملی کہ دہلی میں اکتوبر ۱۹۶۰ء کے پہلے ہفتہ میں کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوگا حسن اتفاق سے جماعت کے سرگرم مبلغ مولوی علیم الدین ریاضی دارالعلوم ششہنیاں میں تشریف لائے میں نے صدر جمعیت گونڈہ وبستی اور دوسرے ذمہ دار رفقاء کو پُر زور خط لکھا کہ فوراً کسی کو دہلی بھیجا جائے کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس بہت ہوتے رہتے ہیں ان سے کیا نتائج نکلتے ہیں وہ پوشیدہ نہیں ضرورت ہے کہ اجلاس عام کی دعوت منظور کرائی جائے اور کل ہند اجلاس کی تیاری کی جائے۔[1]

آپ کی اس تحریک پر ضلع گونڈہ وبستی کی جمعیت کے صدر خطیب الاسلام مولانا جھنڈانگری کی منظوری کے بعد انہی دونوں اضلاع کے جنرل سکریٹری مناظر اسلام مولانا منظر کانفرنس کی مجلس عاملہ سے نوگڈھ میں کل ہند اجلاس عام منعقد کرانے کے سلسلے میں منظوری حاصل کرنے دہلی تشریف لے گئے ۹/ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو منظوری لے کر واپس آئے منظوری حاصل کرنے کے بعد مسلسل ایک سال تک عام اجلاس کی تیاری میں ان دونوں اضلاع کے احباب جماعت و بزرگان دین اور علمائے اکابرین نے دن رات ایک کردیا اخبار ورسائل میں ایک سال تک اشتہار دیا گیا نوگڈھ چلو! نوگڈھ چلو! کی صدائے دلنواز پورے ہندوستان میں گونج گئی۔

آل انڈیا اہل حدیث نوگڈھ کانفرنس:

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڈھ کا یہ پچیسواں اجلاس عام اور تقسیم ملک کے بعد پہلا اجلاس عام قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی کے زیر صدارت بمقام نوگڈھ نزد ریلوے اسٹیشن بتاریخ ۱۶/۱۷/۱۸/۱۹/ نومبر ۱۹۶۱ء میں گونڈہ وبستی کے تعاون سے

[1] پندرہ روزہ ترجمان دہلی یکم جنوری ۱۹۶۲ء آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڈھ ص: ۶۵

انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا اس اجلاس عام کے استقبالیہ کے صدر خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ تھے واضح رہے کہ جمعیت ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک جمود و تعطل کا شکار تھی تقسیم ملک کے بعد افراد جماعت تسبیح کے دانوں کی طرح کشمیر سے راس کماری اور خلیج بنگال سے بحر ہند کے ساحل تک بکھرے ہوئے تھے ضرورت تھی ان کو توحید و سنت کی لڑی میں پرویا جائے ملک کے اکابر اصاغر و ہمدردان مسلک چیخ و پکار میں لگے ہوئے تھے مگر بیداری کی لہر پیدا نہیں ہوئی آخر جمعیت گونڈہ و بستی نے بیداری کا صور پھونکا جو صور اسرافیل ثابت ہوا مردہ جسموں میں جان پڑ گئی ایک لاکھ فرزندان توحید و سنت جمع ہو گئے اس تاریخی و مثالی اجلاس عام کا اہتمام و انصرام جمعیت گونڈہ و بستی نے جس حُسن تدبّر اور کمال تدبر سے کیا پورا ملک اس کا معترف ہے دیکھتے دیکھتے کشمیر سے لے کر آسام کی پہاڑیوں و ساحل مدراس اور ممبئی سے لے کر ہمالیہ کی چوٹیوں تک کے افراد جماعت دیوانہ وار اس آواز کی طرف بڑھتے چلے گئے جو نوگڈھ کی فضا سے براڈ کاسٹ ہوئی تھی چند دنوں کے لئے دور افتادہ دیہاتی علاقہ اہل حدیث نگر بن گیا تھا یوپی، مدھیہ پردیش، بنگال، آندھرا پردیش، مدراس، مہاراشٹر راجستھان، گجرات اور کشمیر تک کے مختلف رنگ و روپ اور مختلف وضع قطع کے یہاں آ کر ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے جماعت کی تاریخ میں اتنا عظیم الشان اجلاس عام نہ اس سے پہلے ہوا، اور نہ اب آئندہ اس کی امید کی جا سکتی ہے۔ الا ان یشاء اللہ

علامہ بسکوہر رحمہ اللہ کا عربی قصیدہ:

ماہ نومبر ۱۹۶۱ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا تین روزہ اجلاس عام بمقام نوگڈھ منعقد ہوا علامہ مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ نے اس موقع پر استقبالیہ عربی قصیدہ کہا تھا مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی رحمہ اللہ نے اس کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا اس

منظوم ترجمہ کی بات نہ بتائی جائے تو کوئی شخص یہ پرکھ نہیں سکتا کہ یہ ترجمہ ہے، چند عربی قصیدہ وترجمہ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے ہدیہ قارئین کررہا ہوں:

بستی وغونده لقد طابت دیارهما بطيب هدى رسول الله ذى الحرم
سرزمین بستی وگونڈہ تیرا دور آگیا جن کے ہیں اعیان سب علام وفہام ہمام

نفسي الغلاء الاسلاف لنا بذلوا نفوسهم عنه فى الانوار والظلم
ان کی خدمات جلیلہ آج بھی ہیں آشکار میں فدا ان پر ہوں کیسے تھے بزرگان کرام

الله بخش[1] مولانا عباد الله[2] اظهرنا[3] مخدومنا[4] و خليل[5] منبت الكرام
مولانا اللہ بخش بسکوہری وعباد اللہ واظہر بہاری مخدوم بخش ہرہٹہ اور حاجی محمد خلیل

شيخنا نعمة[6] الذى لمعت آثار خدمته الاسلام كادام
محترم وہ نعمت اللہ حاتم دوراں تھے جو جن کی ملی یادگاروں کو ہے گردوں کو دوام

هذا سراج علوم من ماثره لم يستطع حاسد أطفاءه نعم
اک سراج وہ نیپال میں روشن کیا جس کے گردوپیش پروانوں کا ہے اک اژدحام

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڈھ اوراس کے ارکان پر مشتمل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

الا ترون لهم بالهند مؤتمرا اعضاء الشهرو بالعلم والفهم
ایک کل انجمن قائم ہے ان کی اے خوشا جن کے ہیں اعیان سب علام وفہام ہمام

شيخ الحديث عبيد الله[7] افضلنا والمحكم فينا عند مختصم
صاحب تقویٰ عبید اللہ وہ شیخ الحدیث منفرد ہے بحث اور تحقیق میں جن کا مقام

[1] مولانا اللہ بخش بسکوہری [2] مولانا عباد اللہ بانی مدرسہ دار الہدیٰ یوسف پور [3] مولانا اظہر بہاری ادئی پور [4] مخدوم پنچ ہرہٹہ [5] حاجی محمد خلیل بجوا کلاں [6] الحاج نعمت اللہ خاں کدربٹوا نیپال بانی جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال والد محترم خطیب الاسلام علامہ عبد الرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ [7] شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح

نذیر احمد [1] فینا لا نظیر له فی العلم والفضل والانشاء بالقلم
اورعلامہ نذیر احمد ہیں بے شک بے نظیر جن کے خامے کی روانی جیسے دریا کا خرام

طوبیٰ لنا ناب عنهم بعد هم خلف شدو ما ندهم فی امر دینهم
مرحبا وحبذ اا پنے خلف کچھ کم نہیں جان ودل سے تھام کر بیٹھے ہیں ملت کا نظام

عبد الرؤف [1] ناموس له عبدالجلیل [2] واعون ذوهمم
حضرت عبدالرؤف اور حضرت عبدالجلیل اور بھی ساتھی جو ہیں جادو رقم شیریں کلام

مولانا زین اللہ ضیغم کے چنداشعار:

مولانا زین اللہ ضیغم رحمہ اللہ نے اجلاس عام نوگڈھ کے موقع پر ایک نظم لکھی تھی چنداشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہومبارک تجھ کو اے نوگڈھ کہ یہ روز سعید تیری قسمت میں لکھا کلک ازل نے روز عید
آیا بابر کا زمانہ آیا قطب الدین بھی شیر شاہ سوری بھی گذرا آیا عالم گیر بھی

میری نظروں نے نہیں دیکھا کبھی ایسا سماں مثل نوگڈھ ہند میں یہ سلفیوں کا کارواں

نوگڈھ کانفرنس میں فاتح قادیان علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ موجود نہیں تھے پہلے ہی ان کی وفات ہو چکی تھی اسی کا اظہار مقطع میں یوں کیا گیا ہے ؎

دین کے تارے اکٹھے ہیں قمر رخصت ہوا
آہ ضیغم! ضیغم پنجاب ہم میں نہ رہا

---

[1] علامہ نذیر احمد رحمانی املوی رحمہ اللہ

[2] خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

[3] مفکر ملت علامہ عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ

اثرات ونتائج:

یہ اجلاس اپنے پیچھے بڑے بڑے مفید اثرات ونتائج چھوڑ گیا جس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔

(۱) اس اجلاس عام نوگڈھ کے ذریعہ جماعت کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔

(۲) معنوی طور پر بجائے خود یہ ایک بڑی کامیابی ہے کہ ملک کے تمام دور دراز صوبوں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء، فضلاء، امراء خواص وعوام کا اور نمائندگان کا اکٹھا ہونا ضلع و جوار کے ایک لاکھ فرزندان کتاب وسنت کا اجتماع بذات خود ایک بڑی کامیابی ہے۔

(۳) دستور اساسی کے جاندار و پُر وقار بنانے کے لئے ایک سب کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی یہ سب کمیٹی درج ذیل حضرات پر مشتمل تھی:

۱۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاۃ المفاتیح

۲۔ جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ

۳۔ مفکر ملت مولانا عبد الجلیل رحمانی رحمہ اللہ

۴۔ نمونہ سلف مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ

۵۔ محمد شفیع صاحب مالیر کوٹلہ پنجاب

اس کمیٹی کے کنوینر مفکر ملت مولانا عبد الجلیل صاحب رحمانی رحمہ اللہ قرار پائے تھے۔

(۴) ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی ۱۹۴۴ء میں اس کا دستور اساسی مرتب ہوا۔ جس کی دفعہ ۳ کی ضمنی دفعہ نمبر ۴ یہ تھی کہ ایک مرکزی دار العلوم قائم کرنا جو ہندوستانی جماعت کے شایان شان ہو اور جس میں اعلیٰ دینی تعلیم کے علاوہ ہندی، انگریزی تعلیم معیاری ہو۔ الحمد للہ اس کانفرنس کے نتیجے میں جامعہ رحمانیہ بنارس اور

عمائدین کانفرنس کے مابین تعاون واتحاد واشتراک عمل قائم ہوگیا اور مرکزی دارالعلوم کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی یہ نوگڈھ اجلاس عام کی برکت ہے ضلعی جمعیت گونڈہ وبستی کے دستور اساسی قواعد وضوابط کی ترتیب وتسوید کا فریضہ بھی مفکر ملت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی نے انجام دیا۔ [1]

مرکزی دارالعلوم بنارس:

جماعت اہل حدیث ہند کی آبادی کے تناسب اوراس کے دینی وعلمی مقام کے اعتبار سے کل ہند مرکزی دارالعلوم کے قیام کی ضرورت احساس شدت کے ساتھ پون صدی سے چلا آرہا تھا مگر تقسیم ملک کے بعد سے مختلف اسباب کی بنا پر یہ ضرورت شدید تر ہوگئی تھی۔اجلاس عام نوگڈھ کے موقع پر قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی نے اپنے خطبہ صدارت اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہم اللہ نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں ایک کل ہند مرکزی دارالعلوم کے قیام کی طرف سے توجہ دلائی قدرت کی کارفرمائی دیکھئے کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اجلاس عام ہوتا ہے ۱۹۶۳ء میں بنارس میں مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں آجاتا ہے یہ بھی ضلعی جمعیت گونڈہ وبستی اوراجلاس عام نوگڈھ کی تاریخی صفات وبرکات میں سے ہے۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کی الگ تشکیل:

اجلاس عام نوگڈھ سے قبل ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ وبستی کے نام سے صرف ایک جمعیت تھی جو گونڈہ وبستی دونوں ضلعوں میں تعلیمی وتبلیغی، تنظیمی فرائض انجام

[1] دیکھئے ترجمان دہلی مجریہ یکم نومبر ۱۹۶۰ء ص: ۹ روداد کاروائی مجلس عاملہ گونڈہ وبستی منعقدہ ۱۳/۱۴/اکتوبر ۱۹۶۰ء بمقام بڑھنی بازار بحوالہ شہدائے احد از مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی ترتیب وپیشکش مطیع اللہ سلفی حفظہ اللہ

دے رہی تھی چند سالوں ایک پلیٹ فارم پر کام کرنے کے بعد جہاں کارکنان کے حوصلے بلند ہو گئے ساتھ ہی کام کی وسعت کا بھی اندازہ ہوا اسلئے وسعت کار کی خاطر گونڈہ وبستی دونوں ضلعوں میں ہمہ گیر کام کرنے کے لئے الگ الگ ۱۹۶۵ء میں دو جمعیتوں کا قیام عمل میں لایا گیا جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے صدر مولانا محمد اقبال رحمانی رئیس الاساتذہ جامعہ سراج العلوم بونڈھیار گونڈہ اور ناظم اعلی جناب فصیح الدین خاں صاحب گینسڑی باتفاق رائے منتخب ہوئے اور مجلس عاملہ وشوریٰ بھی تشکیل عمل میں آئی۔

ریاستی کانفرنس تلسی پور:

اجلاس عام نوگڈھ کے انعقاد کے بعد پورے ملک میں جماعت کے اندر ایک نشاط پیدا ہو گیا جماعت کی تنظیم اور مزید فعال ومتحرک بنانے کی غرض سے ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۸/۱۹/۲۰/ مارچ ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ بمقام تلسی پور موجودہ پاور ہاؤس بلرام پور چوراہا کے قریب صوبائی پیمانہ پر کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا الحمد للہ یہ صوبائی کانفرنس مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی صاحب رحمہ اللہ کی صدارت میں انتہائی تزک واحتشام مفید اور دوررس اثرات کے ساتھ اختتام کو پہونچیں اصولی طور پر تو یہ ریاستی کانفرنس تھی مگر تعداد حاضرین اور تذکیر وتبلیغ کے قابل رشک نظم ونسق کے اعتبار سے ریاستی اجلاس آل انڈیا اجلاس معلوم ہوتا تھا اس کے علاوہ کئی ضلعی کانفرنس ایس بی تلسی پور کے فیلڈ میں ہوئیں۔

ضلعی جمعیت گونڈہ کا مثالی دور:

ارباب جماعت و جمعیت کی خواہش واصرار پر راقم سطور عبدالرؤف ندوی پندرہ سال نامساعد حالات کے باوجود اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ صرف کیا ضلعی جمعیت

کے جملہ شعبہ جات کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیا اس سے پہلے جمعیت جمود وتعطل کا شکار تھی جمعیت کا اپنا کوئی نجی گھر نہیں تھا ان حالات میں جو شخص کسی بنیادی و تنظیمی جد و جہد سے وابستہ ہو وہی راستہ کی دشواریوں اور منزل کی کٹھنائیوں سے واقف ہوتا ہے کسی بھی منظّم کام کے لئے ایک مرکز اتصال کا ہونا انتہائی ضروری ہے جہاں سے ہر حرکت و عمل کی نگرانی کی جا سکے جہاں پر ہر جد و جہد کے خاکے تیار ہوں ،منزلیں متعین کی جائیں اور جہاں بیٹھ کر کاموں کا جائزہ لیا جائے اور اس کے راستے اور طریق کار کی کھوج کی جائے، مارچ ۱۹۶۸ء تلسی پور میں ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے زیر اہتمام ایک ریاستی کانفرنس تلسی پور میں منعقد ہوئی جو آل انڈیا اہل حدیث نوگڈھ کانفرنس کے بعد دوسرے نمبر پر تھی اور اس کانفرنس کے بعد ملک گیر پیمانے پر جماعت کی کوئی دوسری کانفرنس آج تک دیکھنے میں نہیں آئی ریاستی کانفرنس نے ایک قرارداد میں یہ تجویز منظور کی کہ ضلعی جمعیت گونڈہ کا ایک ہیڈ آفس تلسی پور میں قائم کیا جائے ،تو ارباب جمعیت گونڈہ و بلرام پور نے یہ بار عظیم اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھالیا اور ریاستی کانفرنس کے کثیر اخراجات سے زیر بار ہونے کے باوجود عین برسات میں دفتر کی عمارت تھانہ روڈ پر مکمل کرلیا دفتر کی تعمیر اور اس سے ملحقہ عمارت میں مکتبہ اور شایان شان لائبریری کا قیام اور ضلعی جمعیت کی نگرانی میں مدرسہ ریاض الاسلام کا قیام اور ابتدائی درجات سے لیکر جماعت رابعہ تک کی تعلیم کا بندوبست بیرونی ونادار طلبہ کے لئے قیام و طعام کا بندوبست ضلع کے گاؤں گاؤں میں مقامی جمعیتوں کی تشکیل اور اجرائے مکاتب و مدارس الحاق و تنظیم جمعیت کے تقریباً نوے مکاتب و مدارس کا سنٹروں پر سالانہ امتحانات اور سال میں کئی بار معائنہ جات ضلع کے گاؤں گاؤں میں دعوت و تبلیغ اور مستقل ماہانہ تبلیغی اجلاس کا انعقاد شرک و بدعت ، رسم و رواج خرافات و منکرات کی بیخ کنی اور ساتھ ہی ساتھ دینی مذہبی واصلاحی پمفلٹ ولٹریچر اور کتابوں کی

شاعت کا کام بھی بحسن وخوبی انجام پاتا رہا، الحمد للہ ان سرگرمیوں سے پورے ضلع کی جماعت ایک مربوط نظام کے ساتھ آگئی ضلعی جمعیت کو راقم سطور اور ہمارے رفقاء کار مولانا عبدالعزیز طیبی مدنی اور مولانا عبدالستار قدسی کواپوری رحمہم اللہ آگے بڑھانے میں کوشاں رہے ریاستی اور ضلعی کانفرنسوں کے ذریعہ جمود وتعطل کو توڑنے میں انتھک جد وجہد کی ملک کی جماعت کو حرکت وعمل کا پیغام ملا جمعیت کا یہ دور مثالی ثابت ہوا جیسا کہ قارئین کرام اکابر علماء کے قیمتی تاثرات پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ تاریخ کی محفوظ امانت ہے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آج بھی جمعیت کے مقاصد کی تکمیل کے لئے حتی الوسع دامے درمے قدمے سخنے کوشاں ہوں اللہ قبول فرمائے آمین۔

ایک عظیم جماعتی وملی حادثہ:

ضلعی جمعیت گونڈہ اپنے اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بڑی مستعدی سے آگے بڑھ رہی تھی کہ اسی درمیان آفس کی بلڈنگ کے کئی کمرے آفس سے متصل مسجد کی بنیاد حضرت علامہ عبدالغفور صاحب بسکوہری رحمہ اللہ کے ہاتھوں سے ۱۹۷۶ء میں رکھی گئی زمین پر جس پر پنج وقتہ صلاۃ ہورہی تھی جمعیت و جماعت کے چند بدخواہوں نے قانون کا سہارا لیتے ہوئے کوڑیوں میں بیچ دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فضیلۃ الشیخ عبدالمعید سلفی حفظہ اللہ علی گڈھ مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری رحمہ اللہ کے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

''مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد ایک سال موتی پور (مضافات تلسی پور) میں پڑھایا دوسال انھوں نے ضلعی جمعیت اہل حدیث گونڈہ کے آفس واقع تھانہ روڈ میں قائم مدرسہ ریاض الاسلام میں پڑھایا دفتر

تلسی پور پولیس لائن کے پاس تھا اس وقت پورے ہندوستان میں جمعیت کے پاس ایسا دفتر نہیں تھا چار کمرے بنے تھے شایان شان لائبریری تھی مدرسہ تھا آفس تھی دعوتی دورے ہوتے تھے ضلع گونڈہ کے نوّے سے زیادہ مکاتب و مدارس ضلعی جمعیۃ کی آفس کی نگرانی میں چلتے تھے اس وقت ضلعی جمعیت کے صدر نمونہ سلف مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ تھے اور جنرل سکریٹری فصیح الدین خاں رحمہ اللہ تھے دفتر سے متصل مسجد کی بنیاد مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ کے ہاتھوں سے ۱۹۷۶ء میں رکھوائی گئی تھی چار پانچ آدمیوں کا اسٹاف کام کرتا تھا ۱۹۷۲ء سے میرا وہاں آنا جانا تھا پھر کچھ فسادی ملاؤں نے اس کو کوڑیوں میں بیچ دیا۔عاملهم الله بما يستحقون [1]

جمعیت گونڈہ و بلرام پور کے عہدیدران کی تفصیل:

جیسا کہ قارئین کرام پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ۱۹۶۵ء میں جمعیت گونڈہ، جمعیۃ بستی سے الگ ہوئی تو باقاعدہ جمعیت اہل حدیث گونڈہ کی تشکیل بھی عمل میں آئی، باتفاق رائے صدر مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ بونڈھیار اور ناظم اعلیٰ جناب فصیح الدین خاں گینسڑی منتخب ہوئے اور مجلس عاملہ وشوریٰ کی تشکیل بھی عمل میں آئی اس باڈی نے جمعیت گونڈہ کو ایک چمن کے مالی کی طرح اپنے خون جگر سے سینچا صدر محترم مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ دوسری بار ۱۹۸۲ء میں حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے حج کر چکے تھے کہ اچانک آپ بیمار ہوگئے اور مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔رحمه الله رحمة واسعة

۸۵-۱۹۸۴ء ایک سال حافظ عبدالقوی اثری نائب ناظم کے عہدہ پر فائز رہے، حافظ صاحب کے دور نائب نظامت میں آفس سکریٹری مولانا سعید احمد اثری

[1] بحوالہ کاروان سلف جلد ہفتم ص: ۱۸۶/۱۸۵

کنڈ وا اور آرگنائزر ماسٹر محمد ادریس ہر ہٹہ تھے۔

۱۹۸۶ء میں مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ اور حافظ عبدالقوی اثری سلمہ اللہ نے ضلع گونڈہ خاص کر تلسی پور علاقہ کا جماعتی دورہ کیا جس کے نتیجہ میں افراد جماعت کے اندر دینی و جماعتی بیداری آئی اس موقع پر مولانا فضل الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ، مولانا مطیع اللہ سلفی حفظہ اللہ اور مولانا عبدالمنان سلفی رحمہ اللہ نے مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ کا بھر پور تعاون کیا یہ حضرات اس وقت جامعہ قاسم العلوم گلرہا میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔

صدر محترم مولانا رحمانی کی وفات کے بعد ضلعی جمعیت بلرام پور [1] کی مجلس عاملہ نے مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی کو امیر جماعت منتخب کیا مولانا سلفی طویل علالت کی بنا پر امیر جماعت کے منصب سے ۲۰۰۵ء میں استعفیٰ دے دیا اور ۱۰/مارچ ۲۰۱۰ء کو وفات پا گئے، مولانا سلفی کی وفات کے بعد مولانا عبدالسلام رحمانی کو امیر جماعت منتخب کیا گیا اور تا وفات ۲۹/دسمبر ۲۰۱۳ء امیر جماعت کے منصب پر فائز رہے اسی میٹنگ میں راقم سطور عبدالرؤف خاں ندوی اور مولانا تبارک حسین قاسمی کو نائب امیر کے منصب پر با اتفاق رائے منتخب کیا گیا راقم سطور عبدالرؤف خاں ندوی نے اپنی ناسازی طبع اور تصنیف و تالیف میں مشغولیت کی وجہ سے ۲/مئی ۲۰۱۵ء کو استعفیٰ دے دیا اور مولانا تبارک حسین قاسمی کی طویل علالت کے پیش نظر مولانا عبدالرحمٰن جلیلی مدنی کنڈوا اور مولانا خلیل احمد یوسفی لدھوری کو نائب امیر کے عہدہ پر منتخب کیا گیا، جناب فصیح الدین خاں گینسڑی ۱۵/ستمبر ضلعی جمعیت کے سرپرست منتخب کئے گئے۔ اور تا وفات ۲۵/جنوری

---

[1] بتاریخ ۲۲/مئی ۱۹۹۷ء کو محترمہ مایاوتی وزیراعلیٰ اتر پردیش نے بلرام پور کو ضلع کا درجہ دینے کا سرکاری اعلان کیا اور مرکزی حکومت ہند نے ۲۵/مئی ۱۹۹۷ء بلرام پور کو ضلع کا درجہ دینے کی منظوری دی (عبدالرؤف خاں ندوی)

۲۰۱۴ء اس منصب جلیلہ پر فائز رہے آپ کی وفات کے بعد ڈاکٹر انیس احمد گینسڑی سرپرست جمعیت بنائے گئے واضح رہے کہ بابو فصیح الدین خاں گینسڑی رحمہ اللہ ناظم اعلیٰ کے منصب پر پچپن سال اور سرپرست آٹھ سال تک رہے اللہ تعالیٰ رحمہ اللہ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔

بعض اسباب ووجوہ کی بنا پر جمعیت پر اضمحلال طاری ہوگیا اور جمعیت کا تنظیمی ڈھانچہ بالکل منتشر ہوگیا اس وقت جمعیت کے آفس سکریٹری مولانا نظام الدین ندوی تھے ظاہر بات ہے جمعیت کے جملہ شعبہ جات کے فرائض تنہا ایک آدمی کیسے انجام دے سکتا ہے بہرحال وہ اپنی حسب استطاعت جمعیت کو زندہ کئے ہوئے تھے۔انھیں کے دور میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کی آفس اور مدرسہ ریاض الاسلام کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچی۔

مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب حفظہ اللہ اس وقت صوبائی جمعیت مشرقی یوپی کے امیر جماعت تھے ان کے مشورہ پر کمیٹی تحلیل کردی گئی اور مولانا وحیدی صاحب کی نگرانی میں بتاریخ ۵؍ستمبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ ضلعی جمعیت بلرام پور کی ایڈھاک کمیٹی بنائی گئی پھر دوسرے سال بتاریخ ۸؍مارچ ۲۰۰۷ء بروز جمعرات ازسرنو جمعیت بلرام پور کی تشکیل کی گئی، بتاریخ ۱۵؍ستمبر ۲۰۰۶ء ایڈھاک کمیٹی تشکیل کے وقت مولانا صغیر احمد سراجی ناظم اعلیٰ نامزد کئے گئے اور ۸؍مارچ ۲۰۰۷ء ایڈھاک کمیٹی کی مدت پوری ہونے کے بعد قائم مقام ناظم اعلیٰ بنائے گئے اور ۲؍مئی ۲۰۱۵ء تک اس عہدہ پر فائز رہے بتاریخ ۱۵؍ستمبر ۲۰۰۶ء کی میٹنگ میں مولانا داؤد حسنؒ بھلوہیا کی بحیثیت آرگنائزر تقرری عمل میں آئی، مولانا داؤد حسن نے پورے ضلع میں انتھک محنت کی اور گاؤں گاؤں دورہ کرکے مقامی جمعیتوں کی تشکیل کی اور ساتھ میں ملحقہ مکاتب ومدارس کے معائنہ جات کے فرائض بھی بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ بتاریخ ۸/مارچ ۲۰۰۷ء باتفاق رائے ناظم اعلیٰ اور ۲/مئی ۲۰۱۵ء ضلعی جمعیت بلرام پور کے امیر جماعت کے منصب جلیلہ پر چُنے گئے اور آج تک اس منصب پر فائز ہیں بتاریخ ۲/مئی ۲۰۱۵ء کی مجلس عاملہ وشوریٰ کی میٹنگ میں ناظم اعلیٰ کے منصب کے لئے باتفاق رائے مولانا زبیر احمد عبدالمعبود المدنی سلمہ اللہ منتخب کئے گئے، اس سے قبل ۱۵/ستمبر ۲۰۰۶ء سے تا ۲/مئی ۲۰۱۵ء نائب ناظم کے منصب پر رہ چکے ہیں الحمد للہ جمعیت اہل حدیث بلرام پور کی موجودہ باڈی جماعت وجمعیت کے عروج وارتقاء کے لئے برابر کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو نیز ان لوگوں کی مخلصانہ مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے آمین۔

۞۞۞

ضلعی جمعیت کی جامع مسجد کی تعمیر

اسلامی معاشرہ میں مسجد اللہ کی عبادت کا وہ مرکز ہے جس کے گرد مومن کی زندگی گھومتی ہے اس کی زندگی کا اچھا خاصا حصہ مسجد ہی میں گذرتا ہے مسجد کی تعمیر وتوسیع کا بہت بڑا ثواب ہے حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من بنٰی مسجداً یبتغی بہٖ وجہ اللہ بنٰی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ" [1]

جو شخص مسجد بنائے اوراس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی چاہے اللہ اس کے لئے بہشت میں گھر بناتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کو مسجد بہت زیادہ محبوب ہیں اور بازار ناپسندیدہ ہیں [2]

عہد رسالت صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اوران کے ادوار میں مختلف ملکوں اور ریاستوں میں مساجد کے ذریعہ دعوتی واصلاحی خدمات کی انجام دہی کا سلسلہ جاری تھا ان عبادت گاہوں نے اس زمانہ میں ان مدارس وجامعات کا کردار ادا کیا جنھیں دور حاضر میں دعوت وتبلیغ کا سنٹر کہا جاتا ہے چنانچہ ان مساجد سے امام المحدثین امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی، محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، عبید اللہ رحمانی مبارکپوری محدث صاحب مرعاۃ المفاتیح وغیرہم جیسے محدثین پیدا ہوئے جن کی دعوتی وتدریسی خدمات کا اثر پوری دنیا میں مرتب ہوا ان کے دور میں مسجدوں کے اندر علمی محاضرات علمی دروس اور حسب ضرورت عام خطابات منعقد

[1] بخاری الصلوٰۃ باب من بنیٰ مسجداً / حدیث : ٤٥٠ [2] صحیح مسلم حدیث: ٦٧١

کرائے جاتے تھے اور دینی استفسارات کے جوابات اور معاشرہ میں وقوع ہونے والے مسائل کا حل حتی المقدور مساجد کے توسط سے انجام دیئے جاتے تھے، عصر حاضر میں مسلمانوں کی تعلیمی اخلاقی اور دوسری خرابیوں کا سد باب مساجد کے ذریعہ بحسن وخوبی انجام دیا جاسکتا ہے انھیں عظیم ونیک مقاصد کے حصول کے لئے ارباب جمعیت کی شب و روز کوششوں اور اللہ کی توفیق سے ضلعی جمعیت کی عظیم الشان جامع مسجد پوروہ تلسی پور ۱۹۸۷ء میں بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہونچی۔

ضلعی جمعیت کی جامع مسجد کی تعمیر اور زمین کی حصولیابی کی تفصیل اس طرح ہے ، جامع مسجد کی تعمیر ادارہ اصلاح المساجد کے زیر اہتمام مکمل ہوئی اصلاح المساجد کے مدیر حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تھے، مولانا ندوی کی بہت سی قابل ذکر و قابل فخر یادگاریں ہیں انھیں یادگاروں میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی عظیم یادگار ادارہ اصلاح المساجد کا قیام ہے، مولانا ندوی رحمہ اللہ نے مختصر مدت میں پورے ملک میں مساجد کے جال بچھا دیئے ملک کے بعض بعض مقامات پر تو اتنی عالیشان مستحکم مسجدیں بنوادی ہیں کہ ان کو دیکھ کر سلطنت مغلیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے انھیں مساجد میں ضلعی جمعیت اہل حدیث پوروہ تلسی پور کی جامع مسجد بھی ہے جو کشادہ مستحکم اور عظیم الشان ہے اگلے صفحات میں قارئین کرام پڑھ چکے ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں ضلعی جمعیت تھانہ روڈ کی زمین پر جمعیت کی مسجد کی بنیاد دفتر سے متصل زمین پر علامہ عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ نے رکھی تھی افسوس کہ جمعیت کے چند بدخواہوں نے مسجد کی زمین وآفس کی بلڈنگ جو کئی کمروں پر مشتمل تھی کوڑیوں میں فروخت کر دیا۔

ارباب جماعت کے لئے یہ حادثۂ عظیم قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا اللہ غریق رحمت فرمائے جناب عقیل احمد خاں وڈاکٹر افروز احمد وغیاث احمد ایڈوکیٹ کے والد محترم الحاج سمیع اللہ خاں رنیا پور کو کہ موصوف نے میرے خسر نمونہ سلف محترم جناب حکیم مولانا

عبدالحق رحمانی تھرولی رحمہ اللہ کی بھر پور کوششوں سے اپنی آبائی زمین پر واقع پوروہ تلسی پور میں سے مسجد کے لئے بلا قیمت اور مدرسہ وآفس کے لئے قیمتاً زمین عنایت فرمائی رحمہ اللہ رحمۃ واسعةً

جناب فصیح الدین خاں رحمہ اللہ نے مجھ سے بیان کیا چچا الحاج سمیع اللہ خاں نے جو زمین مسجد و مدرسہ اور آفس کے لئے دی ہے اسی مقام پر ۱۹۴٦ء میں سہ روزہ عظیم الشان اجلاس عام شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کی صدارت میں منعقد ہوا تھا جس میں اکابر علماء بھی تشریف لائے تھے اس اجلاس کے منتظمین میں عقیل احمد خاں کے دادا جناب عبداللہ خاں ٹھیکیدار اور جناب فصیح الدین خاں کے والدمحترم جناب محمد شفیع پنچ اور علاقہ وقرب و جوار کے اخوان جماعت تھے اللہ ان لوگوں پر رحمتوں کی بارش فرمائے آمین۔

ارباب جماعت کو مسجد مدرسہ اور آفس کی زمین پانے کے بعد بے حد خوشی ہوئی اور اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ کسی بھی منظم کام کے لئے ایک آفس کا ہونا انتہائی ضروری ہے جہاں سے ہر حرکت وعمل کی نگرانی کی جاسکے جہاں پر ہر جد و جہد کے خاکے تیار ہوں منزلیں متعین کی جائیں اور جہاں بیٹھ کر کاموں کا جائزہ لیا جائے اور اس کے راستے اور طریق کار کی کھوج کی جائے۔

الحمدللہ ضلعی جمعیت کی جامع مسجد مدرسہ ریاض الاسلام وآفس کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حل ہوگیا اب مسئلہ درپیش تھا تعمیر کا بابو فصیح الدین خاں رحمہ اللہ کے مشورہ پر ایک لیٹر مولانا مختار احمد ندوی کے پاس مسجد مدرسہ آفس کی زمین ملنے کی خوش خبری اور ایک زبردست توصیہ صدر محترم مولانا محمد عمر سلفی حفظہ اللہ سے لکھوا کر رجسٹری بھیجا۔

خط موصول ہونے پر مولانا مختار احمد ندوی سلفی رحمہ اللہ نے جواب لکھا :

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالرؤف ندوی صاحب عافاکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط اور صدر محترم مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی رحمہ اللہ کا توصیہ موصول ہو کر کاشف حالات ہوا، اس مسرت انگیز اطلاع سے دلی مسرت ہوئی کہ آپ لوگوں کی کوششوں سے تلسی پور میں مناسب جگہ مسجد مدرسہ اور آفس کے لئے مل گئی ہے۔ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈھیار کے تعلیمی اجلاس عام منعقدہ ۳۱/اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء کو شرکت کر رہا ہوں، ان شاء اللہ! آپ آجائیں تاکہ ساتھ چل کر تلسی پور مسجد کی زمین کا معائنہ موقع پر کرلیا جائے افراد جماعت کو السلام علیکم کہئے۔ والسلام

مختار احمد ندوی سلفی

۱۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء

حسب پروگرام راقم اجلاس عام منعقدہ ۳۱/اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء بونڈھیار پہونچا اور مولانا مختار احمد ندوی سلفی کو اپنے ہمراہ لیکر شنکر نگر ہوتے ہوئے تلسی پور آیا حُسن اتفاق عقیل احمد خاں، شرافت اللہ وکیل اور ڈاکٹر بن خاں رحمہم اللہ موقع پر موجود ملے، مولانا ندوی اور ان کے رفقاء کی چائے بسکٹ سے ضیافت کی گئی، مولانا ندوی نے مسجد کی زمین کا معائنہ فرمایا، دیکھ کر خوشی واطمینان کا اظہار فرمایا، مولانا ندوی نے فرمایا آپ لوگ کام شروع کردیں اس طرح صدر محترم مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، فصیح الدین خاں، عقیل احمد خاں، شرافت اللہ وکیل، ڈاکٹر بن، راقم الحروف عبدالرؤف ندوی، مولانا نظام الدین ندوی، خدا یار بابا وغیرہم کی توجہ خاص وکوششوں سے ضلعی جمعیت اہل حدیث پوروہ تلسی پور کی عالیشان مسجد ۱۹۸۷ء میں پایۂ تکمیل پہونچی جن لوگوں نے کسی طرح اس مسجد کی تکمیل میں حصہ لیا ہے اور لے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

آفس و مدرسہ ریاض الاسلام پوروہ تلسی پور کی تعمیر

کسی بھی مذہب فکر وعقیدہ کے لئے تعلیم کی حیثیت شہ رگ کی ہے اگر کسی قوم کو اس کے دین سے محروم کرنا ہوتو اس کے دینی تصورات سے اس قوم کا علمی رشتہ کاٹ دیجئے یہ چیز خود بخود اس قوم کو اپنے مذہب سے بیگانہ بنا دے گی۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور نے ابتدا ہی سے گاؤں گاؤں میں مکاتب و مدارس کے قیام کی ضرورت اہمیت و افادیت پر زور دیتی آئی ہے یہی وجہ ہے کہ آج ضلعی جمعیت بلرام پور کے زیر نگرانی تقریباً ایک سوتریسٹھ (163) مکاتب و مدارس چل رہے ہیں امت محمدیہ وہ واحد امت ہے جس کی ابتداء ہی درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سے ہوتی ہے اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے محمد عربی ﷺ نے مکہ مکرمہ میں دار ارقم کو تعلیم و تدریس کے لئے اپنا مرکز بنایا پھر ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبوی عبادت گاہ کے ساتھ مستقل طور پر پہلی اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی اس مدرسہ کا نام صفہ تھا یہ اسلام کا سب سے پہلے مدرسہ تھا اس کے پڑھنے والوں کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے استاذ محمد عربی ﷺ ہیں اس اسلامی مدرسہ نے مختصر مدت میں کایا پلٹ دی اور صالح معاشرہ وجود میں آ گیا جس کی مثال دنیائے انسانیت کے کسی دور میں نہیں ملتی، آج پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مدارس دینیہ و جامعات اسلامیہ اسی شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں۔

مدارس دینیہ اسلام کے پاور ہاؤس ہیں یہ اسلام کی فکری سرحدوں کے محافظ ہیں یہ اسلام کے دینی قلعے ہیں ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے مسلمان کہلانے کے لئے پھر آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منھ دکھانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے

معاشرے میں دینی ماحول پیدا کرنے منہج سلف سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اسلامی اخلاق اور اسلامی تعلیم وتربیت اور عقیدہ توحید کے مفہوم کو لوگوں میں راسخ کرنے کا فریضہ انجام دینا ہم لوگوں پر لازمی ہے، یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب درس وتدریس، تعلیم وتعلم کے لئے مدارس دینیہ وجامعات اسلامیہ قائم کیا جائے۔

یہی وہ عظیم مقصد ہے کہ مدرسہ ریاض الاسلام کا قیام ضلعی جمعیت تھانہ روڈ تلسی پور کی بلڈنگ میں ۱۹۷۰ء میں عمل میں آیا ناچیز نے ہی مدرسہ ریاض الاسلام انتخاب کیا مکتب سے لے کر جماعت رابعہ تک باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی مگر جمعیت کے چند بدخواہوں نے قانون کا سہارا لے کر ۱۹۷۶ء میں جمعیت کی بلڈنگ کو کوڑیوں میں فروخت کردیا۔ جب اللہ کی توفیق سے پوروہ پر زمین مل گئی اور مدرسہ ریاض الاسلام کی عمارت تعمیر ہوئی تو پھر سے ضلعی جمعیت بلرام پور کی نگرانی میں مستقل تعلیم دی جانے لگی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی حفظہ اللہ کو ان کی توجہ خاص وکوششوں سے مدرسہ ریاض الاسلام لائبریری وآفس کی عمارت کی تعمیر بابت ۱۹۸۸ء پایہ تکمیل کو پہونچی شیخ صلاح الدین مدنی حفظہ اللہ جماعت اہل حدیث بلرام پور کی طرف سے صد بار قابل مبارک باد ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی جدوجہد وکوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

استدراک:

کسی بھی منظم کام کے لئے ایک آفس کا ہونا نہایت ضروری ہے جہاں سے ہر حرکت وعمل کی نگرانی کی جائے جہاں پر ہر جدوجہد کے خاکے تیار ہوں منزلیں متعین کی جائیں اور جہاں بیٹھ کر کاموں کا جائزہ لیا جائے، ضلعی جمعیت بلرام پور کا یہ اقدام قابل تحسین ہے کہ اس نے اپنے استحکام کے بنیادی مسائل پر قابو پا لیا ہے۔

فالحمد لله علی ذلک

ضلعی جمعیت بلرام پور کے نمایاں کاموں میں مسجد مدرسہ اور آفس کی عمارت کی تعمیر جمعیت لائبریری کا قیام شعبۂ نشر و اشاعت کا قیام تنظیمی، دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا احیاء خالص توحید وسنت کی اشاعت مکاتب و مدارس کے اجراء والحاق اور معائنہ جات کی کوشش بڑی اہم اور نمایاں خدمات ہیں ان سرگرمیوں سے پورے ضلع کی جماعت ایک مربوط نظام کے تحت آگئی اور ہر جگہ کے لوگ کم وبیش ضلعی جمعیت بلرام پور کی سرگرمیوں سے مستفید ہورہے ہیں۔ جمعیت نے جو لائبریری قائم کی ہے اس کو وسعت دے کر ہر فن کی کتابیں مہیا کر کے ایک علمی، تاریخی ومثالی لائبریری بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ضلعی جمعیت بلرام پور نے گاؤں گاؤں گھر گھر دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتیں پہونچانے میں کوشاں ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ بیسوں افراد ہر روز دفتر میں آتے ہیں اور اپنی دینی ضروریات سے متعلق ضروری گفتگو کرتے اور روشنی حاصل کرتے ہیں، تلسی پور اور اس کے اطراف میں اہل حدیث افراد کی بیشتر آبادی کے پیش نظر ایک سلفی مسجد کی اشد ضرورت تھی وہ مختلف کاموں سے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں تلسی پور آتے رہتے ہیں، اور ان کو پنج وقتہ نماز اور خاص طور سے جمعہ کی نماز میں جو روحانی وذہنی تکالیف ہوتی تھی اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو کسی بدعت گڈھ میں آباد ہیں۔

الحمد للہ ضلعی جمعیت بلرام پور کی جامع مسجد محلّہ پوروہ تلسی پور آفس کے بازو میں ایک شاندار مستحکم کشادہ جامع مسجد ہے مستقل امام وموذن ہیں جس میں پنج وقتہ نماز کے ساتھ جمعہ کی صلاۃ کا بھی اہتمام ہے مقامی لوگوں کے علاوہ علاقہ سے کثیر تعداد میں صلاۃ جمعہ پڑھنے آتے ہیں، اس سے قوم کے افراد کو منظّم کرنے اور حسب

ضرورت ان کو اسلامی تقاضوں سے روشناس کرانے کا ایک سنہرا موقع ملتا ہے۔ نیز اخوان جماعت انتشار سے بچ کر سکون واطمینان سے اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں ضلعی جمعیت اہل حدیث کی جامع مسجد [1] کی تعمیر پر ضلعی جمعیت بلرام پور کی جس قدر تحسین کی جائے کم ہے۔

☆☆☆

[1] راقم سطور (عبدالرؤف خاں ندوی) ۱۹۶۹ء سے تلسی پور میں مستقل سکونت پذیر ہے ۱۹۶۹ء میں تلسی پور میں صرف تین مسجدیں تھیں لیکن جب آبادی بڑھ گئی اور یہاں علاقے کے کافی لوگ آباد ہو گئے تو تدریجی طور پر مساجد کی تعداد بھی بڑھ گئی چنانچہ تلسی پور میں چھوٹی بڑی مساجد کی تعداد اس وقت بیس ہے جن میں گیارہ اہل حدیث مساجد ہیں، دو دیوبندی، سات بریلوی مساجد ہیں، اس طرح سلفیوں کی تعداد میں بحمداللہ اضافہ ہو رہا ہے جبکہ ۱۹۶۹ء میں تلسی پور میں اہل حدیث کی صرف ایک مسجد پرانی بازار میں تھی اور بریلویوں کی دو مسجدیں تھیں۔

اس وقت ضلع بلرام پور میں جماعت اہل حدیث کی لگ بھگ تین سو مساجد اور ایک سو ترسٹھ (۱۶۳) مدارس ہیں۔ اللھم زد فزد (عبدالرؤف خاں ندوی)

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

کے چند اہم نمایاں خدمات

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور ایک دعوتی، تربیتی، اصلاحی اور نشریاتی ادارہ ہے، جماعت کی تنظیم اور مکاتب و مدارس کے قیام واستحکام کی جد وجہد کرنا، اسلام کی خالص دعوت پیش کرنا اور باطل وغلط نظریات، عقائد واعمال کی خوش اسلوبی کے ساتھ تردید کرنا اس کا طرۂ امتیاز ہے، اس کے مختلف شعبہ جات ہیں چند اہم شعبوں کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

ا۔شعبہ دعوت وتبلیغ:

دعوت وتبلیغ ایک اہم فریضہ اور انبیائی مشن ہے، معاشرہ کی اصلاح وسدھار کا اہم ذریعہ ہے، ماشاء اللہ اللہ کی توفیق خاص پھر ہمدردان جمعیت کے گرانقدر تعاون سے ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور دعوت وتبلیغ میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی ہے، بفضل اللہ ضلعی جمعیت مستقل ایک وفد کے ساتھ دیہی علاقوں میں گاؤں گاؤں جاکر دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتی ہے، قریب چند سالوں کے اندر پورے ضلع بلرام پور میں از مشرق تا مغرب دعوتی تحریک کا ایسا مشن چلایا کہ ہر گاؤں تک دعوت و ارشاد کے سلسلے میں علماء کرام پہونچے اور اپنے پند ونصائح وکلمات طیبہ سے لوگوں کو مستفیض کیا، اللہ کے فضل وکرم سے ایک سال کے اندر ۲۷ دعوتی پروگرام منعقد ہوئے ہیں، حج کے ایام میں عازمین حجاج کرام کے لئے حج کیمپ بھی جمعیت منعقد کرتی ہے۔

دعوت وتبلیغ کا ایک اہم خطہ و پروگرام خطبات جمعہ کی شکل میں ہوتا ہے،

دارالخیر فاؤنڈیشن ممبئی کے تعاون سے ضلعی جمعیت دیہی علاقوں میں خطبات جمعہ کے لئے مختلف مساجد میں لگ بھگ چالیس خطباء کرام کو بھیجتی ہے، دارالخیر کے مالی و معنوی تعاون سے جمعیت دعوت وتبلیغ میں اہم رول ادا کرتی ہے، البتہ یہ واضح رہے کہ دارالخیر فاؤنڈیشن کوسہ، ممبرا ممبئی ایک اصلاحی، رفاہی اور دعوتی ونشریاتی ادارہ ہے جو مختلف انداز میں نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ بحمد اللہ جس کے اثرات وخدمات پورے ملک بالخصوص ضلع بلرام پور یوپی میں اظہر من الشمس ہیں، اس کے کئی اہم نشاطات ہیں، بالخصوص مختلف زبانوں میں مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں کی طباعت کرکے مفت تقسیم کرنا، اشیاء خوردنی اور کپڑوں کا تقسیم کرنا، دعوتی، تربیتی اور اصلاحی پروگرام کا انعقاد، تحریری وتقریری انعامی مقابلے کا انعقاد وغیرہ، اللہ تعالیٰ ایسے مثالی رفاہی اور نشریاتی ادارہ کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے اور سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین۔

میں عمیق قلب سے دارالخیر فاؤنڈیشن ممبئی کے صدر محترم شیخ شمیم احمد عبدالحلیم مدنی حفظہ اللہ اور اس کے جملہ ذمہ داران ومتعاونین کا شکر گذار ہوں اور یقین کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ اگر جمعیت کے دیگر عہدیداران اپنے منصب ذمہ داری کا احساس کرکے ضلع کے اندر موجود جامعات، مدارس، علماء ودعاۃ، اصحاب مال وزر جمعیت کا دارالخیر کے مانند تعاون کریں تو جمعیت مزید ترقی کرسکتی ہے۔

۲۔ شعبہ نشر واشاعت:

ضلعی جمعیت کا یہ ایک اہم شعبہ ہے جو مختلف زبانوں میں مختلف موضوعات پر مشتمل محسنین ومخیر حضرات کے تعاون سے دینی کتابیں اور پمفلٹ مہینوں کی مناسبت سے شائع ہوتی رہتی ہیں، نیز اہم مصادر ومراجع دیگر مکتبوں سے خرید کر بھی عوام وخواص دونوں طبقہ کے درمیان مفت تقسیم کی جاتی ہیں جیسے تفسیر احسن البیان اردو، ہندی دونوں زبانوں میں۔ ضلعی جمعیت کی جانب سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہے۔

نمبر شمار	اسماء کتب	تالیف
۱	رمضان کے احکام ومسائل	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۲	عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت اور قربانی کے احکام	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۳	رمضان کے آخری عشرے کی فضیلت	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۴	مختصر طریقہ حج وعمرہ	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۵	مختصر طریقہ نماز نبوی ﷺ اردو	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۶	مختصر طریقہ نماز نبوی ﷺ ہندی	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۷	عورتوں کے خصوصی مسائل	عطاء الرحمٰن عبداللہ سعیدی
۸	صدقہ کے فضائل	عطاء الرحمٰن عبداللہ سعیدی
۹	صبح وشام کے اذکار ہندی	عطاء الرحمٰن عبداللہ سعیدی
۱۰	دستور العمل ونصاب تعلیم	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۱	تسہیل العوامل اردو خلاصہ شرح ماءۃ عامل	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۲	صحیح اسلامی عقیدہ ہندی	عطاء الرحمٰن عبداللہ سعیدی
۱۳	صحیح احادیث کی روشنی میں قرآن کی تیس فضیلتیں	اشتیاق احمد رئیس سنابلی مدنی
۱۴	ہر سال تقویم کلنڈر	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۵	ہر سال تحفہ رمضان المبارک اور افطاری کارڈ	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۶	دائمی اوقات صلاۃ	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۷	ماہ محرم اہمیت ومسائل	زبیر احمد عبدالمعبود مدنی
۱۸	عقائد وآداب	فضل الرحمٰن فیضی

اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں ضلعی جمعیت کی جانب سے بتعاون دارالخیر فاؤنڈیشن ممبئی شائع ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ بیشتر ملت کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۳) شعبہ کفالت ایتام وارامل:

ضلعی جمعیت کا یہ ایک خاص اوراہم شعبہ ہے، جو چند مخیّر حضرات کے تعاون سے یہ شعبہ رواں دواں ہے، معاشرہ میں ہر ضرورت مند کے ساتھ بالخصوص یتیموں اور بیوہ عورتوں کی کفالت، خبر گیری اور ان کے لئے دوڑ دھوپ کرنا نہایت ضروری ہے، مذہب اسلام نے اجروثواب میں جہاد فی سبیل اللہ کے برابر قرار دیکر اس کام کی اہمیت کو کتنا واضح کردیا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله وأحسبه قال: وکالقائم الذی لا یفتر وکالصائم الذی لا یفطر'' متفق علیه.

بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس عبادت کرنے والے کی طرح ہے جو سست نہیں ہوتا اور اس روزے دار کی طرح ہے جو ناغہ نہیں کرتا۔

مذہب اسلام نے معاشرے کے بے سہارا افراد کی امداد اور خیر خواہی کا حق ادا کردیا ہے، الحمدللہ ضلعی جمعیت کی جانب سے حسب وسائل وامکانیات یتیموں اور بیوہ عورتوں کی مکمل کفالت ہورہی ہے۔

۴۔ تعلیمی مظاہرہ کا انعقاد:

مدارس میں تعلیمی بیداری لانے ،طلبہ وطالبات کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور علمی وتربیتی میدان میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کی خاطر ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور کی نگرانی میں ملحقہ مکاتب اسلامیہ کا تعلیمی مظاہرہ منعقد ہوتا ہے۔

(۵) تعلیمی وتربیتی اور ٹیچر ٹریننگ پروگرام منعقد کرنا:

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور اپنی بساط کے مطابق تعلیمی وتربیتی اور ٹیچر ٹریننگ پروگرام منعقد کرتی ہے، ماشاء اللہ اللہ کی توفیق سے ۲۵/نومبر ۲۰۱۸ء کو ضلعی جمعیت نے ایک تعلیمی وتربیتی اور ٹیچر ٹریننگ پروگرام تلسی پور صدر دفتر محلّہ پُروا کے اندر منعقد کیا، جس میں ملک کے نامور علماء کرام اور کہنہ مشق قلمکار ودانشوران ملت نے شرکت کی،اور پورے ضلع کے مکاتب اسلامیہ کے اساتذۂ کرام کو انمول اور گرانقدر نصائح اور قیمتی مشوروں سے نوازا اور کتابوں کے پڑھانے کی ٹریننگ دی۔

(۶) مکاتب اسلامیہ کا تعلیمی جائزہ اور سالانہ امتحان کرانا:

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور بذریعہ آرگنائزر و با صلاحیت متعاونین پورے ضلع کے مکاتب اسلامیہ کا تعلیمی جائزہ اور معائنہ کراتی ہے،اور مقامی جمعیتوں کی تشکیل کراتی ہے،اور امتحان کے موقع پر ممتحنین کرام کا انتظام وانصرام کرکے اپنی نگرانی میں اسلامی مکاتب ومدارس کا امتحان کراتی ہے۔

ضلعی جمعیت ہمیشہ معاشرہ کے اندر مذہب اسلام کی صحیح تشریح کے ساتھ الاعتصام بالکتاب والسنہ کی دعوت دیتی ہے، اللہ کے فضل وکرم سے ضلعی جمعیت کے ہیڈ آفس میں جمعیت کی ایک مستند لائبریری ہے، جس میں لگ بھگ ہر موضوعات پر مشتمل کتابیں موجود

ہیں،عوام وخواص دونوں طبقہ کے لوگ لائبریری سے کتابیں حاصل کر کے مستفید ہوتے ہیں۔

جمعیت میں وسائل اور مالی بحران کے باوجود جہاں مذکورہ کارکردگی انجام پا رہے ہیں، وہیں پر جمعیت کی ایک نہایت عظیم کارکردگی یہ ہے کہ جمعیت ضلع وبیرون ضلع کی مساجد پر خصوصی توجہ رکھتی ہے۔بحمداللہ ضلع کے دو اہل حدیث جامع مسجد جو باطل عقائد کے قبضے میں چلی گئی تھیں، پوری جانفشانی کر کے اسے اپنی تحویل میں لے کر اس کے مؤذن وامام اور خطیب کا مستقل انتظام کیا۔ فللہ الحمد ولہ المنۃ اسی طرح کئی مکاتب اسلامیہ کی منتظمہ کمیٹی میں اختلاف حل کرا کے صلح ومصالحت کرائی وغیرہ وغیرہ۔

ضلعی جمعیت کے کئی اہم مقاصد وعزائم ہیں جو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے تشنۂ تکمیل ہیں:

ضلعی جمعیت کے عزائم ومنصوبے:

۞ ضلعی جمعیت کی جامع مسجد کے بالائی حصہ پر دومنزلہ تعمیر کرانا۔

۞ مدرسہ ریاض الاسلام کے بالائی منزل پر ایک شایان شان لائبریری، مفت دواخانہ کا قیام۔

۞ ضلعی جمعیت کے زیر نگرانی مدرسہ میں شعبۂ حفظ اور عربی درجات کا اضافہ کرنا۔

۞ باتنخواہ مبلغین کے ذریعہ گاؤں گاؤں دعوت وتبلیغ کا انتظام کرنا۔

۞ دعوت وتبلیغ میں سہولت کے لئے مستقل ٹرانسپورٹ (فورویلر گاڑی) کا مہیا کرنا۔

۞ مساجد میں درس قرآن وحدیث کے لئے معتمد اردو تفاسیر وکتب احادیث اور دیگر اہم اسلامی کتابوں کی فراہمی۔

۞ ریلیف فنڈ قائم کرنا تاکہ ضلعی جمعیت مصیبت زدہ اور ضرورت مندوں کی مالی ومعنوی تعاون کر سکے۔

۞ سالانہ دینی کانفرنس کا انعقاد کرنا۔

اللہ تعالیٰ ضلعی جمعیت کی حفاظت فرمائے اور مادی ومعنوی طریقوں سے امداد کے وسائل فراہم کرے، اور سبھوں کو اخلاص کے ساتھ بیشتر دین حنیف کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔

زبیر احمد عبد المعبود المدنی

ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

۱۰/جون ۲۰۲۱ء بروز جمعرات

۞۞۞

موجودہ اسماء اراکین عاملہ وشوریٰ
ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

نمبر شمار	اسماء اراکین عاملہ وشوریٰ	پتہ	عہدہ
۱	جناب ڈاکٹر انیس احمد خاں	گینسڑی	سرپرست
۲	جناب مولانا صلاح الدین مقبول المدنی	اونرہوا	امیر جماعت
۳	جناب مولانا عبدالرحمٰن جلیلی المدنی	کنڈؤ	نائب امیر
۴	جناب مولانا خلیل احمد یوسفی بھٹہ والے	لدھوری	نائب امیر
۵	جناب مولانا زبیر احمد عبدالمعبود المدنی	تلسی پور	ناظم اعلیٰ
۶	جناب مولانا عبیدالرحمٰن سلفی	موتی پور	نائب ناظم
۷	جناب مولانا ثناءاللہ سلفی	گنوریا	نائب ناظم
۸	جناب حاجی صلاح الدین خاں نچوری	تلسی پور	خازن
۹	جناب عقیل احمد خاں	تلسی پور	محاسب
۱۰	جناب مولانا عبدالروٴف خاں ندوی	تلسی پور	رکن
۱۱	جناب ڈاکٹر نوراللہ اثری	گلرہا	رکن
۱۲	جناب ڈاکٹر نسیم احمد خاں	گینسڑی	رکن
۱۳	جناب مولانا اشتیاق احمد مدنی	گورابھاری	رکن
۱۴	جناب مولانا صغیر احمد سراجی	ہرہٹہ	رکن

۱۵	جناب ڈاکٹر زبیر احمد خاں	بلرامپور	رکن
۱۶	جناب مولانا حبیب الرحمٰن سلفی	شنکرنگر	رکن
۱۷	جناب مولانا عطاء الرحمٰن مدنی	ہرہٹہ	رکن
۱۸	جناب مولانا عزیز الدین سنابلی	اونرہوا	رکن
۱۹	جناب مولانا شمیم احمد عبدالحلیم مدنی	ممبئی	رکن
۲۰	جناب مولانا معین احمد ندوی	سنجھول	رکن
۲۱	جناب مولانا انعام اللہ سلفی	چیونٹھوا	رکن
۲۲	جناب مولانا عطاء اللہ سلفی	منکاپور	رکن
۲۳	جناب مولانا جمال احمد اثری	رنیاپور	رکن
۲۴	جناب نورالحسن اقبال خاں	تلسی پور	رکن
۲۵	جناب ڈاکٹر عبدالرشید سلفی	شنکرنگر	رکن
۲۶	جناب مولانا عبدالتواب عمری	اونرہوا	رکن
۲۷	جناب زبیر احمد خاں	ہرہٹہ	رکن
۲۸	جناب مولانا قطب اللہ اثری	پرسا (مہوا)	رکن
۲۹	جناب مولانا عبدالقیوم ندوی	کھیرا	رکن
۳۰	جناب حاجی سعود احمد صاحب	دیالی پور	رکن
۳۱	جناب مولانا معروف احمد سراجی	بدل پور	رکن
۳۲	جناب باب اللہ صاحب	چھیتر پارہ	رکن

۴۳	جناب مولانا شوکت علی قاسمی	اترولہ	رکن
۳۴	جناب مولانا منصور احمد مدنی	تلسی پور	رکن
۳۵	جناب مولانا عبداللطیف سلفی	گڑرہیا	رکن
۳۶	جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب فیضی	ادئی پور	رکن
۳۷	جناب مولانا صلاح الدین ضیاء اللہ مدنی	ادئی پور	رکن
۳۸	جناب مولانا پرویز عالم مدنی	پرسا	رکن
۳۹	جناب مولانا سہیل اختر عالیاوی	بھیکم پور	رکن
۴۰	جناب عبدالرب صاحب	شیکھر پور	رکن
۴۱	جناب مولانا ارشاد احمد سلفی	بھنوریا	رکن
۴۲	جناب مولانا ضیاء الرحمٰن خاں	ہرہٹہ	رکن
۴۳	جناب قاری محمد اقبال عثمانی	گلرہا	رکن
۴۴	جناب مولانا محمد شارق سلفی	تلسی پور	رکن
۴۵	جناب فضل الرحمٰن عرف شاہد بابو	گینسڑی	رکن
۴۶	جناب حاجی امر اللہ صاحب	جموریا	رکن
۴۷	جناب حافظ محمد اکرم ندوی ہرہٹہ	لکھنؤ	رکن
۴۸	جناب مولانا نور الحسن مدنی	بھلوہیا	رکن
۴۹	جناب مولانا احسان الہدیٰ سلفی	بلرام پور	رکن
۵۰	جناب مولانا محمد اسحاق سراجی	رنیاپور	رکن

۵۱	جناب ماسٹر عبدالعظیم خاں	دیالی پور	رکن
۵۲	جناب مولانا عبداللہ سلفی	اونرہوا	رکن
۵۳	جناب حاجی حفظ الرحمٰن صاحب	تلسی پور	رکن
۵۴	جناب رضوان احمد خاں صاحب	تلسی پور	رکن
۵۵	جناب مولانا محمد الیاس سلفی	ہرہٹہ	رکن
۵۶	جناب ماسٹر سکندر اعظم	سکھرام پور	رکن
۵۷	جناب مولانا ابوالکلام عالیاوی	جمائی ڈیہہ	رکن
۵۸	جناب مولانا رحم اللہ اثری	ظالم گاؤں	رکن
۵۹	جناب مولانا محمد جعفر سلفی	رتن پور	رکن
۶۰	جناب محمد سلیم کلاتھ ہاؤس	تلسی پور	رکن
۶۱	جناب حاجی منشی ابورحمت صاحب	تلسی پور	رکن
۶۲	جناب خلیق احمد خاں	تلسی پور	رکن
۶۳	جناب مولانا عبداللہ خاں سراجی	دیالی پور	رکن
۶۴	جناب مولانا عبدالمعین عبدالوہاب مدنی	بنکٹوا	رکن
۶۵	جناب مولانا شکیل احمد سنابلی	دیینہ نگر	رکن
۶۶	جناب مولانا عبدالعزیز سلفی	شنکر نگر	رکن
۶۷	جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالسلام مدنی	سعداللہ نگر	رکن
۶۸	جناب ڈاکٹر محبوب الحق صدیقی	سعداللہ نگر	رکن

۶۹	جناب مولانا جمال احمد سلفی	گینسڑی	رکن
۷۰	جناب شمیم اختر خاں	سکھوئیا	رکن
۷۱	جناب ایڈوکیٹ شفیق اختر خانصاحب	بنکٹوا	رکن
۷۲	جناب مولانا عبدالرحیم محمدی	بھکچیا	رکن
۷۳	جناب حافظ عبیدالرحمٰن شاہد سلفی	دھرم پور	رکن
۷۴	جناب حافظ محمد خالد فیضی	شنکرنگر	رکن
۷۵	جناب مولانا عبدالحسیب سلفی	دھرم پور	رکن
۷۶	جناب سعود احمد خاں	جیتاپور	رکن
۷۷	جناب ماسٹر ملک شمیم صاحب	پرینا	رکن
۷۸	جناب مولانا محمد ظفر محمدی	تلسی پور	رکن
۷۹	جناب مولانا عبداللہ فیضی	رجواپور	رکن
۸۰	جناب مولانا عبیدالرحمٰن سلفی (میڈیکل)	تلسی پور	رکن
۸۱	جناب مولانا عبیدالرحمٰن ثناءاللہ ریاضی	تلسی پور	رکن
۸۲	جناب ڈاکٹر محمد علیم صاحب	تلسی پور	رکن
۸۳	جناب مولانا عبدالعزیز سلفی	پرسونہ	رکن
۸۴	جناب شفیق الرحمٰن عبدالوہاب اثری	نوڈھوا	رکن
۸۵	جناب محمد جبرئیل صاحب	اونرہوا	رکن

موجودہ اسماء اراکین عاملہ وشوریٰ مدرسہ ریاض الاسلام

(پوروہ تلسی پور)

(زیرنگرانی ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور)

نمبرشمار	اسماءاراکین وعاملہ وشوریٰ	عہدہ
۱	جناب مولانا صلاح الدین مقبول المدنی	سرپرست
۲	جناب مولانا عبدالرؤف خاں ندوی	صدر
۳	جناب الحاج صلاح الدین خانصاحب	نائب صدر
۴	جناب عقیل احمد خاں صاحب	ناظم اعلیٰ
۵	جناب ایڈوکیٹ اشتیاق احمد خاں صاحب	نائب ناظم
۶	جناب خلیق احمد خاں صاحب	خازن مدرسہ
۷	جناب طفیل احمد خاں صاحب	خازن مدرسہ
۸	جناب ڈاکٹر محمد ادریس خاں صاحب	محاسب
۹	جناب نورالحسن خاں صاحب	محاسب
۱۰	جناب محمد سلیم صاحب	محاسب
۱۱	جناب ڈاکٹر افروز طالب صاحب	ناظم تعلیمات

۱۲	جناب مولانا عبید الرحمٰن سلفی (میڈیکل)	ناظم تعلیمات
۱۳	جناب مولانا معین احمد ندوی	ناظم تعلیمات
۱۴	جناب محمد ابراہیم خاں صاحب تلسی پور	رکن
۱۵	جناب عبد اللہ عبد المغنی خاں صاحب سنجھول	رکن
۱۶	جناب منظور احمد صاحب پروا	رکن
۱۷	جناب شفیق احمد حبیب اللہ خاں صاحب پروا	رکن
۱۸	جناب عبد الرحمٰن سمیع اللہ صاحب پروا	رکن
۱۹	جناب اسرار احمد شفیع اللہ خاں صاحب پروا	رکن
۲۰	جناب ارشد کمال ڈاکٹر بن خاں صاحب اٹوا چوراہا	رکن
۲۱	جناب محمد وسیم رحمت اللہ صاحب پروا	رکن
۲۲	جناب عبد القدیر عبد الرحیم خاں صاحب پروا	رکن
۲۳	جناب انیس احمد بسم اللہ خاں صاحب پروا	رکن

موجودہ نظماء حلقۂ جات ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور آٹھ حلقوں میں منقسم ہے، ہر حلقہ کے ناظم متعین ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	حلقۂ جات	نظماء حلقۂ جات
۱	حلقۂ تلسی پور	مولانا صغیر احمد عبد الغنی سراجی
۲	حلقۂ کوّاپور	ڈاکٹر نور اللہ اثری
۳	حلقۂ بالاپور	مولانا جمال احمد اثری
۴	حلقۂ گینسڑی	مولانا قطب اللہ اثری پرسا مولانا پرویز عالم عبد الحلیم مدنی
۵	حلقۂ پچپڑوا	مولانا عطاء اللہ سلفی
۶	حلقۂ بلرام پور	مولانا حبیب الرحمٰن سلفی
۷	حلقۂ اترولہ	مولانا شوکت علی قاسمی
۸	حلقۂ سعد اللہ نگر	مولانا عبد الوکیل عبد الکریم مدنی

اسماء مدارس ومکاتب ملحقہ

ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

نمبر شمار	اسماء مدارس ومکاتب مع پتہ	موجودہ نظماء مدارس
۱	جامعہ سراج العلوم، کنڈ وبونڈھیار سکھوئیا ضلع بلرام پور یوپی	مولانا احسان اللہ خاں ممبئی
۲	الکلیۃ الاسلامیۃ معہد الزہراء الاسلامی جرواروڈ تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی	وسیم احمد خاں
۳	جامعہ قاسم العلوم گلرہا، بدل پور ضلع بلرام پور یوپی	محمد مصطفیٰ خاں
۴	جامعہ محمدیہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر، ضلع بلرام پور یوپی	عبداللہ متولی
۵	مدرسہ محمدیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی شنکر نگر ضلع بلرام پور یوپی	انیس الرحمٰن
۶	کلیۃ البنات المحمدیہ شنکر نگر، ضلع بلرام پور یوپی	شریف احمد
۷	المعہد العلمی للبنات جوڑی کوئیاں پچپڑوا، ضلع بلرام پور یوپی	عطاء اللہ سلفی
۸	مدرسہ ریاض الاسلام بھیکم پور شنکر نگر، ضلع بلرام پور یوپی	جمیل احمد اثری
۹	مدرسہ سراج العلوم شیکھر پور، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالجواد

۱۰	مرکز النجاح بالا پور، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالکریم خاں
۱۱	جامعہ دارالہدیٰ، گڑرہیا اٹئی رام پور، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	اکبر علی
۱۲	جامعۃ البنات الصالحات تلسی پور ضلع بلرامپور یوپی	ڈاکٹر سالم مسعود
۱۳	مدرسہ محمدیہ پاٹیشوری نگر کواپور، ضلع بلرام پور یوپی	سراج الدین
۱۴	کلیۃ خدیجۃ الکبریٰ گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	صلاح الدین خاں
۱۵	معہد السنۃ گینسڑی، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالرب ریاضی
۱۶	مدرسہ نور الہدیٰ اونرہوا، دھوائی ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر عبدالواحد
۱۷	جامعہ معہد الصالحات اونرہوا، دھوائی ضلع بلرام پور یوپی	عزیز الدین سنابلی
۱۸	مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات اونرہوا، دھوائی ضلع بلرام پور یوپی	عبدالعلیم مدنی
۱۹	فوزان پبلک اسکول جرواروڈ، تلسی پور، ضلع بلرام پور یوپی	محمد اسلم خاں

۲۰	مدرسہ دار الکتاب والسنۃ گنیش پور اونر ہوا، دھوائی ضلع بلرام پور یوپی	عبدالرحمٰن عمری
۲۱	جامعہ اصلاح البنات منگر ہوا، ترلوک پور ضلع بلرام پور یوپی	حاجی اختر حسین
۲۲	مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم، جیتا پور چوراہا، ضلع بلرام پور یوپی	سعود احمد سلفی
۲۳	مدرسہ رحمانیہ بجوا کلاں، ترلوک پور ضلع بلرام پور یوپی	حاجی کلیم اللہ
۲۴	مدرسہ اقرأ اسلامیہ سکھوئیا، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	نور الدین مدنی
۲۵	جامعہ اسلامیہ نور العلوم کھرہنہ، نوڈ ہوا، سعد اللہ نگر ضلع بلرام پور	عبدالصمد سلفی
۲۶	کلیہ عائشہ صدیقہ للبنات سعد اللہ نگر ضلع بلرام پور یوپی	محمد اسلم سراجی
۲۷	معہد الامام الشاطبیؒ تعلیم آباد اچل پور چودھری، سعد اللہ نگر ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر عبدالرحمٰن مدنی
۲۸	جامعہ ریاض الصالحات دینہ نگر، گلرہا حسام پور ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر نصیر احمد
۲۹	مدرسہ نور العلوم بنکٹوا کلاں، نیکیناں ضلع بلرامپور یوپی	شفیق اختر ایڈوکیٹ

۳۰	کلیہ حمیراء اسلامیہ رتن پور چوراہا، وجے نگر، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	محمد جعفر سلفی
۳۱	مدرسہ فضل رحمانیہ لچھمی نگر، شنکر پور ضلع بلرام پور یوپی	شاداب رفیع خاں
۳۲	مدرسہ عربیہ زینت العلوم سمرہن کلاں، مجھنی ضلع بلرام پور یوپی	پردھان حبیب اللہ
۳۳	مدرسہ فاطمہ للبنات رجواپور، مجھنی ضلع بلرام پور یوپی	نسیم اختر سلفی
۳۴	مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ، گدراتلسی پور، ضلع بلرام پور یوپی	زبیر احمد عبدالمعبود المدنی
۳۵	مدرسہ ریاض العلوم دینہ نگر، گلرہا حسام پور، ضلع بلرام پور یوپی	شکیل احمد سنابلی
۳۶	مدرسہ عربیہ دار العلوم محمدیہ بھولہیا، گلرہا حسام پور ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر تعلقدار
۳۷	مدرسہ انوار العلوم اہل حدیث اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	مولانا احسان اللہ خاں
۳۸	مدرسہ مصباح العلوم چین پور، نول گڈھ ضلع بلرام پور یوپی	پردھان عبدالغفور خاں
۳۹	مدرسہ الہدیٰ مصطفیٰ نگر، جنک پور ضلع بلرام پور یوپی	اسرار احمد خاں

۴۰	انجمن محمدیہ دارالقرآن والحدیث رجسٹرڈ، تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر محمد غالب
۴۱	مدرسہ اظہر العلوم اُدئی پور، بدل پور، ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر شمیم احمد
۴۲	مدرسہ انوار العلوم بدل پور، ضلع بلرام پور یوپی	انیس احمد خاں
۴۳	مدرسہ سراج العلوم ڈاکٹر مجیب چوراہا، ہریا ضلع بلرام پور یوپی	حاجی عبدالحلیم خاں
۴۴	مدرسہ عائشہ ومولیٰ میموریل پبلک اسکول گلرہا، بدل پور ضلع بلرام پور یوپی	عبدالمعید پردھان
۴۵	مدرسہ دارالسلام للبنات گلرہا، بدل پور، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالسلام سراجی
۴۶	مدرسہ مصباح العلوم ظالم گاؤں، کواپور ضلع بلرام پور یوپی	شمس الدین
۴۷	مدرسہ انوارِ محمدی دیالی پور، گدرا ضلع بلرام پور یوپی	حاجی مسعود عالم
۴۸	توحید پبلک اسکول پریم نگر کھیری چوراہا، ضلع بلرام پور یوپی	ضیاء الرحمٰن نذیری
۴۹	مدرسہ مصباح العلوم سکھرام پور، تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر سکندر اعظم

۵۰	جامعہ اسلامیہ سلفیہ نہر بالا گنج، ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر عبدالرشید سلفی
۵۱	مدرسہ محمدی دیالی پور، گدرا ضلع بلرام پور یوپی	عبدالقدیر خاں
۵۲	مدرسہ دارالعلوم کروندہ پورہ، موتی پور، شیو پورہ بازار ضلع بلرام پور یوپی	عظمت اللہ
۵۳	مدرسہ عربیہ شمس العلوم بہادر پور، گگولی، تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی	محمد احمد خاں
۵۴	مدرسہ عربیہ دارالقرآن والحدیث السّلفیہ فتح نگر، گگولی رضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر محمد مسلم
۵۵	مدرسہ مصباح العلوم گنوریا مجگواں، محمود نگر ضلع بلرام پور یوپی	رئیس احمد
۵۶	مدرسہ زینب للبنات وسراج میموریل پبلک اسکول محمود نگر گگولی رضلع بلرام پور یوپی	سراج احمد سراجی
۵۷	مدرسہ محمدیہ رمنگرہ کلاں، کواپور رضلع بلرام پور یوپی	منصور احمد
۵۸	مدرسہ اظہر العلوم جے نگرہ پچھمؔ کواپور رضلع بلرام پور یوپی	پرویز عالم
۵۹	مدرسہ دارالہدیٰ کواپور رضلع بلرام پور یوپی	فیروز اختر سلفی
۶۰	مدرسہ کنز العلوم لکھوری مجگواں، محمود نگر ضلع بلرام پور یوپی	جاوید احمد

٦١	مدرسہ ریاض العلوم حاجی پوروہ، گگولی، ہریا ضلع بلرام پور یوپی	حاجی حسن محمد
٦٢	مدرسہ بحرالعلوم گوپال پور،مجگواں، ہریا ضلع بلرام پور یوپی	محمد عمر
٦٣	مدرسہ التوحید،تکیہ، بدل پور ضلع بلرام پور یوپی	قاری محمد اقبال عثمانی
٦٤	مدرسہ ریاض العلوم پریم نگر،کھیری چوراہا، لال نگر سپہیا، ضلع بلرام پور یوپی	محمد حسین محمدی
٦٥	مدرسہ الحراء الاسلامیہ رُڈّ رپور، بدل پور ضلع بلرام پور یوپی	ذاکر حسین
٦٦	مدرسہ یاض العلوم کھری، بدل پور ضلع بلرام پور یوپی	رفیق احمد
٦٧	مدرسہ بحرالعلوم بھونیاپور، نیکنیاں ضلع بلرام پور یوپی	عبداللطیف
٦٨	مدرسہ ضیاء العلوم بنھونی، نیکنیاں ضلع بلرام پور یوپی	محمد عارف
٦٩	مدرسہ مصباح العلوم موتی پور، بھگوان پور ضلع بلرام پور یوپی	ابرار احمد
٧٠	مدرسہ ریاض الاسلام محلّہ پُرواہ، نئی بازار ڈتلسی پور، ضلع بلرام پور یوپی	عقیل احمد خاں
٧١	مدرسہ دارالتوحید رام پور بھاری، مجھنی، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالخالق

۷۲	مدرسہ جامعۃ القرآن محمودنگر، گگولی، ہرّیا ضلع بلرام پور یوپی	شکیل احمد عثمانی
۷۳	مدرسہ نورالعلوم بھگوان پور، ضلع بلرام پور یوپی	حقیق اللہ
۷۴	مدرسہ بحرالعلوم جیوڑیہہ، بھگوان پور ضلع بلرام پور یوپی	چودھری شمیم احمد
۷۵	مدرسہ دولت العلوم سمری، بھگوان پور ضلع بلرام پور یوپی	تفضّل حسین
۷۶	مدرسہ سلفیہ، سمری، بھگوان پور ضلع بلرام پور یوپی	پردھان عبدالرحیم
۷۷	مدرسہ سلفیہ اہل حدیث بالاپور، جرواضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر عبدالمبین
۷۸	مدرسہ محمدیہ للبنات رنیاپور، جرواضلع بلرام پور یوپی	محمد ہاشم خاں
۷۹	مدرسہ ریاض العلوم، رنیاپور، جروا، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالمعبود
۸۰	مدرسہ زینت العلوم پرس پور کروندہ، نیکنیاں، ضلع بلرام پور یوپی	محمد نسیم
۸۱	مدرسہ فیض العلوم پرینا، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر انیس احمد
۸۲	مدرسہ رحمانیہ لدھوری، رنیاپور ضلع بلرام پور یوپی	علاءالدین خاں
۸۳	مدرسہ مصباح العلوم ہلورا، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	رحم اللہ
۸۴	مدرسہ منہاج التعلیم، مہادیو، رمواپور جروا، ضلع بلرام پور یوپی	محمد یوسف اصلاحی
۸۵	مدرسہ تعلیم الاسلام للوا، کھجوریاضلع بلرام پور یوپی	عبدالعظیم

۸۶	مدرسہ فیض العلوم تھرولی، ٹھکراپور ضلع بلرام پور یوپی	سہیل احمد
۸۷	مدرسہ ابی ابن کعب ٹھکراپور، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	شبیر احمد
۸۸	مدرسہ شمس العلوم بھوج پور تھارو، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	محمد آصف
۸۹	مدرسہ ریاض العلوم جمدھرا، بھوج پور تھارو، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	حقیق اللہ
۹۰	مدرسہ ذاکر حسین مسلم مانٹیسری اسکول بسکوہر روڈ، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	محمود الحق
۹۱	مدرسہ فیض العلوم گینسڑی بازار، ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر نسیم احمد خاں
۹۲	مدرسہ فیض العلوم گینسڑی بازار، ضلع بلرام پور یوپی	عبد الحمید
۹۳	مدرسہ اسلامیہ رہبر ملت چے پُروا، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	اصغر علی
۹۴	مدرسہ منارۃ التوحید کھمریا، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	محمد افضال
۹۵	مدرسہ نور الاسلام بھکچھیا، بلہا ضلع بلرام پور یوپی	عبد الوحید
۹۶	مدرسہ مخزن العلوم سانتھی کلاں، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	اسرار الحق
۹۷	مدرسہ انوار العلوم سانتھی کلاں، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر اظہار الحق

۹۸	مدرسۃ التوحید موہن پور، گدرا ضلع بلرام پور یوپی	منصور احمد مدنی
۹۹	مدرسہ نوالاسلام لچھن پور، تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی	محمد فاروق
۱۰۰	مدرسہ عالیہ نوالاسلام متی ڈیہہ، گدرا ضلع بلرام پور یوپی	عبدالسلام
۱۰۱	جامعہ شاکرہ اسلامیہ احد باغ متصل دیناڈیہہ، گدرا ضلع بلرام پور یوپی	عبدالمجید عرف نہال
۱۰۲	مدرسہ دارالقرآن والسنۃ شنکر پور، رانی جوت، ضلع بلرام پور یوپی	سراج الدین
۱۰۳	مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن دھوکرا، لوکہوا ضلع بلرام پور یوپی	شکیل احمد
۱۰۴	مدرسہ محمدیہ اہل حدیث پر اہنکٹ گینڈاس بزرگ، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	شوکت علی
۱۰۵	مدرسہ محبوب العلوم رگھوڈیہہ، تکیہ، گلر ہا گھاٹ ضلع بلرام پور یوپی	عبدالرحیم
۱۰۶	مدرسہ ناصر العلوم کھیرہوا، پچھمی نگر ضلع بلرام پور یوپی	رئیس احمد
۱۰۷	مدرسہ محمدیہ اہل حدیث کٹوہاں، پچھمی نگر ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر عبدالخالق
۱۰۸	مدرسہ دارالتعلیم چمن بھوجیا، پچھمی نگر ضلع بلرام پور یوپی	محمد حنیف
۱۰۹	مدرسہ کنز العلوم نچوری، پچھمی نگر ضلع بلرام پور یوپی	فصیح الدین خاں
۱۱۰	مدرسہ رحمانیہ سنجھول،، سون پور ضلع بلرام پور یوپی	اسحاق احمد

۱۱۱	مدرسہ ہدایت الاسلام مولیٰ ڈیہہ، جھندریہ ضلع بلرام پور یوپی	عبدالمعبود
۱۱۲	مدرسہ ناصر العلوم اسلام پور، نپل ڈیہہ ضلع بلرام پور یوپی	حاجی محمد ابراہیم
۱۱۳	مدرسہ ہدایت العلوم جھوّوا، کٹروا ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر عبدالرحمٰن
۱۱۴	مدرسہ خادم الاسلام منکی بگہیا مسلم ڈیہہ، جھندریا ضلع بلرام پور یوپی	نصیب اللہ
۱۱۵	مدرسہ نور العلوم سنگھ موہانی، گینسڑی بازار ضلع بلرام پور یوپی	محمد مستقیم
۱۱۶	مدرسہ اظہر العلوم پرسا، راج پور بکولی ضلع بلرام پور یوپی	محمد مسلم
۱۱۷	مدرسہ ضیاء العلوم بھنوریا، منکا پور ضلع بلرام پور یوپی	ارشاد احمد سلفی
۱۱۸	مدرسہ انجمن رحمانیہ جھندریا ضلع بلرام پور یوپی	صبوخاں
۱۱۹	مدرسہ بیت العلوم جموریا، بلہسا ضلع بلرام پور یوپی	حاجی عبدالتواب
۱۲۰	مدرسہ انوار العلوم لالہ جوت، کرڑی ضلع بلرام پور یوپی	محمد ایوب
۱۲۱	مدرسہ محمدیہ عربیہ چیونٹہوا، وجے نگر ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر علیم الحق
۱۲۲	مدرسہ انوار العلوم منکا پور، گینسڑی ضلع بلرام پور یوپی	حاجی عبدالقیوم
۱۲۳	مدرسہ اسلامیہ محمدیہ سنگرام پور، مان پور ضلع بلرام پور یوپی	مولانا عبدالوکیل

۱۲۴	مدرسہ دارالسلام السّلفیہ برگدواسیف، پچپڑوا، ضلع بلرام پور یوپی	محمد احمد
۱۲۵	مدرسہ فیض عام بجواکلاں، ترلوک پور ضلع بلرام پور یوپی	محمد یعقوب
۱۲۶	مدرسہ انوار العلوم بجواخورد، ترلوک پور ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر وسیم احمد
۱۲۷	مدرسہ دار العلوم کٹیا بھاری، پچپڑوا، ضلع بلرام پور یوپی	اسرار الحق
۱۲۸	مدرسہ نظام العلوم گورابھاری، کٹیا بھاری ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر اشتیاق احمد خاں
۱۲۹	مدرسہ دارالسلام دھنکر پور، بھگوان پور کھادر ضلع بلرام پور یوپی	عبد السمیع
۱۳۰	الجامعۃ الاسلامیہ فیض اللطیف کچھی نگر، شنکر پور ضلع بلرام پور یوپی	محمد ابراہیم
۱۳۱	مدرسہ ابوبکر صدیق پیکی، بڑھوا، پچپڑوا، ضلع بلرام پور یوپی	انوار احمد اثری
۱۳۲	مدرسہ نور الاسلام سکھاڈیہہ، ترلوک پور ضلع بلرام پور یوپی	ہلال احمد
۱۳۳	مدرسہ فیض العلوم ترلوک پور، دھوبہا ضلع بلرام پور یوپی	محمد حبیب
۱۳۴	مدرسہ عین العلوم حاجی ڈیہہ، دھوبہا ضلع بلرام پور یوپی	محمد اسلام
۱۳۵	مدرسہ اقصیٰ پبلک اسکول جیتا پور ضلع بلرام پور یوپی	سعود احمد سلفی
۱۳۶	مدرسہ تائید الاسلام السّلفیہ جیتا پور، ضلع بلرام پور یوپی	عیش محمد
۱۳۷	مدرسہ خیر العلوم السّلفیہ بھن پوروا، علی پور، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	محمد نفیس

۱۳۸	مدرسہ دار العلوم عباسیہ نوبستہ، مڑلا ضلع بلرام پور یوپی	حاجی عبد الرقیب
۱۳۹	مدرسہ انوار العلوم امرہوا، مجھنی ضلع بلرام پور یوپی	کرامت اللہ
۱۴۰	مدرسہ اصلاح العلوم دھرم پور، کھجوریہ ضلع بلرام پور یوپی	اکرام الدین
۱۴۱	مدرسہ اصلاح المسلمین مجگواں، جروا ضلع بلرام پور یوپی	محمد رئیس
۱۴۲	مدرسہ مفتاح العلوم لکھاہی، گگولی، ہرّ یا بازار ضلع بلرام پور یوپی	عبد الکریم عرف پپو
۱۴۳	مدرسہ خیر العلوم برایل، علی پور، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	فضل الرحمٰن سلفی
۱۴۴	مدرسہ اسلامیہ غفاریہ مڑلا، گوراچوراہا ضلع بلرام پور یوپی	کمال الدین
۱۴۵	مرکز علی بن حسن التعلیمی والخیری الف جوت، منصفی کورٹ، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	بدیع الزماں سراجی
۱۴۶	مدرسہ فیض العلوم، اللہ نگر، چھیتر پارہ، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	باب اللہ خاں
۱۴۷	مدرسہ مصباح العلوم کنڈؤ، سکھوئیا ضلع بلرام پور یوپی	عبد الرحمٰن جلیلی مدنی
۱۴۸	مدرسہ ضیاء العلوم سکھوئیا، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر فہیم احمد
۱۴۹	مدرسہ تعلیم الاسلام طیب پور، پرسونہ، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	ڈاکٹر عثمان
۱۵۰	مدرسہ نصرۃ الاسلام طیب پور ، پرسونہ اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	اعجاز احمد

۱۵۱	مدرسہ انوار العلوم رسول آباد، سکھوئیا، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	انوار اللہ خاں
۱۵۲	مدرسہ محمدیہ اہل حدیث پران پور، ہاشم پارہ، اترولہ ضلع بلرام پور یوپی	کفایت اللہ
۱۵۳	مدرسہ سلفیہ تعلیم الاسلام اہرولہ نگوا، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	جمال احمد
۱۵۴	مدرسہ نور الہدیٰ انئی ڈیہہ اٹئی رام پور، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	محمد اختر
۱۵۵	مدرسہ الفصۃ المحمدیہ سلارو ڈیہہ، اٹئی رام پور، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	شبیر احمد سلفی
۱۵۶	مدرسہ تعلیم القرآن نبی نگر، حسین آباد، اترولہ، ضلع بلرام پور یوپی	عبد القادر
۱۵۷	مدرسہ انجمن محمدی عائشہ پیرا گرانٹ، بنکٹوا، سعد اللہ نگر، ضلع بلرام پور یوپی	عبد المعروف
۱۵۸	مدرسہ انجمن محمدی پیرا گرانٹ، بنکٹوا، سعد اللہ نگر، ضلع بلرام پور یوپی	ماسٹر کفایت اللہ
۱۵۹	مدرسہ دار السلام اوبری ڈیہہ، سعد اللہ نگر ضلع بلرام پور یوپی	محمد اختر

۱۶۰	مدرسہ مفتاح العلوم باباگنج، اوبری ڈیہہ، سعداللہ نگر ضلع بلرام پور یوپی	محمد جابر
۱۶۱	مدرسہ انوارالاسلام املیا، بھنگہا کلاں، ہرّیا، ضلع بلرام پور یوپی	اطیع اللہ
۱۶۲	مدرسہ مصعب بن عمیر شیو پور، بھگوان پور، ضلع بلرام پور یوپی	عبدالأحد فیضی
۱۶۳	مدرسہ زیب النساء پبلک جونیر گرلس ہائی اسکول، سنگرام پور، مان پور، ضلع بلرام پور یوپی	محمد اقبال عمری

نصاب تعلیم

(برائے مکاتب ملحقہ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور)

درجہ طفلاں (الف)		
نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	حروف شناسی (عربی)	قاعدہ عربی پلاسٹک
(۲)	حروف شناسی (اردو)	ہماری کتاب قاعدہ
(۳)	نقل (تحریری مشق)	تختی اور قلم کی مدد سے
(۴)	دعاء و اسلامی آداب	شہادتین اور چند چھوٹی دعاؤں کا حفظ مثلا (بسم اللہ، الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر وغیرہ)
(۵)	حساب	۱ر سے ۱۰۰ر تک گنتی یاد کرنا اور لکھنا
(۶)	حروف شناسی (انگلش)	Simple Picture Book
(۷)	حروف شناسی (ہندی)	अक्षर ज्ञान
(۸)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ طفلاں (ب)

نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	یسرنا القرآن بڑی تختی نصف اول
(۲)	اردو	ہماری کتاب قاعدہ
(۳)	نقل	حروف کی ملاوٹ
(۴)	دعاءواسلامی آداب	اعادۂ شہادتین، سورہ فاتحہ کا حفظ، سلام کا طریقہ، بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے، سونے اور جاگنے، کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا کا حفظ
(۵)	حساب	اعادۂ گنتی اور ۵ رتک پہاڑہ یاد کرنا
(۶)	انگلش	Simple A.B.C. Primer
(۷)	ہندی	शब्द ज्ञान
(۸)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ اول

نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	یسرنا القرآن بڑی تختی مکمل
(۲)	اردو	ہماری کتاب حصہ اول
(۳)	نقل واملاء	مقررہ کتاب سے
(۴)	دعاء واسلامی آداب	عمر کے مناسب چھوٹی اور آسان دعاؤں کا حفظ
(۵)	حساب	प्रारम्भिक गणित भाग ०
(۶)	انگلش	Simple -1
(۷)	ہندی	हमारी पोथी प्राइमर निस्फ अव्वल
(۸)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ دوم

نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	عم پارہ مع حفظ الماعون تا الناس
(۲)	اردو	ہماری کتاب حصہ دوم
(۳)	نقل واملاء	مقررہ کتاب سے

(۴)	دینیات	چمن اسلام حصہ اول
(۵)	حساب	प्रारम्भिक गणित भाग 1
(۶)	ہندی	हमारी पोथी प्राइमर निस्फ आखिर
(۷)	انگلش	Simple -2
(۸)	دعاءوآداب	منتخبات دعائیں
(۹)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ سوم

نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	الم تا قال الملأ مکمل حفظ القدر تا الماعون
(۲)	اردو	ہماری کتاب حصہ سوم
(۳)	نقل واملاء	مقررہ کتاب سے
(۴)	دینیات	چمن اسلام حصہ دوم
(۵)	جغرافیہ	اصلاحات جغرافیہ
(۶)	سائنس	معلومات عامہ حصہ اول یا سرکاری نصاب کے مطابق

(۷)	حساب	प्रारम्भिक गणित भाग 2
(۸)	ہندی	हमारी पोथी भाग 1
(۹)	انگلش	Simple -3
(۱۰)	دعاءوآداب	مقبول دعائیں یا نمازنبوی ﷺ
(۱۱)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ چہارم

نمبرشمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	دسویں پارہ سے ۲۵/ پارہ تک مع حفظ الغاشیۃ تاالقدر
(۲)	اردو	ہماری کتاب حصہ چہارم
(۳)	نقل واملاء	مقررہ کتاب سے
(۴)	دینیات	چمن اسلام حصہ سوم
(۵)	جغرافیہ	جغرافیہ ضلع بلرام پور
(۶)	سائنس	سرکاری نصاب کے مطابق
(۷)	حساب	प्रारम्भिक गणित भाग 3

(۸)	ہندی	हमारी पोथी भाग २
(۹)	انگلش	Simple -4
(۱۰)	دعاءوآداب	نماز کی دعاؤں کا حفظ مع عملی مشق (نماز نبوی ﷺ)
(۱۱)	کھیل کود	عمر کے مناسب

درجہ پنجم

نمبر شمار	مضامین	مقررہ کتابیں
(۱)	عربی	۲۵/ پارہ سے ختم قرآن مع دور مکمل نیز حفظ پارہ عم نصف اول بترتیب مصحف
(۲)	اردو	ہماری کتاب حصہ پنجم
(۳)	نقل واملاء	مقررہ کتاب سے
(۴)	دینیات	چمن اسلام حصہ چہارم
(۵)	جغرافیہ	ہمارا صوبہ اتر پردیش
(۶)	تاریخ	آئینہ تاریخ
(۷)	سائنس	سرکاری نصاب کے مطابق

(۸)	حساب	प्रारम्भिक गणित भाग 4
(۹)	ہندی	हमारी पोथी भाग 3
(۱۰)	انگلش	Simple -5
(۱۱)	دعاءوآداب	نماز کی دعاؤں کا حفظ مع عملی مشق (نماز نبوی ﷺ)
(۱۲)	کھیل کود	عمر کے مناسب

زبیر احمد عبدالمعبود المدنی
ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور

اخوان جماعت کی خدمت میں

دردمندانہ اپیل

افسوس وغم کی بات یہ ہے کہ ہماری غفلت ولا پرواہی سے شرک و بدعت میں اضافہ ہورہا ہے. جماعت کے امراء ورؤسا کا ذہن وفکر دل ودماغ ادھر کچھ دنوں سے اس طرح ڈھل گیا ہے کہ یہ لوگ دین ومذہب کے بنیادی مسائل کو سمجھ ہی نہیں پاتے یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہمارے علاقہ کے امراء ورؤسا لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرتے ہیں مگر زیادہ تر یہ رقمیں بالکل غیر ضروری اور نا قابل التفات کاموں پر خرچ کرتے ہیں اسلام دشمن طاقتیں چوطرفہ اسلام کو نشانہ بنا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ پتیوں کی حفاظت کررہے ہیں حالانکہ جڑ پر آرے چل رہے ہیں ہم اس مرض کا علاج کررہے ہیں جس کا کانٹا چبھ گیا ہو مگر سرطان کا مریض جو دم توڑ رہا ہے اس کی طرف سے بے نیاز ہیں ہمارا قافلۂ توحید بے سروسامانی کے ساتھ سفر کررہا ہے۔

جمعیت آپ کی ہے آپ بھی اسے اپنا سمجھیں محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے مالی مشکلات میں تو اس وقت سارے ادارے مبتلا ہیں اور بعض ادارے تو سسک ہی رہے ہیں ضلعی جمعیت اہل حدیث بلرام پور اس عالمگیر آزمائش سے علیحدہ نہیں، اس کی اعانت وامداد آپ کے اہم فرائض میں سے ہے، ہمارے علماء کرام جو کسی جماعت وملت کی تعمیر وتخریب کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ بھی اپنی ذمہ داری محسوس

کریں، نکتہ چینی سے آسان دنیا میں کوئی کام نہیں ہے حالانکہ ہم میں سے ہر شخص صرف اپنے سے سوال کرے کہ میں نے اب تک جمعیت کی عملی امداد کیا کی ہے؟ اور آمدنی کا کتنا حصہ اس کی نذر کیا ہے؟ اپنے خوشحال دوستوں سے کہاں تک امداد دلائی ہے؟ اپنے وقت عزیز کے کتنے گھنٹے جمعیت و جماعت کے کام کے لئے نکالے ہیں، ہاں ہر ادارہ خصوصاً اصلاحی و تنظیمی ادارہ چلانے میں جو عملی دشواریاں رونما ہوتی ہیں انھیں کارکنوں کا دل وجگر جانتا ہے ہم ان ذمہ داریوں کو دوسرے کے سر ڈالے ہوئے ہیں تو کم ازکم انھیں کچھ امداد تو دے ہی دیا کریں۔

آپ سب جمعیت و جماعت سے منسلک ہیں اور جمعیت و جماعت کسی عمارت کے درودیوار اینٹ چونے کے انبار کا نام نہیں جمعیت ہے چند مقاصد کا خلاصہ صرف ایک دینی خدمت دین کا درد دین کی حمایت ونصرت اور دشمنان دین سے مقابلہ کرنا ہے آپ کے پاس نقوش راہ راہ عمل ودستورالعمل موجود ہے صرف حرکت وعمل کی ضرورت ہے ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارا جماعتی قافلہ کن کن مشکلات سے گذر رہا ہے بیسوں نازک مسائل سامنے ہیں ان میں جماعتی مسائل کے علاوہ سیاسی معاشی اقتصادی اور تعلیمی مسائل ہیں اور ہم جب تک ان منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع نہیں کرتے اور اپنے قوائے عمل میں مرکزیت اور تنظیم پیدا نہیں کرتے ہم نہ جماعتی مشکلات کو حل کر سکیں گے اور نہ مستقبل کے لئے کوئی واضح موقف متعین کر سکیں گے، وقت بجلی کی سی تیزی کے ساتھ مسافت طے کر رہا ہے جو جماعت سستی اور کاہلی کے طوق اپنے گردن سے اتار نہیں پھینکے گی تو وہ جماعت کسی واضح اور متعین نصب العین کی

طرف قدم زن نہیں ہوگی، زمانہ اس کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اپنی رفتار کو نہیں روکے گا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ سست مسافر پلیٹ فارم پر کھڑا رہ جاتا ہے اور ریل گاڑی کوسوں دور نکل جاتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضلعی جمعیت بلرام پور کو دن دونی رات چوگنی ترقیات نصیب فرمائے اور مقتدر اراکین کے عزائم میں کوہ ہمالیہ جیسی رفعت وعظمت عطا کرے۔

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

والسلام

طالب دعا

عبدالرؤف خاں ندوی

۲۰/اگست ۲۰۲۱ء

مرض اور علاج

آج ہم جب اپنی قومی مزاج پر نظر ڈالتے ہیں تو عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ:

☆مسجد بنا دینے کے بعد نمازوں کی ادائیگی سے خود بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اپنی ساری ذمہ داریاں تنخواہ کے امام اور موذن پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

☆ایک مدرسہ یا مکتب کی بنیاد ڈال کر بچوں کو مولوی صاحب کے سپرد کر دینے کے بعد اپنے آپ کو تمام فرائض منصبی سے سبکدوش کر لیتے ہیں۔اسی طرح سے ایک ادارہ قائم کر کے اس میں کچھ کارکن مقرر کر کے انھیں پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔

ہمارے قومی مسائل صرف صدر و ناظمین ادارہ اور متعلقہ ملازمین کی تگ و دَو سے حل نہ ہوسکیں گے، علماء کرام کی فصیح و بلیغ تقریریں اور پُر زور اپیلیں کافی نہ ہوگی، جب تک قوم و جماعت کے اہل قلم حضرات اور رؤسائے قوم اپنے بے پناہ کاروباری جھمیلوں سے باہر نکل کر میدان عمل میں نہ آئیں صرف خیالی مشوروں، ہوائی منصوبوں اور بے مقصد تنقیدوں سے پرچم اسلام سرسبز نہ ہوگا۔

ع کچھ کام نہیں بنتا بے ہمت مردانہ

اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مخلصانہ طور پر اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے وقف کر دیں۔

عبدالرؤف ندوی

۲۰ راگست ۲۰۲۱ء

بالاکوٹ کے غار سے پوچھو

از: مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی رحمہ اللہ

تھا گلشن جب پھول سے خالی — میں ہی بنا تھا باغ کا مالی
سر دے دے کر کی رکھوالی — ہر سو میرے خون کی لالی
اب جس باغ میں پھول کھلے ہیں — پہلے سر تھے ڈالی ڈالی
گورے گورے ابلیسوں سے — لڑ کر کے گردن کٹوالی
پوچھو تختہ دار سے پوچھو — ہر تلوار کی دھار سے پوچھو
بالاکوٹ کے غار سے پوچھو — دہلی کے بازار سے پوچھو
کچھ لوگوں نے دبا رکھا ہے — مجھ کو پست بنا رکھا ہے
سو الزام لگا رکھا ہے — جھوٹ کا دریا بہا رکھا ہے
ان سے کہہ دو شور مچا کر — میں نے باغ سجا رکھا ہے
پٹنہ صادق پور سے آکر — میں نے ان کو جگا رکھا ہے
عابد مجھ میں زاہد مجھ میں — حمزہؓ، حیدرؓ، خالدؓ مجھ میں
ابو قحافہ جیسے مخلص — بو درداء جیسے زاہد مجھ میں
مجھ میں شیر کے میدانوں میں — صد ہا روح مساجد مجھ میں

بالاکوٹ کے غار سے پوچھو
دہلی کے بازار سے پوچھو

مولانا ذکراللہ ذاکرندوی رحمہ اللہ

جمعیت اہل حدیث

خاص ہے توحید وسنت دعوتِ اہل حدیث
دیتی ہے دعوت یہی جمعیتِ اہل حدیث
پھر کہو دعوت یہی مکہ کی ہے طیبہ کی ہے
اور یہ دعوت نہیں کوفہ کی ہے بصرہ کی ہے
اس کے داعی تھے بخاریؒ اور ابن تیمیہؒ
اور مسلمؒ اور شوکانیؒ نے درس اس کا دیا
گو ائمہ اب نہیں ان کے صحیفے دیکھئے
اور زبیدہ اب نہیں وہ نہر جاری دیکھئے
شاہ ولی اللہؒ نے دعوت یہی دلّی میں دی
جیسی دعوت سلفیوں نے جلسۂ ملّی میں دی
اور یہ دعوت تھی کھل کر اور نہیں تھی اوٹ میں
تیغ کے سائے میں دی سرحد کے بالاکوٹ میں
شیر پنجاب اک ثناء اللہؒ وسیف اللہ تھے
حضرتِ جوناگڑھیؒ دعوت کے اسد اللہ تھے
اور احسانِ الٰہی یعنی علامہ ظہیرؒ
کاروانِ دعوتِ حق کے تھے وہ اعلیٰ امیر

اور خطیب الہندؒ وہ جھنڈا نگر کے یاد ہیں
ان کے خطبوں سے فضائیں آج تک آباد ہیں
غزنویؒ داؤد کی شعلہ فشاں تقریر تھی
میر کی تفسیر لوح قلب پر تحریر تھی
عبدِ رحمانِ مبارکپورؒ کی جرح حدیث
جوزیؒ وابن حجرؒ کی شرح تھی شرح حدیث
عونِ معبود اور شاہد غایۃ المقصود بھی
ذاتِ شمسؒ الحق ڈیانہ بھی تو اک موجود تھی
اور حریریؒ، میمنیؒ، بسکوہری عبد الغفورؒ
سب یہ تھے عربی ادب کے مرتفع مینارِ نور
سب یہ تھے سلفی اکابر علم اور فن کے جبال
تم بھی سلفی جانشینوں ان کی بن جاؤ مثال
عالم وفاضل ہی کیا بن جایئے فن کے امام
ہے زوالِ فن کمالِ فن کی پھر تھامیں زمام
علم سے ذہبیؒ، سیوطیؒ اور رازیؒ آپ ہوں
دعوت سلفی کے میدانوں کے غازی آپ ہوں
اب جہاد دعوت سلفی کا لکھوں رزمیہ
لکھ چکا ذاکر میں بزم دیں کی استقبالیہ

یوسف جمیل

ترانۂ توحید

اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا صد شکر ہے کہ ہم کو اس رنگ نے نکھارا
ہم حامل شریعت توحید اپنا نعرہ
سینوں میں جل اٹھا ہے سنت کا اک شرارہ
بجھنے نہ دیں گے ہرگز ہر ظلم ہے گوارہ اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
درس کتاب وسنت سب کو پڑھائیں گے ہم
ایثار اور اخوت سب کو سکھائیں گے ہم
حرف غلط کے مانند بدعت مٹائیں گے ہم
جی جان سے ہے ہم کو خدمت یہی گوارا اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
ہم اقتدا نبی کی کرتے رہیں گے پیہم
تن میں ہمارے باقی جب تک رہے گا یہ دم
وہ مقتدا ہمارے وہ ہے امام اعظم
قرآن سے ہے واضح دوٹوک یہ اشارہ اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
شمع محمدی ہے پھونکوں سے کیا بجھے گی
اس کی محافظت کو خود ہی ہوا چلے گی
پروانہ وار اس پر خلق خدا کرے گی
کیسا حسین ہوگا اس وقت کا نظارہ اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا

تربت کے اولیاء پہ ہم سر نہیں جھکاتے
یا غوث کا کبھی ہم نعرہ نہیں لگاتے
مشکل کشا کسی کو اپنا نہیں بناتے
کافی ہے ہم کو یارو اللہ کا سہارا　　اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
گائیں گے ہم ہمیشہ توحید کے ترانے
آتے نہیں ہیں ہم کو قصہ نئے پرانے
پامال ہو چکے ہیں تقلید کے فسانے
سنت کی پیروی میں کرلیں گے ہم گزارا　　اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
آؤ پڑھیں پڑھائیں ہم مسلم و بخاری
خودساختہ روایت ہوتی ہے ہم کو بھاری
لیکن صحیح حدیثیں لگتی ہیں ہم کو پیاری
سنت کی پیروی میں کرلیں گے ہم گذارا　　اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
حبّ نبی ہمارا دستور زندگی ہے، دستور بندگی ہے
رخشندگی یہی ہے، تابندگی یہی ہے
طرز عمل ہمارا ہے سب پہ آشکارا　　اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا
ایک تیشۂ خلیلی رکھتے ہیں پیرہن میں
لرزاہے جس سے طاری طاغوت انجمن میں
ہاں کفر ہے ہمیں سے کلفت میں اور گھٹن میں
یوسف جمیل ہم سے اس کا جگر ہے پارہ
صد شکر ہے کہ ہم کو اس رنگ نے نکھارا　　اہل حدیث ہیں ہم یہ عزم ہے ہمارا

۞۞۞

علمائے اہل حدیث کی دینی اور علمی خدمات

تلسی پور اٹھاون (۵۸) برس پہلے جب میری مَسیں نہیں بھیگی تھیں میں نے ایک سے زیادہ بار دیکھا تھا مگر صرف ریلوے اسٹیشن کی حد تک اور اس کو اس کی ''شوگر فیکٹری'' کی وجہ سے شہرت حاصل تھی اور میری معلومات کی حد تک اس کو کوئی علمی شہرت نہیں حاصل تھی مگر کسے معلوم تھا کہ نصف صدی کے اندر اندر اس میں مولانا عبدالرؤف خاں ندوی حفظہ اللہ کے مقام و مرتبہ کا انسان پیدا ہوگا جو محض اللہ کی توفیق اور پھر اپنی ذاتی صلاحیت اور صرف اپنی سعی و جہد سے کاروان سلف جیسا زرّیں علمی سلسلہ جاری کرے گا اور اس کے ذریعہ نہایت حسین اور موثر انداز میں علمائے اہل حدیث کی دینی اور علمی خدمات اور کارناموں کو اجاگر کرے گا۔

صد آفریں ہے مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ کو کہ وہ تنہا اور صرف اللہ کے بھروسے پر اتنا عظیم کام اور وہ بھی اس خوبصورت انداز میں انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی دست گیری فرمائے ان کو صحت و عافیت سے نوازے اور ان کی تمام دینی خدمات اور ان کے خاص زرّیں سلسلہ کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

اسی کتاب سے ماخوذ
از قلم فضیلۃ الدکتور سید سعید عابدی ازہری / حفظہ اللہ
ندوۃ السنۃ اٹوا بازار
بروز جمعہ ۲۰/ اگست ۲۰۲۱ء